مقدمہ
تاریخ زبان اُردو

مسعود حسین خاں

ایجوکیشنل بُک ہاؤس ○ علی گڑھ

www.taemeernews.com

مقدّمہ
تاریخِ زبانِ اُردو

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مقدّمہ

تاریخِ زبانِ اُردو

اُردو زبان کے عہد بعہد ارتقا کی تاریخ اور
اس کی ابتدا سے متعلق لسانیاتی نظریوں کا جائزہ

جدید ایڈیشن

مسعود حسین خاں
پروفیسر ایمیریٹس

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی (علیگ)، ڈی لِٹ (پیرس)
سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اُردو عثمانیہ یونیورسٹی
سابق پروفیسر و صدر شعبۂ لسانیات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

ایجوکیشنل بُک ہاؤس ○ علی گڑھ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

جملہ حقوق بحقِ ناشر محفوظ

بارہویں اشاعت ۔۔۔ ـــــــ ۲۰۰۸
قیمت ـــــــ 75/-
مطبع ـــــــ ایم کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی

EBH

ناشر
ایجوکیشنل بک ہاؤس
مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

پیش لفظ

جوں جوں اردو زبان کا ڈَول اور کینڈا متعین ہوتا گیا اس کی ابتدا اور ارتقاء کے متعلق سوالات بھی ذہن میں پیدا ہونے لگے۔ علم اللسان سے ناواقف لوگوں کے نزدیک یہ ایک کھچڑی زبان تھی جو عربی، فارسی، ترکی اور ہندی کے میل سے پیدا ہوئی تھی جسے کبھی شاہ جہانی لشکر سے منسوب کیا جاتا تھا اور کبھی اکبر کے سنہرے عہد سے۔ اردو کی ابتدا کا یہ نظریہ بہت زیادہ تشفی بخش نہ تھا۔ ارتقا کا وہ تصور جس پر آج فکرِ انسانی کی بنیادیں قائم ہیں، لسانیاتی دنیا میں بھی کارفرما ہے، چنانچہ زبان جاننے والوں نے فوراً پہچان لیا کہ اس کھچڑی زبان کی تہ میں کون سی بولی ہے۔

ہند آریائی زبانوں پر نئی تحقیق کے باوجود اردو زبان کی ابتدا کا مسئلہ ابھی دھندلکے میں ہے۔ زمانۂ حال میں اس زبان کی ابتدا اور آغاز سے متعلق جو مختلف نظریئے ملتے ہیں ان میں سے بیشتر قیاس آرائیاں ہیں جن کا شاید ذکر بھی کسی علمی اور تحقیقی مقالے میں نہیں آنا چاہیئے۔ اردو کو دکن، گجرات، مدراس

www.taemeernews.com

اور سندھ سے جو نسبت ہے اس کی تاریخی اہمیت مسلم ہے اور بس۔ مسائل زبان کو سمجھنے والے اردو کی ابتدا کے سلسلے میں ان نظریوں کا ذکر تک شاید گوارا نہ کریں۔

ہند آریائی لسانیات میں بیسویں صدی کا سب سے بڑا کارنامہ گریرسن کا عظیم الشان "لسانیاتی جائزہ ہند" ہے۔ گریرسن نے سب سے پہلے بالتفصیل ان قیاس آرائیوں کا ازالہ کیا ہے جو ہماری زبان کے کینڈے کے متعلق بغیر سوچے سمجھے کی گئی تھیں۔ اس نے ہند آریائی زبان کے تاریخی تسلسل کی نشان دہی کی اور جدید آریائی زبانوں کے باہمی رشتوں کو معلوم کرنے کی کوشش کی۔ اسی نے سب سے پہلے کھڑی بولی کو ایک مستقل بولی کی حیثیت بھی بخشی، لیکن گریرسن پنجابی، کھڑی بولی اور برج بھاشا کے باہمی رشتوں کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہ چلا سکا اس لئے کھڑی بولی کی علیحدہ حیثیت کو مانتے ہوئے بھی وہ متضاد باتیں لکھ گیا ہے جن کا ماحصل یہ ہے کہ کھڑی بولی، برج اور پنجابی کے امتزاج سے پیدا ہوئی ہے۔

گریرسن کی لسانی تحقیقات اردو زبان کے متعلق حرفِ آخر کا حکم نہیں رکھتیں، پروفیسر شیرانی جیسے بالغ نظر محقق نے بھانپ لیا۔ شیرانی کو اپنے نقطۂ نظر کے لئے اشارہ خود گریرسن کی تحریروں میں مل گیا ہے جس نے اردو کے "پنجابی پن" پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ پروفیسر محمود شیرانی کی "پنجاب میں اردو" (۱۹۲۸) اس لحاظ سے ایک اہم تصنیف ہے۔

لیکن اردو کی ابتدا کے سلسلہ میں تحقیق کا دروازہ یہیں پر بند نہیں ہو جاتا۔

www.taemeernews.com

پروفیسر شیرانی نے دہلی کی قدیم زبان کے متعلق محض قیاس آرائی سے کام لیا ہے اور ہریانوی زبان کو اردو کی قدیم شکل کہہ کر چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت ہے کہ سلاطینِ دہلی کے لشکر میں اور شہر کے بازاروں میں ہریانہ علاقہ کی آبادی کا عنصر ہمیشہ زیادہ رہا ہے۔ لہٰذا اردو کی ابتدا پر کام کرنے والوں کی توجہ نواح دہلی کی بولیوں پر مرکوز ہونی چاہیئے۔ ساتھ ساتھ ہمسایہ بولیوں پنجابی، برج بھاشا وغیرہ پر بھی نظر رکھنی پڑے گی۔ اس نئے لسانی میدان کی طرف اشارہ سب سے پہلے پروفیسر ژول بلوک کی تحریروں (البلیٹن اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز لندن (۱۹۲۸ء) میں ملتا ہے۔ بعد کو "ہندوستانی لسانیات" (۱۹۳۲ء) میں ڈاکٹر زور نے بھی اردو پر ہریانی زبان کے اثرات کا ذکر کیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ شیرانی کی "پنجاب میں اردو" ہو یا ژول بلوک کا ہریانوی پر زور یہ تمام نظریات نیم صداقتوں کے حامل ہیں۔ شیرانی نے یہ فرض کر لیا کہ نواح دہلی کی تمام بولیاں مسلمانوں کی فتح دہلی (۱۱۹۲ء) کے بعد ارتقا پذیر ہوتی ہیں اور "چونکہ مسلمان پنجاب سے ہجرت کر کے جاتے ہیں اس لئے ضروری ہے کہ پنجاب سے کوئی زبان اپنے ساتھ لے کر گئے ہوں گے!"، ژول بلوک نے نواحِ دہلی کی دوسری بولیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے صرف ہریانوی کی اہمیت پر زور دیا ہے اس سلسلے میں دونوں نے دہلی کی اس حیثیت کو فراموش کر دیا کہ یہ شہر ہریانوی کھڑی اور میواتی (راجستھانی کی بولی) کے سنگم پر واقع ہے۔ جنوب میں تھوڑے فاصلہ پر برج کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہلی میں عرصے تک زبان کا معیار اور ڈول متعین نہیں ہو سکا۔ ابتدا میں اردو پر جمنا کے پار کی ہریانوی

www.taemeernews.com

اور میواتی کے لسانی اثرات رہے جس کی تائید پنجابی سے بھی ہوتی رہی۔ بعد کو سکندر لودھی کے زمانے سے لے کر شاہ جہاں کے عہد تک آگرہ دارالسلطنت رہا اس طرح برج بھاشا کی تائید سے کھڑی بولی کا محاورہ غالب آتا گیا یہی وجہ ہے کہ آج کی معیاری اردو جمنا کے اس پار کی مغربی یوپی کی بولیوں سے قریب ہے۔

پروفیسر شیرانی کی تحقیقات سے ہریانوی زبان کے بعض قدیم مصنفین کے ادبی کارنامے ہمارے سامنے آگئے ہیں جن کی زبان کا تجزیہ اور پنجابی کے قدیم ترین نمونوں سے تقابلی مطالعہ اس بات کو اچھی طرح ثابت کر دیتا ہے کہ ہریانوی زبان پرانی اردو کی باقی ماندہ شکل نہیں بلکہ ایک علیحدہ اور مستقل زبان کی حیثیت سے عرصے سے مضافات دہلی میں رائج تھی۔ چنانچہ ہم نے اس مقالے میں قدیم دکنی (جس کی توجیہ پروفیسر شیرانی نے پنجابی سے کی ہے) کے اکثر کھوئے ہوئے لسانی سررشتوں کی کھوج نواح دہلی کی بولیوں، ہریانوی، کھڑی اور میواتی سے پیش کر کے اردو کی ابتدا کے متعلق ایک نئے نظریئے کا خاکہ پیش کیا ہے۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں کے طلوع کے وقت ہریانوی اور پنجابی میں خطِ فاصل قایم کرنا دشوار تھا۔ قدیم اردو اور دکنی کا "پنجابی پن" اس کا "ہریانی پن" بھی ہے۔ البتہ شورسینی اَپ بھرنش کی جانشین ہونے کی حیثیت سے پنجابی زبان کے مقابلے میں ہریانوی اور کھڑی بولی کو زیادہ قدیم ماننا پڑے گا۔

زیرِ نظر مقالے میں اردو زبان کے تسلسل کی نشان دہی ویدک زمانہ

www.taemeernews.com

(۱۵۰۰ ق م) سے ۱۸۵۰ء تک کی گئی ہے یہ ضروری بھی تھا کیوں کہ —
ہماری زبان اسی زبان کا پیوند ہے جو سالہا سال کی مدت میں ہند کی سرزمین
میں پروان چڑھی۔ زبان کا نقشِ ماضی عام طور سے اس کے مستقبل کے لیئے
نشانِ راہ کا کام دیتا ہے، ہماری زبان کے اکثر نئے رجحانات اور مسائل کا حل
اس کی پچھلی سرگذشت میں مل جائے گا۔ اس زبان کے ارتقا کی داستان کا
تیسرے باب میں احاطہ کیا ہے۔ اس داستان کا سرا شمالی ہند سے اٹھایا ہے لیکن
اسکی تاریخی تشکیل کے لئے پہلا مستند مواد دکن میں ملا ہے جس کا بھرپور تجزیہ کیا گیا
ہے۔ سترھویں صدی سے شمالی ہند پھر تاریخ کی روشنی میں آجاتا ہے اس لئے
باقی تین سو برس کی کہانی شمالی ہند میں اردو زبان کے ارتقا کی داستان ہے۔

برج بھاشا، کھڑی بولی (ہندوستانی یا خسرو کی "زبانِ دہلی") پنجابی اور ہریانوی
بولیوں کے تقابلی مطالعہ پر مقالہ کے بیشتر صفحات صرف کئے گئے ہیں۔ ایسا کرتے
وقت ہر زبان کے قدیم و جدید مستند نمونوں کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ مقالے کا یہ
حصّہ خالص لسانیاتی ہے۔ اس میں نواحِ دہلی کی تمام بولیوں کے باریک اختلافات
کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاریخ زبان سے جو نتائج
ہم نے اخذ کئے ہیں، انھیں مبسوط لسانی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ ضمناً اردو
کی ابتدا کے متعلق آزاد اور شیرانی کے نظریوں کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے دکنی
اُردو کے عقدہ کا نیا حل بھی پیش کیا ہے۔

اب کچھ موجودہ اشاعت کے بارے میں بھی۔

"مقدمۂ تاریخ زبان اُردو" کا یہ ساتواں ایڈیشن ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن

www.taemeernews.com

۱۹۴۸ء میں دہلی سے شائع ہوا تھا۔ اس کے بعد چند سال کے وقفوں سے سرسید بک ڈپو نے اس کے اچھے بُرے پانچ ایڈیشن اور شائع کیے، جن میں صرف تیسرے ایڈیشن (۱۹۵۸ء) میں تبدیلیاں اور اضافے کیے گئے تھے۔ اب اس ساتویں اشاعت میں نہ صرف پچھلے اٹھائیس سال کی نئی معلومات کی روشنی میں اضافہ و ترمیمات کی گئی ہیں بلکہ اس کا تیسرا باب ازسرِ نو لکھا گیا ہے۔ ایک لحاظ سے یہی باب اس تحقیقی مقالے کی جان ہے۔ اس کے علاوہ اُردو کے ماخذ کے بارے میں تھوڑی سی نظریاتی ترمیم بھی کی گئی ہے اور امیر خسرو کی "نُہ سپہر" میں دی ہوئی بارہ ہندوستانی زبانوں کی فہرست سے "زبانِ دہلی و پیرامنش" (دہلی اور اس کے نواح کی بولیاں) کو اردو کا سرچشمہ ثابت کیا گیا ہے، اس طرح کھڑی بولی کے ساتھ ہریانوی بھی اس میں برابر کی حصہ دار ہو گئی ہے۔ برج بھاشا کے اثرات کے سلسلے میں ڈیڑھ سو سال تک آگرے کے دارالسلطنت بنے رہنے پر بھی زور دیا گیا ہے۔

ناسپاسی ہوگی اگر موجودہ دیدہ زیب ایڈیشن کے لئے میں اپنے دوست اور ایجوکیشنل بک ہاؤس کے مالک و منیجر اسد یار خاں صاحب کے سلیقے اور انہماک کا شکریہ ادا نہ کروں جس کے بغیر اس کے حسن و صحت دونوں کی ضمانت کرنا ناممکن ہوتا۔

مسعود حسین خاں

۲۰ر نومبر ۱۹۸۶ء

جاوید منزل، جامعہ اردو روڈ

دودھپور، علی گڑھ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

ترتیب

صفحہ

پہلا باب: ہند آریائی کا ارتقا

آریوں کا وطن اور داخلۂ ہند ۱

ہند آریائی کا عہدِ قدیم ۸

ہند آریائی کا عہدِ وسطیٰ ۱۸

ہند آریائی کا عہدِ جدید ۲۵

دوسرا باب: ہندوستان کی جدید آریائی زبانیں

جدید آریائی زبانوں کی گروہ بندی ۳۶

مغربی ہندی اور اُس کی بولیاں ۵۶

تیسرا باب: اردو زبان کا ارتقا

شمالی ہند ۱۲۰۰ تا ۱۷۰۰ء ۷۱

دکن ۱۳۰۰ تا ۱۷۰۰ء ۱۰۸

شمالی ہند ۱۷۰۰ تا ۱۸۵۷ء ۱۵۰

www.taemeernews.com

چوتھا باب: اردو کی ابتدا : لسانی نظریات

اردو اور برج بھاشا ۱۸۸

اردو اور پنجابی ۲۰۱

پانچواں باب: زبانِ "دہلی و پیرامنش" (خسرو) ۲۳۴

اردو اور ہریانوی ۲۳۶

اردو اور کھڑی بولی ۲۴۶

کتابیات ۲۶۳

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

مخفّفات

اح	=	انتخاب حاتم	ق م	=	قطب مشتری
ان	=	ابراہیم نامہ	ق م د	=	قصہ مہر افروز و دلبر
ب ب	=	باغ و بہار	ک پ	=	کدم راؤ پدم راؤ (مثنوی)
پھ ب	=	پھولبن	ک ز	=	کلیات (جعفر) زٹلی
چ م	=	چندر بدن و مہیار	ک ح	=	کلمۃ الحقائق
د آ	=	دیوانِ آبرو	ک غ	=	کلیاتِ غواصی
د د	=	دیوانِ درد	ک ک	=	کربل کتھا
د ف	=	دیوانِ فائز	ک م	=	کلیات میر
د ن	=	دیوان ناجی	ک م ق ق	=	کلیات محمد قلی قطب شاہ
د ہ	=	دیوانِ ہاشمی (بیجاپوری)	ن ہ	=	نوسرہار
س ر	=	سب رس	نوادر	=	نوادر الالفاظ

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

www.taemeernews.com

پہلا باب

ہند آریائی کا ارتقا

آریوں کا وطن اور داخلۂ ہند

ہند یورپی خاندان کی زبانوں کا تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد ماہرینِ لسانیات اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ یہ تمام زبانیں کسی ایک۔ قدیم زبان سے نکلی ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں ہمیں میکس مولر کا یہ قول نہیں بھولنا چاہیئے کہ زبانوں کے ہند یورپی خاندان کا وجود اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ اس کے بولنے والے بھی ایک ہی نسل سے ہوں گے۔ یہ اصل زبان کیا تھی؟ اس کے بولنے والے کہاں بستے تھے، اور وہ کس طرح یورپ و ایشیا کے وسیع براعظموں میں پھیلے؟ آریوں کے متعلق یہ ایسے سوال ہیں جن پر محققین آج تک متفق نہ ہو سکے۔ علمی تحقیق میں اختلاف کی کس درجہ گنجائش ہے اس کا اندازہ ان مختلف نظریوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہوتا ہے جو آریوں اور انکے اصل وطن کے متعلق پیش

www.taemeernews.com

کیے گئے ہیں - ان کا سلسلہ ہندوستان (پنجاب وکشمیر) سے شروع ہو کر ہندوکش، تبت، کاکیشیا، وسط ایشیا، جنوبی روس، بحیرۂ بالٹک کا ساحل، اسکنڈی نیویا، آسٹریا، ہنگری، شمالی جرمنی، پولینڈ اور بالآخر سائبیریا اور خطۂ منجمد شمالی پر ختم ہوتا ہے - ان سب نظریوں کی تفصیل اور پھر ان کی تردید موضوع بحث کو صرف خبط کرے گی - لہٰذا یہاں چند مستند نظریوں کی وضاحت پر قناعت کی جاتی ہے -

آریوں کی قدیم کتابوں میں ان کے اصل وطن اور آمد کے سلسلے میں کوئی اشارہ نہیں ملتا - قدیم زمانے میں لوگوں کا خیال تھا کہ آریا تبت سے آئے تھے - ہندوؤں کے مذہبی عقیدہ کی رو سے تبت کو انسان کا پہلا مسکن مانا جاتا ہے، اس لیے آریوں کو بھی اسی علاقے سے منسوب کیا گیا - سنسکرت کے بعض عالموں کا خیال ہے کہ آریا قبائل ہندوستان ہی کی پاک سرزمین سے اٹھے اور بعد میں ایران و یورپ میں پھیل گئے - اس نظریہ کو پنڈت ہری اودھ نے اپنی کتاب "ہندی بھاشا اور ساہتیہ کا وکاس[1]" میں وضاحت سے بیان کیا ہے اور اپنی اس رائے کی تائید میں سوامی دیانند، شری نرائن بھون راؤ پاوگی اور کئی یورپی عالموں کی رائیں پیش کی ہیں، لیکن ان نظریوں میں قباحت یہ ہے کہ یہ تحقیق سے زیادہ عقیدے کی پیداوار ہیں - یہ صحیح ہے کہ بقول میور[2] سنسکرت کی جتنی قدیم کتابیں ہیں ان میں آریوں کے بدیسی ہونے کی طرف کہیں بھی اشارہ نہیں ملتا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی کہیں کھول کر

---

[1] ص ۱۳ [2] سنسکرت ٹیکسٹ بک جلد دوم ص ۲۲۴

www.taemeernews.com

نہیں لکھی گئی کہ آریا اسی سرزمین سے اٹھے تھے۔ رِگ وید کے اندر یہاں کے دیسی قبائل اور آریوں کی لگاتار لڑائیوں کے بارے میں جو اشارے ملتے ہیں ان سے تو صاف یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آریا قبائل شمال مغربی ہندوستان کے درّوں سے لڑتے بھڑتے اور فتح کرتے ہوئے ہندوستان کے میدانوں میں داخل ہوتے ہیں۔ ان محققین کا یہ طریقۂ استدلال نہایت پھُس پھُسا ہے کہ چوں کہ ہندوستان قدیم تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہے اس لیے ابتدائی زبان کی تلاش یہیں کرنی چاہیئے۔ ایسا کہتے وقت ان کے ذہن سے وہ لسانی رشتے یکسر محو ہو جاتے ہیں جو ہمیں ایک طرف ایران اور دوسری طرف یورپ کی موجودہ زبانوں سے وابستہ کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ اس نظریہ کے حامیوں میں اختلاف رائے بھی ہے۔ بعضوں کا خیال ہے کہ آریا پنجاب میں دریائے سرسوتی کے کنارے بستے تھے۔ کچھ قندھار اور تبت کو آریوں کی جنم بھومی بتاتے ہیں۔ پروفیسر کیتھ کا، جس کی دبی زبان سے گریرسن بھی تائید کرتا ہے، خیال ہے کہ آریا قبائل کا مرزوبوم ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر تھا۔ کیتھ کی یہ رائے مان لینے سے وسطی ایشیا والے نظریئے (جس کی وضاحت آگے کی جائے گی) پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ گریرسن[1] کا خیال ہے کہ رِگ وید ــ کے سب سے پہلے منتر آریوں کے داخلہ ہندوستان سے قبل لکھے جا چکے تھے۔ یہ اس زبان میں لکھے گئے ہیں جو ہند ایرانی زبانوں کی ماں تھی۔

تقریباً سب جدید محققینِ لسانیات اس پر متفق ہیں کہ آریوں کے وطن کی

---

[1] لسانیاتی جائزۂ ہند: جلد اول: حصہ اول ص ۵۷

www.taemeernews.com

تلاش وسطی ایشیا کے علاقوں ہی میں کرنا پڑے گی۔ ڈاکٹر چٹرجی کا خیال ہے کہ قردن اولیٰ کی ہند یورپی زبان وتمدن کا گہوارہ یوریشیا کے وہ وسیع میدان ہیں جن کا سلسلہ ایک طرف پولینڈ اور جرمنی سے ملتا ہے اور دوسری طرف یورال پہاڑوں کے جنوب میں وسط ایشیا کے الطائی اور تھین شان کے سلسلہ ہائے کوہ سے۔ پروفیسر شریدر نے تعینِ مقام کرتے ہوئے دریائے والگا کے دہانے کو آریوں کا اصل وطن قرار دیا ہے۔ ان کے خیال میں تاریخی دھندلکے میں آریا مغرب اور جنوب مشرق کی طرف پھیلنا شروع ہوئے۔ جو گروہ مغرب میں داخل ہوتا ہے وہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوکر تمام یورپ میں پھیل جاتا ہے اور موجودہ آرمینین، یونانی، البینین، کیلٹک، جرمن، سلوانک اور تخارین زبانوں کو جنم دیتا ہے۔ دوسرا گروہ جو جنوب مشرق کی سمت اختیار کرتا ہے بحیرۂ کیسپین کے شمال سے ہوتا ہوا موجودہ بدخشاں اور کوہ کند کے علاقے میں پہونچتا ہے جہاں وہ پھر دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے۔ ایک شاخ مشرقی ایران میں داخل ہوتی ہے اور پھر دریائے کابل کی وادی کے راستے سے ہندوستان میں۔

"کیمبرج ہسٹری آف انڈیا" میں پروفیسر (GILES) نے جغرافیائی اور تاریخی وجوہ کی بنا پر آریوں کی نقل وحرکت کے اس نظریہ کو رد کیا ہے۔ وہ آریوں کے پھیلنے کا مرکز آسٹریا ہنگری بتاتے ہیں اور اس طرح ان کے خیال میں سب سے زیادہ فطری راستہ درۂ دانیال اور ایشیائے کوچک میں سے ہوگا۔ تاریخ میں بعد کو نقل مکان کی جتنی مثالیں ملتی ہیں ان میں یہی

www.taemeernews.com

راستہ اختیار کیا گیا ہے۔ بحیرۂ کیپین کے شمال مشرق سے آریوں کا گذرنا اس لئے ناممکن قرار دیا گیا ہے کہ یہ نشیبی علاقہ ہے جس کا بیشتر حصہ عہدِ عتیق میں تہِ آب تھا۔ اس وقت بحیرۂ کیپین اتنے وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا کہ اس کا سلسلہ جھیل ارال سے ملتا تھا۔ اسی طرح جنوبی روس سے کاکیشیا کی جانب بھی نقل و حرکت ناممکن تھی۔ پہاڑوں کے اس دشوار گذار سلسلہ کو یونانی قدرتی فصیل سمجھتے تھے۔ آج بھی یہ سلسلہ صرف درّۂ دانیال سے عبور کیا جا سکتا ہے۔

"وسطی ایشیا" والے نظریہ کی تائید ان ریکارڈوں سے بھی ہوتی ہے جو ۱۹۰۶ء میں ایشیائے کوچک میں دریافت ہوئے ہیں اور جن کا تعلق ۱۵۰۰ قبل مسیح سے ہے۔ ان ریکارڈوں میں بعض دیوی دیوتاؤں کے نام مثلاً (اندرا، ارونا، متیرا وغیرہ) ملتے ہیں جنھیں متنّی کے حکمراں پوجتے تھے۔ یہ نام سنسکرت کی مقدس کتابوں میں جوں کے توں پائے جاتے ہیں۔ بالخصوص اعداد تو سنسکرت اعداد سے اتنے ملتے جلتے ہیں کہ یہ امر مسلم ہو جاتا ہے کہ آریا کاکیشیا کے راستے سے ایشیائے کوچک اور مشرق کی طرف بڑھے ہوں گے۔ اس طرح اوستا کی فطری اور غیر مصنوعی زبان کے دونوں کناروں پر ہمیں خالص مصنوعی زبان کے نمونے ملتے ہیں۔ مشرق میں سنسکرت اور مغرب میں ایشیائے کوچک کے نئے دریافت شدہ ریکارڈوں کی زبان۔ یہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ آریا ان دونوں مقاموں پر بیگانوں کی طرح رہے اور اپنی نسل اور زبان کو الگ تھلگ رکھا، جیسا کہ ان کا عام دستور تھا۔ اس کے برعکس ایران خاص میں ان کی زبان فطری طور پر بدل کر

www.taemeernews.com

اس مصنوعی رجحان کو گنوا دیتی ہے۔

ان آریوں کو تاریخی روشنی میں سب سے پہلے ہم شمال مغربی ایران میں (۲۰۰۰ ق۔م) دیکھتے ہیں۔ ہندوستان میں آریوں کے داخلہ کی تاریخ ۱۵۰۰ ق۔م مقرر کی جا سکتی ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ ہند یورپی زبان بولنے والے آریا اپنے داخلۂ ہند سے قبل عرصے تک مشرقی ایران میں قیام کر چکے تھے، جہاں ان کی زبان ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی ۲۰۰۰ ق۔م تک "ہندایرانی" منزل پر پہنچ جاتی ہے "ہند یورپی" زبان کی یہ "ہندایرانی" شکل ہی ان تمام زبانوں کی ماں کہی جا سکتی ہے جو بعد کو ایران میں پھیلیں اور جسے آریا بولتے ہوئے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ ہندوستان کے زرخیز میدانوں میں آریوں کا داخلہ کسی منظم سیاسی تحریک کی شکل میں نہیں تھا یہ عمل کئی صدیوں تک جاری رہا اور اس میں جہاں گیری سے زیادہ جہاں پیمائی کا جذبہ کارفرما تھا۔

ہندوستان میں آریوں کا سابقہ دراویدی[1] اور آسٹرک قوموں سے پڑا۔ دراویدیوں سے ان کا مقابلہ مغربی اور شمالی مغربی ہندوستان میں ہوا۔ آسٹرک زیادہ تر مشرقی اور وسط ہند کے علاقوں میں آباد تھے۔ ان قوموں کو زیر کرنے

---

[1] ہندوستان کے سب سے قدیم باشندے نیگریٹو قبائل تھے۔ ان کے بعد ہند چینی سے آسٹرک قبائل آئے جنھیں بعد کو مغرب سے آئے ہوئے دراویدی قبائل نے زیر کیا۔ ان کے بعد مغرب سے آریا اور مشرق اور شمال سے تبت چینی قبائل کا خروج ہوا۔ ہندی تہذیب میں نیگریٹو قبائل کے اثرات ہنوز تحقیق طلب ہیں۔ البتہ آسٹرک اور دراویدی قبائل نے ہماری مرکب تہذیب کے بعض بنیادی عناصر فراہم کئے ہیں۔ تبت چینی اثرات شمال مشرقی ہندوستان تک محدود ہیں۔

www.taemeernews.com

میں انھیں کافی جد وجہد کرنی پڑی ۔ اس جد وجہد کی جھلک رِگ وید کے بعض قصّوں میں پائی جاتی ہے ۔ چنانچہ موجودہ ہندی تمدّن خالص آریائی تمدّن نہیں کہا جا سکتا ۔ فاتح اور مفتوح دونوں آخر میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں ۔ یہی شکل یہاں بھی پیدا ہوئی ۔ جس طرح بعض مورخوں کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ہندوستان میں آریائی تمدّن مذہب کی آڑ میں پھیلا لیکن آریا قوم کے افراد بہت کم تعداد میں ہندوستان کو اپنا گھر بنا سکے ؛ اسی طرح یہ کہنا بھی تاریخی غلطی ہوگی کہ آریائی سماج دراویدی تمدّن کو نگل گیا تھا ۔ نئے انکشافات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ہندوستان میں نو وارد آریوں کا ایک ایسے تمدّن سے سابقہ پڑا تھا جو کئی لحاظ سے ان صحرا نوردوں کے تمدّن پر فوقیت رکھتا تھا ۔ چنانچہ موجودہ ہندی تمدّن کے بعض بنیادی عناصر اسی قدیم ہندوستانی تمدّن کی یادگار ہیں ۔ آریوں نے دراویدی مذہب کے بہت سے عناصر قبول کر لیے ۔ بعض دیوی دیوتاؤں کے تصوّرات اور دیو مالا، کچھ کھانے پینے کی چیزیں (پان سپاری) اور لباس (دھوتی اور ساری) خالص دراویدی عناصر ہیں ۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے، محققین نے دراویدی زبانوں کے بعض عناصر کی نشان دہی کی ہے ۔ ان زبانوں کا آریائی زبان کی قواعد اور صوتیات پر کافی اثر پڑا اور آریائی زبان نے "ہند ایرانی" منزل سے گذر کر "ہند آریائی" شکل اختیار کر لی ۔ شمالی ہند میں اب دراویدی زبانوں کا نام و نشان نہیں ملتا ہے ۔ تحقیق کا یہ حصّہ بالکل تاریکی میں ہے اس کے بجز کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ قدیم پراکرتوں کی پیدائش دیس کی انھیں بولیوں کی گود میں ہوئی ہوگی ۔

www.taemeernews.com

قدیم آریائی تہذیب کی سب سے بڑی دین "براہمی" رسم الخط ہے، جس کا ارتقا ہندوستان میں ہوا اور جو ہندوستان کی تمام زبانوں کی لکھاوٹوں۔ (الّا اردو اور کشمیری) کا ماخذ ہے اور جسے آریوں نے شروع سے اپنی زبانوں کے لئے استعمال کیا ہے۔

ہند آریائی کا عہدِ قدیم

(۱۵۰۰ ق م تا ۵۰۰ ق م)

آریائی زبان کا پہلا مستند نقش ہمیں رِگ وید (۱۰۰۰ ق م سے قبل) کی شکل میں ملتا ہے۔ اس وقت "ہندیورپی" زبان "ہندایرانی" منزل سے گذر کر خالص "ہند آریائی" شکل اختیار کر چکی تھی۔ چنانچہ مشرقی ایران سے لے کر پنجاب تک اس لسانی ارتقاء کے تسلسل کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ رِگ وید کے مختلف حصوں کی تصنیف مختلف زبانوں اور مختلف مقاموں پر ہوئی ہے۔ کسی میں قندھار کے راجہ دیوداس کا ذکر ہے تو کسی میں سندھ کے کنارے بسنے والے راجہ سُوداس کا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسکے کچھ منتر قندھار میں لکھے گئے کچھ دریائے سندھ کے کنارے اور کچھ جمنا کی وادی میں۔ رِگ وید کے ابتدائی حصے تو تقریباً ڈھائی ہزار برس قبل مسیح کی تصنیف ہیں۔ لیکن آخری باب آٹھویں صدی قبل مسیح میں تصنیف ہوئے۔ آریائی تہذیب کے اُس وقت دو بڑے مرکز تھے۔ مغرب میں گندھار اور مشرق میں براہمورتا (پٹیالہ اور کرنال کے اضلاع)

لے سنیتی کمار چٹرجی: بنگالی زبان کی ابتدا اور ارتقا۔ جلد اول ص ۳۹

www.taemeernews.com

اس میں شک نہیں کہ آریا ابھی دریائے سندھ تک ہی پہنچ پائے تھے کہ ان کی زبان نے ادبی شکل اختیار کرلی تھی۔ لیکن رِگ وید کے بیشتر منترا سی غیر مصنوعی اور سادہ زبان میں ہیں جو اس وقت آریوں کے گھرانوں میں بولی جاتی تھی۔ اگر بقول میکڈانلڈ[1] رِگ وید کی زبان کو ادبی مان بھی لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہ ہوگا کہ وہ اس زمانہ کی بولیوں کی نشان دہی نہیں کرتی۔ ادبی زبان چالو زبان سے مختلف ضرور ہوتی ہے لیکن بالکل مختلف نہیں۔ ویدک زبان کا سلسلہ دوسرے ویدوں سے بالخصوص یجروید اور براہمنہ کے نثری پاروں تک سے ملتا ہے۔ رِگ وید کی ادبی زبان شمال مغربی ہندوستان کی آریا بولی پر مبنی تھی۔ آریوں کے مختلف قبائل کی بولیوں میں خفیف اختلافات تھے لیکن رِگ وید کی زبان کا معیار سب تسلیم کرتے تھے۔

مغربی ہندوستان کی اس آریا بولی کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں (ر) اور (ل) دونوں آوازوں کے لئے صرف (ر) کی آواز مستعمل تھی۔ یہ خصوصیت قدیم فارسی میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس میں نفسی دھ۔ بھ اور گھ قسم کی آوازوں کو "ہ" میں تبدیل کرنے کا رجحان بھی ملتا ہے[2]۔ بعد میں چل کر یہی "ر" اور "ل" کی آوازیں مشرق اور مغربی ہندوستان کی قدیم و جدید بولیوں میں امتیاز کرنے کی مخصوص علامتیں بن جاتی ہیں۔ مثلاً مغربی ہندوستان کی پراکرت میں "ل" کی آواز نہیں ملتی[3]۔ پالی اور سنسکرت میں مذکورہ بالا دونوں ——

---

[1] تاریخ ادب سنسکرت ص ۲۰
[2] مبادیات پراکرت اے۔ سی۔ وُلنر ص ۱۶
[3] مبادیات پراکرت۔ وُلنر ص ۱۶

www.taemeernews.com

آوازیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن جوں جوں ہم مشرق (بہار اور بنگال) کی طرف جاتے ہیں، وہاں کی پراکرتوں میں صرف "ل" کی آواز ملتی ہے۔ "ر" غائب ہو جاتی ہے۔

دریائے سندھ سے آریا جوں جوں مشرق کی طرف بڑھے ان کی زبان پر صوبجاتی اور دیسی بولیوں (کول، دراویدی وغیرہ) کا بھی اثر پڑا جو ویدکے مختلف بابوں کے مطالعہ سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ اثر صرف تلفظ تک محدود نہیں بلکہ دیسی الفاظ کی آمیزش بھی ہونے لگی تھی۔ دراویدی اور کول زبانوں کے ایسے الفاظ کی ڈاکٹر چیٹرجی نے ایک طویل فہرست دی ہے[1]۔ یہاں مثالاً صرف چند درج کئے جاتے ہیں: کپی (بندر) کلا (آرٹ) کالا (وقت) کنڈا (کنڈ) نیلا (نیلا) پُشپا (پھول) پوجا نا (پوجا) پھلا (پھل) بلا (بل) بیجا (بیج) میورا (مور) راتری (رات) روپا (روپ)۔ براہمنہ میں جاکر ایسے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ملک کے دور دراز حصوں میں پھیلنے اور غیر آریا اقوام سے ربط وضبط بڑھنے کی وجہ سے آریا زبان کی مرکزی حیثیت ختم ہونے لگی۔ صرفی ونحوی اور صوتی اختلافات پیدا ہونے لگے۔ ایک ہی لفظ کی مختلف شکلیں بولی جانے لگیں۔ بعض جگہ الفاظ کو اجنبی ماحول کی صوتیات سے متاثر ہو کر توڑ مروڑ دیا جاتا۔ حروف کا تلفظ بھی مختلف طریقہ سے کیا جانے لگا۔ مشرقی ہندوستان کے صوبوں میں یہ تبدیلیاں تیزی سے نمایاں ہونے لگیں۔ ۱۰۰۰ ق م تا ۶۰۰ ق م آریا شمالی ہند میں پنجاب سے لے کر بنگال تک پھیل چکے تھے اور ان کی زبان کی مرکزی

---

[1] [illegible] بنگالی زبان کی ابتدا اور ارتقا جلد اول ص ۴۴

www.taemeernews.com

حیثیت ختم ہو چکی تھی۔ اس عہد کی گروہ بندی حسب ذیل طریقہ پر کی جا سکتی ہے۔

(۱) اُدیچہ :۔ شمال مغربی ہندوستان کی زبان

(۲) مدھیہ دیشہ :۔ (مدھیہ دیش، انبالہ سے الہ آباد) کی زبان

(۳) پراچیہ :۔ مشرقی ہندوستان کی زبان

یہ آریا سلطنتوں کے عروج کا زمانہ تھا۔ اُدیچہ (شمال مغربی ہندوستان کی زبان) کو اس لحاظ سے فوقیت حاصل تھی کہ وہ آریوں کی قدیم معیاری زبان سے قریب تر تھی۔ ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں یہی زبان زیادہ صحیح اور کھری سمجھی جاتی تھی اور لوگ آریوں کی معیاری زبان کی سند اس علاقے سے لیتے تھے۔ پراچیہ زبان کا رواج آریوں کے ان قبائل میں تھا جو موجودہ اودھ مشرقی یو۔ پی اور مغربی بہار کے بعض حصّوں میں آباد تھے۔ یہاں کی زبان دیسی بولیوں سے مل کر اپنا آریائی لہجہ کسی حد تک کھو چکی تھی۔ مغربی ہندوستان کے آریا ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور "اَسوروں" (بھوت پریت) کی نسل سے تعبیر کرتے تھے۔ ان کی زبان کو "براہمنہ" میں 'اشدھ' کہا گیا ہے۔ اس میں (ر) کی آواز (ل) میں تبدیل ہو جاتی تھی (موجودہ بہاری : راجہ = لاجا۔ کھیر = کھیل) مدھیہ دیش کی زبان کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ یہاں کی زبان نہ تو اس قدر معیاری سمجھی جاتی تھی جتنی کہ شمال مغربی ہندوستان کی زبان اور نہ اس قدر پست جیسی کہ پراچیہ (پورب) کی بولی۔ رفتہ رفتہ جوں جوں آریائی تہذیب کا مرکز پنجاب سے ہٹ کر دوآبۂ گنگ و جمن ہوتا گیا۔ مدھیہ دیش کی زبان کو ممتاز حیثیت دی جانے لگی۔

www.taemeernews.com

اسی زمانے میں زبان کو نئے سرے سے منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ صوبائی اور مقامی تعصبات سے الگ ہٹ کر صرف ایسے الفاظ کو ٹکسالی مانا گیا جو سب جگہ رائج ہوں۔ اسی طرح زبان صوبائی ہونے کے بجائے "راشٹری" (ملکی) بن گئی۔ سب لوگ ادب میں ایک خاص قسم کی ٹکسالی زبان کا استعمال کرنے لگے اور یہ زبان بن سنور کر سنسکرت (شُدھ) ہو گئی۔ جو درجہ آج کل ہندوستانی کو حاصل ہے یا جو عہدِ پراکرت میں مہاراشٹری کو حاصل ہوا وہی درجہ اس زمانہ میں سنسکرت کو حاصل تھا[1]۔ ملک کے جن جن حصّوں میں آریا پھیل گئے تھے وہاں کے مذہبی، علمی اور ادبی طبقوں میں یہ سمجھی اور بولی جاتی تھی۔ جو لوگ (بالخصوص پورب کے جہاں پراکرت سب سے پہلے سر اٹھاتی ہے) بول نہ سکتے تھے وہ بھی سمجھ ضرور لیتے تھے۔ ہندوستانی بولیوں کی کثرت میں یہ وحدت کا کام دیتی تھی۔ ہندوستان کے قدیم ناٹکوں میں جن کا تعلق پہلے سنہ عیسوی سے ہے سنسکرت بولنے والے کرداروں کا تعلق عام طور سے براہمنوں یا اعلیٰ طبقے کے لوگوں سے ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنسکرت کا رواج خاص خاص طبقوں میں کافی عرصہ بعد تک رہا۔ اس لئے یہ عام خیال لسانیات کی رو سے بالکل غلط ہے کہ سنسکرت کبھی بھی بول چال کی زبان نہیں رہی ہے۔ وہ تو صرف برہمنوں کی گھڑی یگوں میں بولی جانے والی زبان تھی۔ پانی[2] نے

---

[1] ہندی بھاشا اور ساہتیہ، شیام سندر داس، ص ۷

[2] پانی لاہور میں پیدا ہوا اور ٹکسلا میں تعلیم پائی۔ یہ مقامات آریائی تمدن کے گہوارے تھے جہاں کی زبان پوربی کے برعکس ویدوں کی زبان سے زیادہ قریب تھی۔ پانی کی قواعد اشٹ ادھیائے [illegible] ودیش اور پورب کے علاقوں میں معیاری کتاب کی حیثیت سے رائج تھی۔

www.taemeernews.com

(۳۰۰ ق م) میں زندہ زبان کی قواعد لکھی تھی۔ قواعدداں کبھی بھی کسی نئی زبان کی تخلیق نہیں کر سکتے۔ البتہ وہ کڑے اصول بنا کر اس کی ترقی کو روک سکتے ہیں۔ اس کی بہترین مثال ہمیں اس زمانہ کے ان ماہر لسانیات کی کوششوں میں ملتی ہے۔ جنھوں نے ایک بین الاقوامی زبان "اَیس پیرنیٹو" بنانے کے لئے برسوں سر مغزنی کی اور بالآخر متفقہ طور پر اپنی ناکامی کا اعلان کر دیا۔ اس لئے تاریخِ زبان میں اس قسم کے مفروضات کا بے معنیٰ ہونا مسلّم ہے۔ البتہ تعجب اس بات پر ہوتا ہے کہ گریرسن جیسے بڑے محقق نے سنسکرت کے متعلق اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے[۱]۔ اونچے اور ادبی طبقے میں بول چال کی زبان ہونے کا واضح ثبوت ہمیں سنسکرت کے قدیم قواعد نویس یاسکا (مصنف نروکتا) کے یہاں ملتا ہے جو اس زبان کو "بھاشا" (بولی جانے والی زبان) کے نام سے یاد کرتا ہے اور اس میں اور ویدوں کی زبان میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے بعد پانٹنی (۳۰۰ ق م) نے بھی اس زبان کو بھاشا کہا ہے۔ وہ بھی ویدک سنسکرت کو مردہ اور ادبی سنسکرت کو زندہ زبان جانتا ہے۔ کات یاین اور پتن جلی جو پانٹنی کے بعد آتے ہیں اس فرق کو برقرار رکھتے ہیں۔ ادبی سنسکرت (بقول گریرسن کلاسیکل سنسکرت) کی سب سے پہلی جھلک ہمیں آخری براہمنوں، اُپنشدوں اور "سوتروں" میں ملتی ہے۔ اس زمانے میں دراصل لفظ سنسکرت صفت کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ "سنسکرت واکیم" ٹھیک اس زبان کو کہتے تھے جسے اردو میں شستہ زبان کہا جاتا ہے[۲]۔ رفتہ رفتہ لفظ سنسکرت ایک خاص زبان کے سلسلے میں بولا جانے لگا۔

---

[۱] لسانیاتی جائزہ ہند جلد اول، حصہ اول ۲ و [۲] ہندی بھاشا اور ساہتیہ شیام سندر داس، ص ۸

www.taemeernews.com

شستہ اور وسیع ہونے کی وجہ سے ادبی تصنیفات اسی میں ہونے لگیں۔ سنسکرت زبان کی اس وقت کی شکل کو استحکام بخشنے کی خاطر پاٹنی نے اس کے اصول بنائے ہیں لیکن پاٹنی اور دوسرے قواعد نویسوں کی پابندیوں کے باوجود سنسکرت زبان میں کیا باعتبار الفاظ اور کیا باعتبار صرف ونحو کافی عرصہ تک ارتقا ہوتا رہا ہے اور بحیثیت علمی و تصنیفی زبان کے اس کا رواج جدید آریائی زبانوں کی پیدائش کے بہت بعد تک رہا۔

رفتہ رفتہ سنسکرت کا رواج کم ہونے لگا۔ اس کے کئی سبب تھے۔ چونکہ اس نے مذہب اور ادب کو اپنے آغوش میں جگہ دی اس لئے یہ عوام کی بولیوں سے دور ہوتی گئی۔ نیز ہندوستان جیسے وسیع ملک میں ہر زبان کا مقدر یہ ہے کہ وہ تھوڑے عرصہ میں خواص کی زبان بن جائے۔ لیکن اس کے زوال کا سب سے بڑا سبب وہ مذہبی انقلاب تھا جو مہاویر سوامی (متوفی ۴۶۸ ق۔م) اور مہاتما گوتم بدھ (متوفی ۴۸۶ ق۔م) کی کوششوں سے ہندوستان میں نمودار ہوا۔ دونوں نے اپنے اپنے دھرموں کا پرچار اپنے یہاں کی مقامی بولیوں میں کیا۔ عوام نے اس کا استقبال کیا۔ اس طرح مذہب کا سہارا لے کر صوبائی بولیاں چمک اٹھیں اور سنسکرت سے ٹکر لینے لگیں۔ ردِّ عمل کے طور پر ویدک مذہب کے علمبردار اپنی زبان کی حفاظت اور زیادہ سختی سے کرنے لگے۔ سنسکرت رفتہ رفتہ ایک فرقہ کی زبان بن کر رہ گئی۔ سنسکرت کے زوال کے سلسلے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ ویدوں کی زبان تھوڑی بہت منظم ہونے کے باوجود اتنی لچک اور جاذبیت نہیں تھی جتنی کہ ادبی سنسکرت اپنی اہلیت کی وجہ سے اس نے

www.taemeernews.com

"دیوبانی" کا رتبہ تو پایا لیکن یہی "امرپن" اس کے لئے بار بن گیا۔ ادھر اس کی دوسری بہن جورانی نہ بن کر عوام کی گود میں پلی جس نے آریوں کے علاوہ غیر آریوں کو بھی سمیٹا مردجہ زبان کی ماں بن بیٹھی۔ استعارہ میں یہی بات یوں کہی جائے گی کہ زبان کا جو دھارا آریوں کے وقت سے بہنا شروع ہوتا ہے اس کی ایک شاخ جھیل کی شکل اختیار کرلیتی ہے، حسین لیکن محدود، جسے ہم سنسکرت کہتے ہیں۔ جس کے اردگرد اس کے گرامر کے سنگین ساحل پھیلے ہوئے ہیں۔ اس دھارے کی دوسری شاخ مختلف روپ بدلتی ہوئی اب تک بہہ رہی ہے۔ کبھی گدلی، کبھی تابناک، لیکن ہر لحظہ پھیلتی ہوئی۔ ہندوستان کی موجودہ زبانوں کا تعلق براہِ راست دھارے کی اسی شاخ سے ہے۔ مختصر یہ کہ آریوں کی "ابتدائی زبان" ہی سے ویدک سنسکرت اور ادبی سنسکرت پیدا ہوئیں۔ اور غیر آریوں کے میل کا سہارا پاکر دوسری صوبائی بولیاں بھی پھوٹیں۔ سنسکرت نے صرف چُنے ہوئے شائستہ اور بلیغ الفاظ سے اپنا خزانہ بھرا۔ لیکن دوسری نے ویدک زبان کے فطری رجحان کو اپنایا۔ یہی ان کے پراکرت (فطری) کہلانے کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ویدک زبان کی بعض خصوصیتیں جو ان میں ملتی ہیں، ادبی یا کلاسیکی سنسکرت میں نہیں ملتیں۔ اس طرح ویدک سنسکرت اور پراکرتوں میں ادبی سنسکرت کی بہ نسبت زیادہ قریب کا رشتہ دکھائی دیتا ہے۔[1]

مذکورہ بالا سطور میں یہ بات واضح ہوگئی کہ شروع ہی سے عوام کی زبان ایک مخلوط زبان تھی۔ ایک ایسی زبان تھی جس میں آریوں کی ابتدائی زبان اور دیسی

---

[1] مشر بندھو دنود: پہلا حصہ ص ۶۱ (چوتھا ایڈیشن)

www.taemeernews.com

بولیوں دونوں کا میل تھا۔ بعض لوگوں نے اسی کو "پہلی پراکرت" کہا ہے اور ویدک سنسکرت اور ادبی سنسکرت دونوں کی ماں مانا ہے۔ ہم اُسے "ابتدائی زبان" کے نام سے یاد کریں گے اور پہلی پراکرت صرف اس زبان کو کہیں گے جس کا ادبی روپ پالی ہے۔ ویدک سنسکرت اسی "ابتدائی زبان" کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی اور اس کا پرچار کافی عرصہ تک برہمنوں کے گھروں اور ان کی مذہبی کتابوں میں رہا۔ یہ بہت بعد کی بات ہے جب یہ ترش تراش کر برہمنوں کے ہاتھوں ادبی سنسکرت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ ادبی سنسکرت کی پیدائش کے بعد بھی عوام کی بولی کا ڈھرا الگ رہا۔ یہ اور بات ہے کہ ہمیں سنسکرت کے قدیم نمونے مل جاتے ہیں اور عوام کی ان بولیوں کے نام تک نہیں ملتے۔ پراکرت کے سب سے قدیم نمونے بدھ اور جینیوں کی مذہبی کتابوں یا پھر اشوک (۲۵۰ ق۔م) کی لاٹوں پر کندہ کئے ہوئے ملتے ہیں۔ اسی کو ہم پہلی پراکرت ماننے پر مجبور ہیں۔ پراکرت کی اسی ادبی شکل کو پالی کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ لیکن پراکرت کا یہ نام اس وقت پڑا جب اس نے ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور اس پر شورسینی پراکرت (شورسین، متھرا اور اس کے اردگرد کا علاقہ) کا پورا پورا اثر پڑ چکا تھا۔ لفظ پالی سنسکرت کے "پنکتی" سے نکلتا ہے۔ (اسی سے اردو کا پانتی، پتّی اور پٹی ہے) پنڈت ہری اودھ کی تحقیق کے مطابق پالی بُدھ دھرم شاستر کی سطر کو کہتے ہیں۔ اس کے نام سے ثابت ہے کہ بدھ مت کی ابتدائی کتابیں اسی زبان میں لکھی گئی ہوں گی۔ اس پالی کو قدیم ماگدھی بھی کہتے ہیں۔ لیکن یہ ماگدھی (مگدھ = جنوبی بہار

لہ ہندی بھاشا اور ساہتیہ کا وکاس۔ پنڈت ایودھیا سنگھ، ہری اودھ ص ۲۲

www.taemeernews.com

بعد کی نئی ماگدھی سے مختلف تھی۔ اس وقت یہی بول چال کی زبان تھی۔ بُدھ لوگ اسی کو سب سے پہلی زبان مانتے ہیں اور بڑے فخر سے کہتے ہیں کہ انسانوں کی سب سے قدیم زبان یہی ہے اور اس سے دیگر زبانیں، سنسکرت وغیرہ نکلی ہیں۔ گوتم بُدھ نے اسی بولی میں اپنے دھرم کی تبلیغ کی تھی۔ مدھیہ دیش کے عالموں اور اُدیچہ (پنجاب وغیرہ) کے بولنے والوں کے نزدیک یہ لچر اور پوچ زبان تھی جس میں ان کی زبان کے الفاظ بگاڑ دیئے جاتے تھے۔ گوتم بُدھ اس زبان کی اہمیت پر کس قدر زور دیتے تھے، اس پر روشنی اس واقعہ سے پڑتی ہے جو ان سے منسوب ہے۔ یمپل اور اُتے کیل ناموں کے دو برہمن بھائی مہاتما کے پاس آتے ہیں اور درخواست کرتے ہیں کہ اے بھگوان! مختلف ذات پات کے لوگ آپ کے بولوں کو دُہرا کر ناپاک کر رہے ہیں اس لئے ہمیں حکم دیجئے کہ انھیں چھندوں (ویدک سنسکرت) میں لکھ دیں تاکہ ان میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کی جا سکے۔ مہاتما انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "اے بھکشوؤ! بُدھ کے بولوں کو سنسکرت میں ہرگز نہ لکھنا، جو ایسا کرے گا وہ میری توہین کرے گا۔ میری باتوں کو اپنی ہی بھاشا میں سمجھنے کی کوشش کرو"[1] "اپنی بھاشا" سے مراد یہی ماگدھی زبان ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے پہلی پراکرت یا پالی کے نمونے باتو بُدھوں کی مذہبی کتابوں میں ملتے ہیں یا پھر اشوک کی لاٹوں پر جو جنوب میں گنجم سے لے کر شمال مغربی سرحدی صوبے کے علاقے میں شہباز گڑھی تک ملتی ہیں۔ یہ تحریریں

---

[1] ہندی بھاشا اور ساہیتہ: شیام سندر داس، ص ۱۳

www.taemeernews.com

کھروشٹری اور براہمی دو رسم الخطوں میں ملتی ہیں۔ شہباز گڑھی اور مان سیہرا کی تحریریں تو کھروشٹری میں ہیں اور باقی سب براہمی میں۔ ان کی موشگافی کے بعد محققین اس نتیجے پر پہونچے ہیں کہ اشوک کے زمانہ میں زیادہ سے زیادہ چار اور کم سے کم دو زبانیں رائج تھیں۔ ایک مشرقی دوسری مغربی۔ مغربی زبان پر جیسا کہ شہباز گڑھی کی لاٹ سے ثابت ہے۔ سنسکرت کا اثر گہرا تھا[۱] وہ اپنی ساخت کے اعتبار سے مشرقی زبانوں کی بہ نسبت قدیم آریائی زبان سے زیادہ قریب تھی۔ گریرسن نے بھی زبان کے اس اختلاف کو مشرقی اور مغربی پراکرت کے نام سے یاد کیا ہے۔ دونوں کی اپنی اپنی لسانی خصوصیات ہیں جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہیں۔ مغربی پراکرت کی نمایاں شکل شورسینی پراکرت تھی۔ مشرقی پراکرت ماگدھی کہلاتی تھی۔ یہ مگدھ دیس (جنوبی بہار) میں بولی جاتی تھی۔ اس زمانہ تک کسی ایسی پراکرت کا پتہ نہیں ملتا۔ جسے دکھنی پراکرت کہا جا سکے۔

ہند آریائی کا عہدِ وسطیٰ[۱]

(۵۰۰ ق۔م تا سنہ ۱۰۰۰ء)

اس عہد میں بھی ہند آریائی زبان کے ارتقا کی دو نمایاں شکلیں نظر آتی ہیں، ایک طرف تو عوام کی بولیاں بدھ اور جین متوں کا سہارا لے کر تیزی کے ساتھ ادبی پراکرتوں کی شکلیں اختیار کر رہی تھیں۔ دوسری طرف سنسکرت جو باعتبار صوتیات اور صوریات ابھی تک آریائی زبانوں سے رشتہ جوڑے ہوئے تھی اور

۱؎ تقابلی لسانیات کی مبادیات۔ انگریزی ایڈیشن۔ دہلی۔ [illegible] ص ۱۹۲

www.taemeernews.com

جس کی نحو اور فرہنگ سے روح عصر بھی جھلکتی تھی، علمی اور ادبی طبقوں میں دھاک جما رہی تھی۔ بُدھ اور جین متوں کے پیغمبر بھی سرزمین ہند سے اس کی جڑیں نہ اکھاڑ سکے۔ بلکہ جوں جوں پراکرتوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور زبان کا دھارا اپنے سرچشمہ سے دور ہوتا گیا، سنسکرت کی اہمیت کا لوگوں کو اور زیادہ اندازہ ہوتا گیا۔ اگر ایک طرف یہ عہدِ وسطیٰ کی لسانی خصوصیات کی آئینہ دار تھی تو دوسری طرف قدامت پرستی کے جذبہ کو بھی تسکین دیتی تھی۔

ویدک سنسکرت کے بہت سے لفظ اب متروک ہو گئے تھے۔ جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے[1] پانِنی کے سخت قید و بند کے باوجود سنسکرت کا ارتقا نہ رک سکا۔ قطع نظر

---

[1] چٹرجی نے اپنی کتاب "انڈو ایرین اور ہندی" میں صفحہ ۶۲ پر ایسے الفاظ کی ایک طویل فہرست دی ہے۔ چند درج کیے جاتے ہیں۔

ویدک سنسکرت	سنسکرت	معنی
اَشو	گھوٹک	گھوڑا
اَشْ مَن	پرَستَر	پتھر
شْوَن	کُکرَ	کُتّا
اَوِی	میش	میش (بھیڑ)
اُکشَن	بلی وَرد	بیل
رائس	دَھن	دولت
سا ہَس	بَل	بَل
دی ما	گرِہ	گھر
دُروَ	وِرکشَ	درخت، رُکھ
اُدان	جَل (پانیہ)	پانی
اَسرِک	رکت، لوہتیا	لہو
ہَن	ماریا	مارنا
یج	پوجیہ	پوجنا
ویج	کمپ	کانپنا

www.taemeernews.com

فرہنگ کے نحوی قاعدوں میں بھی خفیف تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

سنسکرت کے پہلو بہ پہلو پراکرتوں کا بھی ارتقا ہوتا رہا۔ موجودہ تحقیقات کی بنا پر پہلی اور دوسری پراکرت میں خطِ فاصل قائم کرنا دشوار ہے۔ دوسری پراکرت کے ابتدائی حالات کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا البتہ پالی ہی کے اندر ہمیں اس پراکرت کی شکل دکھائی دیتی ہے۔ پچھلے باب میں بتایا جا چکا ہے کہ تلفظ کا بگاڑ اور الفاظ کا توڑ مروڑ سب سے پہلے ہندوستان کی مشرقی بولیوں میں نمودار ہوتا ہے۔ ان بولیوں میں حروفِ صحیح (مصمتوں) کا میلان جذب پذیری کی طرف پایا جاتا تھا اور دندانی آوازیں (مثلاً "ر" کا "ل" میں بدل جانا) مخی آوازوں میں بدل جاتی تھیں۔ یہ خصوصیات آج بھی بنگال اور بہار کی بولیوں میں پائی جاتی ہے۔ مشرقی ہندوستان میں ۶۰۰ ق م کے لگ بھگ دوسری پراکرت کا عہد شروع ہو جاتا ہے۔ مغربی یو۔پی (دوآبہ) اور پنجاب میں یہ لسانی تبدیلیاں آہستہ آہستہ بعد کو رونما ہوتی ہیں۔ آج بھی ان علاقوں کی بولیوں میں انفی آوازوں اور مشدد لفظوں کی کثرت ملتی ہے جو عہدِ وسطیٰ کی پراکرت کی نمایاں خصوصیتیں تھیں۔ اس کے برعکس مشرق کی بولیوں میں حروف علت (مصوتوں) کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے۔

عہدِ وسطیٰ کی پراکرتوں میں جذب پذیری اور دندانی آوازوں کو مخی آوازوں میں تبدیل کر دینے کا مذکورہ بالا رجحان ضروری نہیں کہ دراویدی اور آسٹرک زبانوں کے اثرات کا نتیجہ ہو۔ بہت ممکن ہے کہ یہ نسل اور زبان کے ارتقا کا فطری عمل ہو۔ چوں کہ ابھی تک دراویدی اور آسٹرک کے متعلق پورا علم نہیں ہے

www.taemeernews.com

اس لئے تحقیق کا یہ پہلو تا حال تاریکی میں ہے۔

اس عہد کی ادبی پراکرت کی پانچ واضح شکلیں نظر آتی ہیں :۔

(۱) مہاراشٹری : ادبی حیثیت سے اس زمانہ میں مہاراشٹری پراکرت کو سب سے زیادہ عروج حاصل تھا۔ عہد پراکرت کے قواعد نویسوں نے اس کا ذکر خصوصیت سے کیا ہے بلکہ اسے نمونہ مانا ہے۔ دوسری پراکرتوں کا سرسری طور پر ذکر کر دینے کے بعد ہمیشہ یہ لکھ دیا ہے کہ باقی سب باتوں میں یہ مہاراشٹری سے ملتی جلتی ہیں۔ اس عہد کا بیشتر شعری ادب اسی پراکرت میں ملتا ہے موسیقی میں بھی اس کا استعمال ہوتا تھا اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ حروف علت (مصوتوں) کی کثرت کی وجہ سے اس میں لوچ زیادہ تھا۔ آج بھی مہاراشٹر کا سنگیت اُتم مانا جاتا ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ لفظ مہاراشٹر سے اکثر ملک ہندوستان مراد لی جانے لگی۔

ڈاکٹر چٹرجی نے ڈاکٹر من موہن گھوش کی ایک تصنیف کے حوالے سے مہاراشٹری پراکرت کی علیحدہ حیثیت کو ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ ان کے خیال میں مہاراشٹری کی نسبت ملک مہاراشٹر سے نہیں بلکہ وہ شورسینی پراکرت کی ایک شستہ اور ترقی یافتہ شکل تھی (مفصل بحث کے لئے دیکھیے چٹرجی کی انڈوایرین اور ہندی صفحہ ۸۴۔)

(۲) شورسینی : اس کا مرکز شورسین دیس (دوآبہ کا وسطی حصہ: متھرا) تھا۔ سنسکرت کے بعد اعلیٰ طبقہ میں اگر کسی پراکرت کا رواج تھا تو وہ یہی تھی جس پر سنسکرت کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ سنسکرت کے ناٹکوں میں بھی اس

www.taemeernews.com

کی چھٹ پٹی جھلک ملتی ہے۔ دراصل متھرا (دوآبہ گنگ وجمن) ہی وہ علاقہ ہے جہاں سنسکرت اور شورسینی پراکرت دونوں پروان چڑھتی ہیں۔ اس لیے دونوں میں نہایت قریب کا رشتہ نظر آتا ہے۔ بدھ سے پہلے ہی اس نے مسلّم ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔

(۳) **ماگدھی :** مگدھ دیس (جنوبی بہار) کی پراکرت تھی۔ چونکہ یہ آریائی تمدن کے مراکز سے کافی دور جا پڑی تھی اس لیئے ایک غیر مہذب اور ناشستہ زبان سمجھی جاتی تھی۔ ماگدھی پراکرت اس وقت آریائی زبان کے پھیلاؤ کی مشرق میں آخری حد تھی۔ بعض مصنفوں نے اس پراکرت کو پالی سے خلط ملط کر دیا ہے۔ حالاں کہ یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ پالی کا یہ نام (ماگدھی) سب سے پہلے سیلون کے بدھوں میں پڑا، جو ہندوستانی زبانوں کے باریک اختلافات سے ناواقف تھے۔

(۴) شورسینی اور ماگدھی پراکرتوں کے درمیانی علاقے (بہار سے الہ آباد تک) میں اَرْدھ (آدھی) ماگدھی پراکرت بولی جاتی تھی۔ بعد کو جس علاقے کو دلّی والے "پورب" کے نام سے پکارتے رہے ہیں، مغربی ہندوستان کے رہنے والے اس وقت پراچیہ کہا کرتے تھے، پراچیہ کے تحت ماگدھی اور اَرْدھ ماگدھی دونوں آجاتی تھیں۔ ان دونوں میں اَرْدھ ماگدھی کو فروغ رہا۔ گوتم بدھ اور مہابیر جین دونوں نے اسی کی قدیم شکل میں اپنے اپنے دھرم کا پرچار کیا۔ اس کا رواج اس زمانہ کے شاہی خاندانوں تک میں رہا۔ شاہی زبان ہونے کی وجہ سے یہ دوسری پراکرتوں پر اثر انداز بھی ہوئی۔ تاریخ سے اس

www.taemeernews.com

بات کا وافر ثبوت ملتا ہے کہ دوآبہ کے رہنے والوں کو اس وقت مشرق کی اس پراکرت کے سمجھنے میں دشواری نہیں ہوتی تھی۔ یہ اس وقت کی معیاری زبان تھی۔ گرنار، شہباز گڑھی اور مان سیہرا کی لاٹوں تک میں اس کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں لیکن خود اَرڈھ ماگدھی پراکرت مارکنڈے کے مطابق شورسینی اور ماگدھی کے میل سے بنی ہے۔ آج کل مشرقی ہندی (پوربی) کی بناوٹ پر غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف یہ موجودہ بہاری اور دوسری طرف مغربی ہندی (دوآبہ کی زبان) کی آمیزش سے بنی ہوگی۔

پشاچی پراکرت، وہ پراکرت جو پنجاب اور کشمیر کے علاقے میں بولی جاتی تھی۔ (پِشاچ = کچا گوشت کھانے والے) اتنے دھندلکے میں تھی کہ عوام میں یہ بھوت پریت کی زبان کے نام سے مشہور تھی۔ عہد پراکرت کے قدیم قواعد نویس وردچی[1] (تقریباً ۱۰۰ ق۔م) نے جو چار پراکرتیں گنائی ہیں۔ اس میں پشاچی کو بھی جگہ دی ہے اس کی فہرست حسبِ ذیل ہے۔

(۱) مہاراشٹری (۲) پشاچی (۳) ماگدھی (۴) شورشینی۔ ہیم چندر نے بھی جس کا زمانہ بارھویں صدی کے اواخر کا ہے پشاچی کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ اس میں ادب بھی ملتا ہے۔ راج شیکھر (دسویں صدی کے آغاز) نے اپنی "کاویمی مانسا" میں ایک پرانا اشلوک نقل کیا ہے جس سے اس زمانہ کی بولیوں کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ اس کے خیال میں جو شاعر مدھیہ دیش میں رہتا ہے وہ لاٹ (گجرات) ٹک (ٹانک، جنوبی پنجاب) بھادانک (راجپوتانہ کا کوئی

---

[1] ہندی بھاشا اور اس کے ساہیتہ کا وکاس۔ ہری اودھ۔ ص ۴۷

www.taemeernews.com

حصہ ؟) ان سب علاقوں کی زبانوں پر قدرت رکھتا ہے۔ گریرسن نے بھی رام شرما کی تحریروں کے اس حصے پر کافی زور دیا ہے جس میں پشاچی کا ذکر ہے۔ رام شرما سے اتفاق کرتے ہوئے گریرسن پشاچی زبان کی دو شکلیں قرار دیتا ہے۔ ایک خالص اور دوسری مخلوط۔ پہلی کی سات اور دوسری کی چار شکلیں مانی گئی ہیں۔ کشنوں کے عہد (پہلے سنہ سے چار سنہ ء تک) میں شمالی مغربی ہندوستان کی اس پراکرت کو فروغ حاصل ہوا۔ اس زمانہ میں شاہی سرپرستی کے تحت "گندھار" کی بولی ادبی اور معیاری زبان کی حیثیت سے اس علاقہ میں رائج ہوگئی اور ٹکسلا کا دارالعلوم اس وقت علم و ادب کا مرکز بن گیا تھا، جہاں تحصیل علم کی خاطر ہندوستان کے دور دراز علاقوں سے طالب علم آتے تھے۔

موجودہ پشاچی زبانیں خالص ہندوستانی نہیں کہی جا سکتیں ان کے تلفظ کے اصول (مثلاً لہندا میں "ر" کا تلفظ) ہند آریائی زبانوں کے اصولوں سے مختلف ہیں۔ ان میں کہیں کہیں ایرانی زبانوں کی خصوصیات بھی جھلک آتی ہیں وہ نہ تو خالص ہندوستانی معلوم ہوتی ہیں اور نہ خالص ایرانی۔ ژندا وستا کی زبان سے شاید بہت پہلے ان کا تعلق ہند آریائی زبانوں سے منقطع ہوگیا تھا۔ بھنڈارکر کے خیال کے مطابق یہ پشاچی پراکرت شاید آریا قوم کی اس شاخ سے تعلق رکھتی ہے جو ہم قوموں کے ساتھ عرصہ تک رہی لیکن ہندوستان میں ان کے بعد داخل ہوئی، یا یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دوسری آریائی قوموں کے ساتھ ساتھ ہندوستان میں داخل ہوئی ہو لیکن علیحدہ ایک طرف پہاڑی علاقے میں بس گئی ہو دونوں صورتوں میں پشاچی پراکرت آریائی زبان ہونے کے باوجود

www.taemeernews.com

ہندوستان کی آریائی زبانوں سے کافی حد تک مختلف ہو جاتی ہے۔

یہ باب ختم کرنے سے پہلے ایک بات کی طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے۔ جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا ہے۔ ہر پراکرت کا نام اس دیس کے کسی نہ کسی علاقہ سے منسوب کیا گیا ہے لیکن اس کے یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ وہ پراکرت اس علاقہ کی بولیوں کی نمائندگی کرتی ہے یہ درحقیقت ایک بڑا لسانی مغالطہ تھا جسے جدید تحقیق نے رد کر دیا ہے۔ مثلاً پالی جسے ماگدھی بھاشا کے نام سے بھی پکارا گیا ہے مگدھ دیس (جنوبی بہار) سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی۔ یہ بہار کی قدیم بولی کی بہ نسبت مدھیہ دیش کی قدیم بولی سے زیادہ قریب دکھائی دیتی ہے جس کے تانے بانے شورسینی پراکرت سے گتھے نظر آتے ہیں۔ یہی حال مہاراشٹری پراکرت کا تھا جو بقول چٹرجی[1] شورسینی پراکرت کی ایک جدید اور ترقی یافتہ شکل تھی۔

ہند آریائی کا عہدِ جدید

(۱۰۰۰ء تا حال)

لسانیات کا یہ ایک اٹل اصول ہے کہ بول چال کی زبان جتنی تیزی سے بدلتی ہے ادب کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ چنانچہ جب پراکرتوں نے ادبی شکل اختیار کرنا شروع کی تو وہ عوام کی ڈگر سے پرے جا پڑیں اور عوام کی زبان کا دھارا آگے بڑھتا رہا۔ اسی بول چال کی زبانوں کو اس عہد کے قواعد نویسوں نے "اَپ بھرنش" (بگڑی زبان) کہا ہے۔ تاریخ لسانیات کی یہ

---

[1] انڈو ایرین اور ہندی ص ۸۴۔

www.taemeernews.com

ایک دل چسپ حقیقت ہے کہ لوگ ہمیشہ زبان کے سنورنے کو اس کے بگڑنے سے تعبیر کرتے چلے آئے ہیں۔ بھامہ اور دنڈی (ساتویں صدی عیسوی) کے تذکروں اور دلبھی کے راجہ دھرسین کے کتبوں سے پتہ چلتا ہے کہ چھٹی صدی میں اَپ بھرنش تحریر میں استعمال ہونے لگی تھی۔ کالی داس کی "وِکرمورشی" میں اسکے اشعار ملتے ہیں[1]۔ بلکہ بعضوں کے نزدیک تو دوسری یا تیسری عیسوی سے ہی اس کی جھلکیاں پراکرت کے ادب میں ملتی ہیں۔ مثلاً اس زمانہ کی شمال مغربی پراکرت کا عام رجحان یہ ہے کہ [و] [او] میں تبدیل ہو جاتا ہے لیکن اَپ بھرنش کو اتنا قدیم نہیں مانا جاسکتا۔ کیوں کہ پراکرتوں کے نمونوں میں اَپ بھرنش کی عام خصوصیات مثلاً سنسکرت اور (م) (:) کے بجائے (اُ) یا (م) کے بجائے (واں) وغیرہ نہیں ملتیں۔ غرضکہ اس کے بیج ممکن ہے، دوسری صدی عیسوی کی پراکرت تک مل جائیں، لیکن یہ پروان چھٹی صدی عیسوی میں جاکر چڑھتی ہے۔ ڈاکٹر سدھیشور ورما بھی اس سے متفق ہیں۔ "اپ بھرنش (لفظی معنیٰ "افتاد") پراکرت کا مابعد کا ارتقا ہیں۔ ان بولیوں کا آغاز چھٹی صدی عیسوی سے ہوا[2]" ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں کے طلوع کی تاریخ ۱۰۰۰ء مقرر کی گئی ہے۔ لیکن اَپ بھرنش میں تصنیفات کا سلسلہ چھٹی صدی سے لے کر چودھویں بلکہ پندرھویں صدی عیسوی تک ملتا ہے "پراکرت پنگل" (پندرھویں صدی عیسوی) کی تصنیف اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ اَپ بھرنش (بلکہ پراکرت) کی

---

[1] سامان بھاشا وگیان۔ بابو رام سکسینہ، ص ۱۸۹

[2] آریائی زبانیں، ص ۵۹

www.taemeernews.com

قدیم روایات کے جکڑ بند سے عرصہ تک ہمارے شعروادب کو چھٹکارا نہیں ملا تھا۔ اس زمانہ میں علمیت کا سارا دارُمدار اس بات پر تھا کہ ان روایات کو کس حد تک نبھایا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کی فتوحات نے اس وقت ہر چیز کو تہ و بالا نہ کر دیا ہوتا تو شمالی ہند میں نئی آریائی زبانوں کا ظہور عرصہ تک کے لیے ملتوی ہو جاتا۔

شروع شروع میں لفظ "اَپ بھرنش" کسی خاص زبان کے لئے استعمال نہ ہوتا تھا۔ پڑھے لکھے لوگ اَن پڑھوں کی زبان کو اَپ بھرنش" یا "اَپ بھاشا" کہا کرتے تھے۔ پتن جلی نے اپنی "مہا بھاشش" میں اس لفظ کا ذکر ان معنوں میں کیا ہے۔ اس کے خیال میں اس زبان میں بگڑے ہوئے الفاظ کی تعداد خالص سے کہیں زیادہ ہوتی تھی۔ سنسکرت کے ایک ایک لفظ کے کئی کئی اَپ بھرنش ملتے ہیں۔ یہاں اَپ بھرنش سے مراد پتن جلی وہ الفاظ لیتا ہے جو سنسکرت کے کسی ایک لفظ کے معنوں میں مختلف مقامات پر بولے جاتے تھے۔ آریا لوگ اپنی زبان کے معاملہ میں بڑے کٹر واقع ہوئے تھے۔ سنسکرت میں "ملیچھ" اَپ بھرنش لفظ کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ گھن اور نفرت کا مفہوم بعد کو پیدا ہوا۔ ایک خاص زبان کے معنوں میں سب سے پہلے ہیم چندر نے لفظ اَپ بھرنش استعمال کیا ہے۔

اَپ بھرنش کو ملک کی زندہ زبان پاکر بالآخر تعلیم یافتہ طبقہ بھی اسکی طرف متوجہ ہوا۔ پورب کی زبانوں تک نے اس کے اثر کو قبول کیا۔ لیکن گجرات، راجپوتانہ اور دوآبہ میں بولی جانے والی بولیوں پر اس کی چھاپ گہری پڑی۔

www.taemeernews.com

چنانچہ ۱۰۰۰ء سے ۱۲۰۰ء تک دوآبہ کی شورسینی اَپ بھرنش ایک طرح سے سارے شمالی ہندوستان کی ادبی زبان بن گئی تھی۔ اس کا سب سے بڑا سبب راجپوتوں کا سیاسی اقتدار تھا۔ جن کی راجدھانی اس وقت گنگا کی ترائی میں شہر قنوج تھا۔ اس کے علاوہ گجرات کے جینیوں نے بھی اس کو ترقی دی۔ پراکرت کے بڑے عالم مارکنڈے نے اَپ بھرنش کی تین قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) ناگر اَپ بھرنش: جو گجراتی اور راجستھانی کی قدیم بولیوں کی ادبی شکل تھی لیکن جس پر شورسینی کا اس قدر اثر پڑا تھا کہ وہ اس کی بیٹی معلوم ہوتی تھی۔ اس اَپ بھرنش کو فوقیت اس لئے حاصل تھی کہ یہ علمی طبقہ میں مقبول تھی۔ ناگری اسی کی رعایت سے پڑا ہے خود اس کا "ناگر" نام گجرات کے ناگر برہمنوں کے نام پر پڑا۔

(۲) براچڈ اَپ بھرنش:- یہ سندھ میں رائج تھی موجودہ سندھی اسی سے نکلی ہے۔

(۳) اُپ ناگر:- یہ ناگر اور براچڈ کے میل سے بنی تھی اور اس کا رواج مغربی راجپوتانہ اور جنوبی پنجاب میں تھا۔

(۴) پورب میں اشوک کے بعد وہاں کی زبان نے بالکل ترقی نہیں کی۔ کم از کم ماگدھی پر تو تاریخی سایہ آ ہی جاتا ہے۔ یہ ایک نیچ زبان سمجھی جانے لگی تھی سنسکرت کے ناٹکوں میں نیچ ذات کے کرداروں سے یہی بلوائی جاتی تھی۔ اَردھ ماگدھی اور ماگدھی دونوں کے علاقوں میں شورسینی ہی ادبی زبان کی حیثیت سے رائج تھی۔ اس زمانہ میں پورب کے شاعر اسی میں شاعری کرتے تھے اور یہ سلسلہ عرصہ تک قائم رہا۔ دسویں سے تیرھویں صدی تک کی پرانی بنگلہ شاعری میں شورسینی کا اثر

www.taemeernews.com

صاف جھلکتا ہے[1] میتھلا (بہار) کے مشہور شاعر ودیاپتی (تیرھویں صدی عیسوی) نے میتھلی کے ساتھ ساتھ "اوہٹ" میں بھی شاعری کی ہے۔ اسی طرح شورسینی اَپ بھرنش اس وقت شمالی ہند کی "لنگوا فرنیکا" کی حیثیت رکھتی تھی، جو گجرات و مغربی پنجاب سے لے کر بنگال تک رائج تھی۔ اس کے ادب کی نشاندہی ۸۰۰ء سے ۱۲۰۰ء تک کی جا سکتی ہے[2] جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے، گجرات اور راجپوتانے کے جینیوں نے اس میں ادب کا بڑا ذخیرہ چھوڑا ہے۔ بنگال میں بدھ مت کے مبلغوں۔ (سدھوں) نے مذہبی امور کے لئے اسی کو اپنایا۔ پنجاب میں "گورکھ پنتھیوں" نے اپنے پُراسرار مذہب کی تبلیغ کے لئے اسی کو آلۂ کار بنایا۔ مذہب اور ادبیات سے قطع نظر دوآبہ اور اس کے آس پاس کے علاقے میں یہ گھریلو زبان کی حیثیت سے رائج تھی جس میں عوام کی مذہبی اور عشقیہ واردات کے

---

[1] چٹرجی: بنگالی زبان کی ابتدا اور ارتقاء۔ ص ۸۴

[2] (۱) بکرم ۹۹۰ میں دیوسین نام کے ایک جینی مصنف گزرے ہیں جن کے دوہوں کی دو کتابیں ملتی ہیں۔ اَپ بھرنش کی بیشتر شاعری دوہوں میں ہے۔

(۲) ہیم چندر بکرم (۱۲ صدی) نے بھی جو پراکرت اور اپ بھرنش کے بڑے قواعد نویس تھے اپنی قواعد میں اَپ بھرنش کے دوہے نقل کیے ہیں۔

(۳) بکرم تیرھویں صدی (۱۲۸۱) میں سوم پربھا سوری ایک جینی عالم نے "کمار پرتی بود" نام کی ایک کتاب تصنیف کی تھی اس میں بھی اَپ بھرنش کے دوہے ملتے ہیں۔

(۴) بکرم ۱۴ ویں صدی: (۱۳۶۱) میں جینی عالم "مے رونگ" نے "پربندھ چنتامنی" نام کی ایک تصنیف میں جگہ جگہ اَپ بھرنش کے دوہے نقل کیے ہیں ان میں سے بعض دوہے خود مصنف کے ہیں۔

(۵) بکرم پندرھویں صدی میں ودیاپتی نے (بہار کا مشہور شاعر) دو کتابیں لکھیں "کیرتی لتا اور کیرتی پتا" لیکن ودیاپتی کی اَپ بھرنش میں مروجہ زبان کی پٹ بھی آجاتی ہے۔ اس نے ایک دوہے میں اَپ بھرنش اور "دیسی بھاشا" کے فرق کو اس طرح بتایا ہے "دیشی بھاشا سب کو میٹھی لگتی ہے اس لئے اس سے لی ہوئی اَپ بھرنش میں شاعری کرتا ہوں" اس میں سنسکرت کے "تت سم" (خالص) الفاظ بھی ملتے ہیں جو پراکرت کے سانی اصول کے خلاف ہیں۔ اس عہد کا جواب جدید زبانوں میں ملتا ہے اس پر بھی اَپ بھرنش کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے (ہندی ساہتہ کا اتہاس صفحہ ۷ تا ۱۷ = مہادیر پرشاد دویدی)

www.taemeernews.com

زبردست نقش ملتے ہیں۔ ڈاکٹر کیتھ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ اَپ بھرنش آبھیر (موجودہ ابیر) اور گوجر قبائل کی زبان تھی[1]۔ جیسا کہ پرانی بنگلہ کی شاعری اور ودّیاپتی کی تصنیفات سے صاف ظاہر ہے۔

رفتہ رفتہ یہ اَپ بھرنش بھی ادبی زبان بن کر رہ گئی۔ اپنے آخری دور (سنہ ۱۰۰۰ء) میں یہ بہت کچھ موجودہ زبانوں کی قدیم شکلوں سے ملتی جلتی ہے۔ موجودہ ہندوستانی زبان اور شورسینی اَپ بھرنش کی درمیانی منزل کو بعض اوقات "اوہٹ" بھی کہا گیا ہے۔ ودّیاپتی کی شاعری اسی میں ہے۔ اس میں عام طور سے مروّجہ بولیوں کی آمیزش پائی جاتی ہے۔ اسی "اوہٹ" میں جب پراکرتی روایات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے تو اسے پنگل کہتے ہیں۔ راجپوتانہ کے بھاٹ شاعر اپنی ڈنگل (قدیم راجستھانی) کے ساتھ ساتھ اس میں بھی شاعری کرتے تھے۔ یہ صحیح صحیح بتانا ذرا مشکل ہے کہ اَپ بھرنش کس سنہ میں ختم ہوتی ہے اور موجودہ آریائی زبانوں کا کب آغاز ہوتا ہے۔ لسانی تبدیلیاں نہایت چپکے اور چھپ کے رونما ہوتی ہیں۔ اندازاً کہا جا سکتا ہے کہ جدید آریا زبانوں کا طلوع سنہ ۱۰۰۰ء سے ہوتا ہے۔ یہ بہت بڑے سیاسی الٹ پھیر کا زمانہ تھا۔ مسلمان آناً فاناً شمالی ہند کو زیر کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے جلو میں ایک نیا تمدّن اور ایک نئی زبان آرہی تھی۔ انھوں نے سنسکرت کے فسوں کو توڑ کر بہت جلد ہندوستان کی نئی زبانوں کو اپنے بل پر کھڑا ہونا سکھایا۔ ہندوؤں کی ازمنہ وسطیٰ کی مذہبی تحریکوں سے ان کو تقویت پہونچی۔

---

[1] تاریخ ادب سنسکرت: مقدمہ

www.taemeernews.com

چنانچہ بہت جلد ان زبانوں میں مذہبی گیتوں اور کتابوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا۔

اس عہد میں سنسکرت کا دخل فصل بھی کم ہو گیا تھا۔ لیکن مذہبی حلقوں میں اب بھی اس کا رواج تھا۔ البیرونی (۱۰۲۵ء) نے اپنے ہندوستان کے دورانِ قیام میں اس بات کا اندازہ کر لیا تھا کہ عوام کی زبان اور اس کا شعر و ادب سنسکرت کی سخت بندشوں سے آزاد ہو کر آگے بڑھ رہا ہے۔ لیکن اسے عوام کی ان بولیوں سے نہ تو دلچسپی تھی اور نہ واقفیت۔ قدیم علوم کی تحصیل کی وجہ سے اس کا تعلق زیادہ تر سنسکرت جاننے والے پنڈتوں سے رہا۔ اسی وجہ سے اس نے سنسکرت کی اہمیت پر غیر معمولی زور دیا ہے[۱]۔

غرض کہ ہندوستان کی جدید زبانوں کی پیدائش پراکرتوں سے نہیں بلکہ اَپ بھرنشوں سے ہوتی ہے۔ ان کا سلسلہ حسبِ ذیل اَپ بھرنشوں سے ملایا جا سکتا ہے۔

(۱) شورسینی اَپ بھرنش

(۱) کھڑی بولی یا ہندوستانی (موجودہ اُردو، ہندی)

(۲) راجستھانی

(۳) پنجابی (مشرقی)

(۴) گجراتی اور پہاڑی بولیاں۔

گجراتی اور راجستھانی کا تعلق شورسینی کی اس شکل سے ہے جسے ناگر اَپ بھرنش بھی کہا جاتا ہے۔

---

[۱] اورینٹل کالج میگزین۔ مئی [illegible]ء۔ عربی تصانیف میں ہندوستانی کے الفاظ: ڈاکٹر عبداللہ۔

www.taemeernews.com

(۲) ماگدھی اَپ بھرنش

اس کا علاقہ بہت وسیع تھا اس لیئے مختلف مقامات پر اس کے مختلف نام پڑ گئے۔ بنگال میں پراچیہ، گوڑ اور ڈھکئی کہلائی جس سے موجودہ بنگالی اور آسامی نکلیں۔ اڑیسہ میں اس کا نام "اَت کلی" پڑا جس سے موجودہ زبان اڑیا نے جنم لیا۔ بہار کی تمام بولیاں اس کے تحت آجاتی ہیں۔ بہار کی بولی کا نام "مگہی" ہے جو ماگدھی لفظ کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔

(۳) اَردھ ماگدھی اَپ بھرنش

پوربی ہندی (اودھی وغیرہ)

(۴) مہاراشٹری اَپ بھرنش

اس کا خاص مرکز موجودہ برار تھا۔ سنسکرت میں اسی صوبہ کو مہاراشٹر کے نام سے پکارا گیا ہے۔

(۵) شمالی مغربی ہندوستان کی پراکرتیں اور اَپ بھرنش ابھی تک تاریخی دھندلکے میں ہیں۔ ان کا نقشہ حسبِ ذیل ہو سکتا ہے۔

(الف) براچڈ اَپ بھرنش۔ سندھی۔

(ب) کیکئی اَپ بھرنش:۔ لہندا دیس کا قدیم نام کیکئی تھا یہ براچڈ سے ملتی جلتی اَپ بھرنش رہی ہوگی۔ اسی لیے سندھی اور لہندا (مغربی پنجاب) میں مماثلت پائی جاتی ہے۔

مشرقی پنجابی کا تعلق بھی اسی کیکئی اَپ بھرنش سے تھا۔ لیکن بعد کو اُس پر شورسینی کا اتنا گہرا اثر پڑا کہ گجراتی اور راجستھانی کی طرح گریرسن نے اس کا سلسلہ

www.taemeernews.com

بھی شورسینی اَپ بھرنش سے ملا دیا۔ جدید پنجابی زبان کی ساخت اور پرداخت میں شورسینی اَپ بھرنش اور لہندا کی قدیم زبان کا کیا حصّہ ہے اس کا ذکر تفصیل سے آگے آئے گا۔

اَپ بھرنش کا باب ختم کرنے سے پہلے اس طرف اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ جدید زبانوں کے رشتے ناتے قدیم پراکرتوں اور اَپ بھرنشوں سے اتنی آسانی سے نہیں ملائے جا سکتے جتنا کہ بعض محققین نے سمجھ رکھا ہے۔ مثلاً بہاری، بنگالی اُڑیا اور آسامی زبانوں کا سلسلہ ماگدھی اَپ بھرنش سے ملایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب اگر صرف اس قدر ہے کہ ان تمام زبانوں میں ماگدھی اَپ بھرنش کے بعض اصول مشترک ہیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ سنہ ۶۰۰ء سے سنہ ۱۰۰۰ء تک بہار، بنگال، آسام اور اڑیسہ میں صرف ایک ہی زبان بولی جاتی تھی۔ جس کی ادبی شکل ماگدھی اَپ بھرنش ہے تو یہ نہ صرف غلط بلکہ لسانی اعتبار سے ناممکن ہوگا۔ اتنے بڑے علاقے میں اگر ایک زبان بولنے والے پھیل جائیں تب بھی علاقائی اختلافات کا پیدا ہو جانا لازمی امر ہے۔ یہی استدلال شَورسینی اور اس سے متعلق زبانوں کے سلسلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ شورسینی پراکرت یا اَپ بھرنش سے موجودہ پنجابی، راجستھانی اور مغربی ہندی کی بولیاں نکلی ہوں، یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ شَورسینی اَپ بھرنش، شَورسین دیس (متھرا) کی قدیم بولی کی بنیاد پر بنی ہوئی ادبی زبان رہی ہوگی، اسی کے ساتھ ساتھ آس پاس کے علاقوں میں اس وقت جدید زبانوں کی قدیم شکلیں رائج ہوں گی جن کے نمونے آج نہیں ملتے۔ آج بھی کچھ ایسی ہی حالت نظر آتی ہے۔ پنجاب سے لے کر

www.taemeernews.com

بنگال تک ادبی حیثیت سے صرف ایک زبان استعمال میں لائی جاتی ہے۔اس زبان کی بنیاد اس بولی پر ہے جو دلّی اور میرٹھ کے اطراف میں بولی جاتی ہے۔ یعنی کھڑی بولی۔اس کے ساتھ ساتھ برج بھاشا، اودھی، بندیلی، بگھیلی، پنجابی اور بہاری بولیاں آج بھی اپنے اپنے علاقوں کی زندہ زبانیں ہیں۔لیکن چوں کہ ان میں سے کسی کو بھی ادبی مرتبہ حاصل نہیں اس لئے آج سے دو سو سال بعد کے محقق کو ان زبانوں کے علاقوں میں بھی صرف ادبی زبان (اردو یا ہندی) کے نمونے مل سکیں گے۔کیا اس وقت یہ طریق استدلال صحیح ہوگا کہ چونکہ کھڑی بولی اتنے وسیع علاقے میں بولی جاتی تھی اس لئے اس علاقے کی تمام بولیاں ضرور ہے کہ اسی سے نکلی ہوں گی۔یہاں یہ بھی ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ ادبی کھڑی بولی کو آج جتنا عروج حاصل ہے ہندوستان کی کسی زبان کو کسی زمانہ میں حاصل نہ تھا۔اس کے باوجود کھڑی بولی ابھی تک (قطع نظر شہر اور قصبات کے) مقامی بولیوں کی جگہ نہیں لے سکی ہے۔دراصل زبان کا جو نقشہ آج ہے وہی آج سے آٹھ سو برس پہلے تھا اور وہی آج سے اٹھارہ سو برس پہلے (پراکرتوں کا طلوع) بھی تھا۔یعنی صوبائی اور مقامی بولیوں کی کثرت کے درمیان ایک ادبی زبان کی وحدت! یہ لسانی نقشہ سیاسی الٹ پھیر کے ساتھ بدلتا رہا۔آریوں کے داخلۂ ہندوستان (۱۵۰۰ ق م) سے لے کر مسلمانوں کے داخلۂ ہندوستان (۱۱۰۰ء) تک کی تاریخ مختلف سلطنتوں کے بننے اور بگڑنے کی ایک طویل داستان ہے۔ جس علاقے کے لوگ حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو جاتے اس علاقے کی بولی آناً فاناً شاہی سرپرستی میں ہندوستان کی معیاری زبان کی حیثیت سے

www.taemeernews.com

پھیل جاتی تھی۔ اشوک کا عہد اَردھ ماگدھی پراکرت کے عروج کا زمانہ تھا جس نے مغربی ہندوستان کی تمام پراکرتوں کو متاثر کیا۔ ہرش وَردھن اور راجپوتوں کی فتوحات کے ذریعہ دوآبہ کی زبان سر اٹھاتی ہے اور پہلے شورسینی اَپ بھرنش اور بعد کو برج بھاشا کی شکل میں سارے شمالی ہندوستان کی مانی ہوئی ادبی زبان بن جاتی ہے۔ آج بھی اسی دوآبہ کی ایک بولی یعنی کھڑی بولی، ہندوستان کی لنگوا فرنیکا بنی ہوئی ہے جو یقیناً اس تاریخی حادثہ کا طفیل ہے کہ مسلمانوں نے دہلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔

○

www.taemeernews.com

دوسرا باب

ہندوستان کی جدید آریائی زبانیں

جدید آریائی زبانوں کی گروہ بندی

سنہ ۱۸۸۰ء میں سب سے پہلے مستشرق ہرنلے نے اِس بات کی طرف اشارہ کیا تھا کہ ہندوستان کی موجودہ زبانوں کی ساخت اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ ہندوستان میں آریا دو مختلف گروہوں میں داخل ہوئے ہونگے۔ آریوں کا دوسرا گروہ پہلے گروہ کے کافی عرصہ بعد آیا ہوگا۔ لیکن وہ ان سے ملتی جلتی آریائی زبانیں بولتا ہوگا۔ گریرسن، ہرنلے کے اس نظریہ کو جوں کا توں تسلیم نہیں کرتا[1]۔ تاریخی ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے وہ صرف ان گروہوں کے اختلاف زبان پر زور دینا کافی سمجھتا ہے لیکن ہرنلے کے خیال میں آریوں کا دوسرا دَل پنجاب کے میدانوں کو پار کرتا ہوا گنگا کی وادی تک جا پہونچا ہے اور پہلے آریا دَل

---

[1] لسانیاتی جائزۂ ہند، جلد اول: حصہ اول، دیباچہ۔

www.taemeernews.com

کو مشرق اور مغرب (پیچھے کس طرح ؟) کی طرف ڈھکیل دیتا ہے۔ گریرسن اس تاریخی مفروضہ سے اختلاف کرتے ہوئے دوسرے پہلو کے امکانات کو لسانی دلیلوں سے اجاگر کرتا ہے۔ اس کے خیال میں نو وارد آریا اپنا راستہ بند دیکھ کر بہت ممکن ہے پہلے آئے ہوئے آریوں کے چاروں طرف نیم دائرہ کی شکل میں پھیل گئے ہوں۔ پنجاب میں ان کا مقابلہ پرانے آریوں سے ہوا ہوگا۔ جہاں سے شکست کھا کر انھیں اپنا رُخ سندھ کی وادی اور وہاں سے وسطی ہندوستان مہاراشٹر، بہار اور اڑیسہ کی طرف کرنا پڑا ہوگا۔ اس طرح نئے آریا پرانوں کے اردگرد گھیرا سا ڈال دیتے ہیں۔ ہرنلے اور گریرسن دونوں کے بیانات سے یکساں نتائج مرتب ہوتے ہیں۔ دونوں صورتوں میں آریوں کا ایک گروہ اندرونی بن جاتا ہے اور دوسرا ان کے تین طرف نیم دائرہ کی شکل میں بیرونی۔ اگر ہرنلے صحیح ہے تو نووارد آریا اندرونی — کہلائیں گے اور اگر گریرسن کی بات تسلیم کی جائے تو پرانے آریا۔

ہرنلے کے اس نظریے یا گریرسن کی اندرونی و بیرونی تقسیم کا دھندلا سا روائتی ثبوت ہندوؤں کی مقدس کتابوں میں مل جاتا ہے۔ بالخصوص مہابھارت کے اندر پنچالوں اور کوروں کی لڑائی درحقیقت دوآبہ کے آریا اور نووارد آریوں کے درمیان سیاسی اقتدار کے لئے زور آمائی تھی۔ پنچالوں کے حمائتی پانڈے تھے جو ایک کوہستانی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، پنچال، کوروں کی بہ نسبت یہاں کے زیادہ پرانے باسی تھے، اس لئے ان کے رنگ سیاہی مائل بتائے گئے ہیں۔ مہابھارت میں ان آریوں کو جو دریائے سندھ کے

www.taemeernews.com

کنارے پر بستے تھے "ملچھ" کے نام سے یاد کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ دوآبہ والے انھیں غیر آریا سمجھتے تھے۔

اس کے بعد "مدھیہ پردیش" (مغربی یوپی اور مشرقی پنجاب) کے آریوں کا عروج ہوتا ہے وہ اپنے علاقہ سے نکل کر برابر مختلف سمتوں میں پھیلتے رہے چنانچہ سنسکرتی عہد کے جغرافیہ میں جس علاقہ کا نام بار بار آیا ہے اور جسے خالص آریوں کی جنم بھومی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ وہ یہی "مدھیہ دیش" ہے، اس کی حد بندی شمال میں ہمالیہ، جنوب میں وندھیاچل اور مغرب میں سرہند سے لے کر مشرق میں الہ آباد تک مقرر کی گئی ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی روایات کے مطابق اس کے مشرقی سرے سے مغربی سرے تک سرسوتی نام کا مقدس دریا بہتا ہے جو انسانی آنکھ سے اوجھل ہے۔

گریرسن کی تقسیم زبان کے مطابق شمالی ہندوستان کی جدید آریائی زبانیں دو گروہوں میں بٹ جاتی ہیں ایک اندرونی اور دوسرا بیرونی۔ اندرونی زبانیں ٹھیک اس علاقہ میں بولی جاتی ہیں جس کا ذکر اوپر مدھیہ دیش کے نام سے کیا جا چکا ہے۔ بیرونی گروہ کی زبانیں نیم دائرے کی شکل میں مغربی پنجاب سے شروع ہو کر سندھ، مہاراشٹر، وسطی ہندوستان، اڑیسہ، بہار، بنگال اور آسام تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ کی کڑی صرف گجرات میں ٹوٹتی ہے۔ گجرات پر گریرسن کے خیال میں متھرا والوں کا سیاسی اقتدار کافی عرصہ تک رہا۔ لہٰذا وہاں کی زبان مدھیہ دیش کی زبان سے اس درجہ متاثر ہوئی ہے کہ گریرسن موجودہ گجراتی کو اندرونی زبانوں کی صف میں جگہ دیتا ہے۔

www.taemeernews.com

گریرسن کی تقسیمِ زبان کا نقشہ

(۱) بیرونی زبانیں

(الف) شمال مغربی شاخ

۱- لہندا (مغربی پنجابی) - ۲- سندھی

(ب) جنوبی شاخ

۱- مراٹھی

(ج) مشرقی شاخ

۱- آسامی ۲- بنگالی ۳- اُڑیا ۴- بہاری بولیاں

(۲) وسطی زبانیں

۲- پوربی ہندی

(۳) اندرونی زبانیں

۱- مغربی ہندی ۲- پنجابی (مشرقی) ۳- گجراتی ۴- راجستھانی

۵- بھیلی ۶- خاندیشی

(۴) پہاڑی زبانیں

۱- مشرقی پہاڑی یا نیپالی ۲- درمیانی پہاڑی ۳- مغربی پہاڑی

اندرونی اور بیرونی زبانوں کی یہ گروہ بندی گریرسن نے ہرنلے کے برعکس زبانوں کی ساخت اور ان کے کینڈوں پر غور کرنے کے بعد کی ہے۔ اس کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے [1]

---

[1] گریرسن: لسانیاتی جائزہ ہند - جلد اوّل - حصہ اوّل -

www.taemeernews.com

(۱) دونوں گروہوں کی زبانوں میں تلفظ کا بڑا فرق پایا جاتا ہے۔ مثلاً اندرونی شاخ کی تمام زبانوں میں [س] کا تلفظ صحیح ہوتا ہے اسکے برعکس بیرونی زبانوں میں یہ عام طور سے [ش] میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ قدیم ایرانی میں یہی [س] [ہ] میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ مثلاً سنسکرت (سپت) = فارسی (ہفت) [س] (سندھ) = ف (ہند) وغیرہ۔ تلفظ کی یہ خصوصیت ہندوستان کی شمال مغربی بولیوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ مغربی پنجابی اور سندھی میں (کوس) کا (کوہ) بن جاتا ہے۔ ادھر بنگالی اور مراٹھی میں [س] ہمیشہ [ش] میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ بلکہ مشرقی بنگالی اور آسامی میں تو یہ [چ] اور [س] کی درمیانی آواز بن جاتا ہے۔

(۲) اندرونی اور بیرونی زبانوں کے اسماء کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں، تقریباً تمام اندرونی زبانوں میں ایسے حروف سے کام لیا جاتا ہے جو الفاظ کے ساتھ جوڑ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً کا۔ کی۔ کے۔ کو۔ سے، نے وغیرہ۔ لیکن بیرونی زبانیں ان کی بہ نسبت زیادہ ترقی کر چکی ہیں اور حالت تفصیلی (انالیٹیکل اسٹیج) سے صورتِ ترکیبی (سنتھیٹک) میں پہونچ چکی ہیں۔ لسانیات کا یہ اہم اصول ہے کہ زبانیں پہلے حالت تفصیلی میں ہوتی ہیں اور اس کے بعد رفتہ رفتہ شکل بدل کر ترکیبی صورت اختیار کر لیتی ہیں، تقریباً تمام اندرونی زبانیں حالتِ تفصیلی میں ہیں۔ مثلاً اردو میں حالتِ فاعلی "کا، کی کے" لگا کر بنائی جاتی ہے۔ یہاں (کا) اسم سے الگ بھی ایک معنیٰ رکھتا ہے لیکن بنگالی (بیرونی زبان) میں یہی (ار) لگا کر بنتی ہے اور یہ علامت اس وقت اسم کا ایک جزو بن جاتی ہے۔

www.taemeernews.com

(۳) دونوں گروہوں کی زبانوں میں ایک اور بھی نمایاں فرق نظر آتا ہے بیرونی زبانوں کے فعل ماضی سے اس کے فاعل کی تجنیس اور تعداد کا پتہ چل جاتا ہے۔ لیکن اندرونی زبانوں میں ہر قسم کے فاعل کے ساتھ فعل کی ایک ہی شکل رہتی ہے۔ مثلاً اُردو میں (میں گیا) (تو گیا) (وہ گیا) یہاں فعل "گیا" یکساں رہتا ہے۔ لیکن بنگالی کے لفظ "ماری لام" سے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ مارنے والا (میں) ہے جب کہ اُردو کے (مارا) سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ میں نے مارا، یا تو نے مارا، یا اُس نے مارا۔

گریرسن نے اس سلسلہ میں تاریخی استدلال بہت کم پیش کیا ہے۔ صرف مذکورۂ بالا لسانی مفروضات پر وہ زبانوں کی اس گروہ بندی کو صحیح سمجھتا ہے۔ لسانیات کی دنیا میں گریرسن کی تحقیق کے اس حصہ سے جتنا اختلاف کیا گیا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ آریائی زبانوں کے نئے محققوں نے مبسوط لسانیاتی دلائل سے گریرسن کے اس نظریہ کا بطلان پیش کیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر چٹرجی کا نام پیش پیش ہے۔ بی نرمدار کا خیال ہے کہ گریرسن ہندوستان کی قدیم زبانوں سے کما حقہٗ واقف نہ تھا۔ اس لئے اس کے لسانیاتی فیصلے قول فیصل کا حکم نہیں رکھتے[1] ان کا خیال ہے کہ گریرسن نے اپنے نظریہ کی تائید میں فرہنگ اور صوتیات پر غیر معمولی زور دیا ہے حالاں کہ یہ حقیقت ہے کہ زبان کے کینڈے کو سمجھنے میں ان سے کہیں زیادہ مدد اس کے صرفی اور نحوی قاعدوں سے ملتی ہے۔

گریرسن کے بعض لسانی دلائل کا بطلان :-

---

[1] نرمدار: بنگالی زبان کی تاریخ، ص ۷

www.taemeernews.com

(۱) [س] کا [ہ] میں تبدیل ہو جانا بیرونی زبانوں کی خصوصیت نہیں ہے۔ اس کی مثالیں خود مغربی ہندی (خالص اندرونی زبان) میں مل جاتی ہیں جیسے:۔ سنسکرت تسیہ۔ تس، تاس، تاہ، تا (تاکو۔ تاہی وغیرہ برج بھاشا میں آج بھی بولتے ہیں) اسی طرح سنسکرت :۔ کرشیتی، کریدی۔ کرسیَ۔ کری ہسیَ ــــ (اپ بھرنش) کَری ہئے برج بھاشا میں بن جاتا ہے۔ علاوہ ازیں بیرونی زبانوں میں اکثر جگہ اس کا استعمال پایا جاتا ہے۔ مثلاً راجستھانی (کرسی) لہندا (مغربی پنجابی)۔ (کرے سی) کرے گا۔ اسی طرح تقریباً تمام جدید آریائی زبانوں میں (اندرونی اور بیرونی دونوں) اعداد کا [س]، [ہ] میں تبدیل ہوجاتا ہے جیسے گیارہ، بارہ، چوہتر (چوستر) جیسے گجراتی (جسے گریرسن زبانوں کی اندرونی صف میں جگہ دیتا ہے) کی بعض بولیوں میں "[س]" [ہ] میں تبدیل ہوجاتا ہے مثلاً سنسکرت : سپت، اردو۔ سات، گجراتی، ہات۔ [1]

(۲) بیرونی زبانوں کی طرح مغربی ہندی میں بھی علامتوں کا خیال نہیں رکھا جاتا، بنگالی اور مرہٹی کی طرح اس میں بھی بعض اوقات لفظ کو توڑ مروڑ کر علامتوں کا مفہوم نکال لیا جاتا ہے۔ مثلاً اردو میں "آنکھوں" بمعنی "آنکھوں سے"

ع۔ خسرُوا کو آنکھوں دیٹھا۔ (امیر خسرو) بمعنی آنکھوں سے دیکھا۔

پُرانی اردو میں (میں نے) کی جگہ (زیادہ تر) (میں) استعمال ہوتا تھا اَپ بھرنش کی یہ روایت میرؔ و سوداؔ کے زمانہ تک قائم رہی ہے۔ اسی طرح

[1] لسانیات: آسان گجراتی گرامر۔

www.taemeernews.com

اردو میں - وہ بھوکوں مرگیا، برج بھاشا: با بھوکن مرگیو، بہ معنی بھوک سے مرگیا "ہے"، کا مفہوم ان جملوں میں چھپا ہوا ہے - اس کے برعکس لہندا (مغربی پنجابی) میں جسے گریرسن بیرونی زبانوں میں شمار کرتا ہے۔ علامتیں علیٰحدہ سے لگائی جاتی ہیں - مثلاً گھوڑے دا (گھوڑے کا) یا (گھوڑے نوں)۔ بمعنی (گھوڑے کو)۔ اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ جن اصولوں کو بیرونی زبانوں کی خصوصیت گردانا گیا ہے وہ تھوڑی بہت اندرونی زبانوں میں بھی پائی جاتی ہے - بیرونی زبانوں میں بعض خصوصیات ایسی لکھی ہیں جو جنوبی اور مشرقی ہندوستان کی بیرونی زبانوں میں تو مشترک ہیں لیکن مغربی ہندوستان کی بیرونی شاخ میں نہیں پائی جاتیں، مثلاً ان زبانوں میں ماضی مطلق کی علامت "ل" ہے (اٹھا) کے لئے مراٹھی (اُٹھیلا[۱]) بنگالی (اُٹھیل[۲]) بہاری (اُٹھل[۳]) آسامی (اُٹھل) اڑیا (اُٹھیلا) لیکن شمالی و غربی ہندوستان کی علامت ماضی "ل" نہیں بلکہ الف ہے - جیسے اٹھا، پڑا، چلا

چنانچہ ہمیں یہاں گریرسن سے اختلاف کرتے ہوئے چٹرجی کی اس رائے سے متفق ہونا پڑتا ہے کہ اندرونی، بیرونی زبانوں کی تقسیم لسانی اعتبار سے اتنی ہی مہمل ہے جتنی کہ تاریخی استدلال سے -

اب ہم ڈاکٹر چٹرجی کے لسانی نقشہ میں تھوڑی سی ترمیم کرنے کے بعد ہندوستان کی جدید زبانوں کی گروہ بندی حسب ذیل طریقے پر کرتے ہیں -

---

[۱] ادھیاپک ویاکرن: (مرہٹی گرامر) شیونرائن گوکھلے
[۲] بنگالی سیلف ٹاٹ - چٹرجی ص ۱۲۱
[۳] بنگالی زبان کی ابتدا اور ارتقا ص ۳۲

www.taemeernews.com

(الف) مدھیہ پردیش کی زبان خاص

(۱) مغربی ہندی

(ب) درمیانی زبانیں

(۱) مدھیہ دیش کی زبان سے گہرا رشتہ رکھنے والی زبانیں۔

(۱) پنجابی ۲۔ راجستھانی ۳۔ گجراتی ۴۔ پہاڑی بولیاں

(۲) بیرونی زبانوں سے گہرا رشتہ رکھنے والی زبان۔

(۱) پوربی ہندی

(ج) شمال مغربی ہندوستان کی زبانیں

(۱) لہندا (مغربی پنجابی)۔ ۲۔ سندھی

(د) مشرقی ہندوستان کی زبانیں

(۱) بہاری ۲۔ اُڑیا ۳۔ بنگالی ۴۔ آسامی

(ر) جنوبی ہندوستان کی آریائی زبانیں

(۱) مراٹھی

مذکورہ بالا زبانوں کی تفصیلات[1]۔

شمال مغربی ہندوستان کی زبانیں

لہندا: یہ مغربی پنجاب کی زبان ہے، اس کے اور مشرقی پنجابی کے حدود کچھ اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ بعض سرحدی اضلاع کے اندر دونوں

---

[1] ۔ یہ تفصیلات عام طور سے گریرسن کے "لسانی جائزہ ہند" پر مبنی ہیں ہندی اور اس کی ہمسایہ بولیوں پر ایک نہایت مفید چھوٹی سی کتاب "گرامین ہندی" ہندی میں ڈاکٹر دھیریندر ورما نے بھی لکھی ہے۔

www.taemeernews.com

میں امتیاز کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ لہندا پر دُردیا پشاچ زبانوں کا اثر بہت زیادہ پڑا ہے۔ مغربی پنجاب میں "کیکئے" دیس بھی شامل ہے جہاں قدیم زمانے میں پشاجی پراکرت اور براچڈاَپ بھرنش بولی جاتی تھیں ــــ لہندا مغربی پنجابی، جاٹکی، ہندکی یا اُچی کے ناموں سے بھی مشہور ہے۔ لیکن ان میں سب سے بہتر نام لہندا ہی ہے۔ اس کے معنی "سمت مغرب" کے ہیں۔ لہندا میں کوئی ادبی کارنامہ نہیں ملتا۔ یہ اپنی قواعد اور فرہنگ دونوں اعتبار سے مشرقی پنجابی سے مختلف ہے اس کا اپنا رسم الخط لنڈا ہے لیکن آج کل یہ فارسی رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔

(۲) **سندھی**: یہ صوبہ سندھ کی بولی ہے' اس کے بولنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس لئے اس میں عربی فارسی کے الفاظ بکثرت استعمال کیے جاتے ہیں، اس کا رسم الخط بھی عربی ہے۔ اس کی پانچ بولیاں ہیں جن میں وسطی علاقے کی "بچول" بولی نے تھوڑی بہت ادبی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ سندھ کو پرانے زمانے میں براچڈ دیس کہا جاتا تھا۔ اس لیے موجودہ سندھی کا تعلق براچڈاَپ بھرنش سے ہے۔ آریائی زبانوں میں یہ واحد زبان ہے جس پر عربی کے براہِ راست اثرات پڑے ہیں۔

لہندا اور سندھی دونوں دوآبہ کی زبانوں سے بالکل مختلف ہیں، اس لئے اردو کے آغاز کا سلسلہ ان زبانوں سے نہیں ملایا جا سکتا گو مسلمان اول اول انھیں زبانوں کے علاقے میں داخل ہوئے تھے۔

www.taemeernews.com

جنوبی ہندوستان کی آریائی زبان

مراٹھی: مہاراشٹر کی زبان ہے اس کے جنوب میں دَراوڑ زبانوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اس کی تین خاص بولیاں ہیں جن میں سے پونا کے اطراف کی بولی نے ادبی مراٹھی کی حیثیت اختیار کرلی ہے اس کا رسم الخط دیوناگری ہے۔ ادبی سرمایہ کے اعتبار سے ہندوستان کی ممتاز ترین زبانوں میں شمار کی جاتی ہے۔

ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں میں گجراتی کے علاوہ مراٹھی ایک ایسی زبان ہے جس میں صیغہ تثنیہ ملتا ہے یہ پنجابی اور گجراتی کی طرح برج بھاشہ کے برعکس [و] اور [ب] کے تلفظ میں فرق کرتی ہے۔ مغربی ہندی کی طرح اسماء کا اختتام اس میں بھی الف پر ہوتا ہے اور جمع (اے) جوڑ کر بنائی جاتی ہے۔

دکنی کی ساخت پرداخت میں اس کا حصہ صرف اس قدر ہے کہ اس کے بعض اسماء حرف اور افعال دکنی میں مستعمل ہیں۔ مثلاً:۔ کتیک = کئی ایک (قطب مشتری): بسلا = بیٹھا، بسلانا = بٹھانا، اور دکنی کے کلیدی لفظ نکو (نہیں) اور "چ" تاکیدی، آپیچ (آپ ہی) خداچ (خداہی) وغیرہ۔ دکنی میں سنسکرت اور اَپ بھرنش کے الفاظ کا جو عام رجحان ملتا ہے اس کی تائید مراٹھی نے بھی کی ہے۔

مشرقی ہندوستان کی زبانیں

(۱) آسامی:۔ آسامی پر ہندوستان کی آریائی زبانوں کا سلسلہ مشرق میں ختم ہوتا ہے۔ اُڑیا کی طرح آسامی بھی بنگالی کی بہن ہے نہ کہ بیٹی۔ اگرچہ

www.taemeernews.com

آسامی قواعد بنگالی سے زیادہ مختلف نہیں لیکن دونوں کے ادبی رجحانات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔

(۲) بنگالی :- یہ ریاست بنگال اور بنگلہ دیش کی زبان ہے۔ دیہاتی بنگالی اور شہری بنگالی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ادبی بنگالی میں سنسکرت کے خالص الفاظ کی جتنی بھرمار ملتی ہے اس کی مثال اگر ہندوستان کی کسی دوسری زبان میں ملتی ہے تو وہ نئی ہندی ہے۔ ادبی زبان کی نیو بنگالی کے اس روپ پر ہے جو ہگلی کے آس پاس چوبیس پرگنہ میں بولی جاتی ہے۔ بنگالی صوتیات کی خصوصیات یہ ہیں کہ (ا) کا (اُو) اور (س) کا (ش) ہو جاتا ہے۔ بنگالی رسم الخط براہمی ہی کی ایک شکل ہے۔

(۳) اُڑیا :- یہ اڑیسہ (قدیم ات کل دیس) میں بولی جاتی ہے اس لیے اس کو اُتکلی یا اوڈری بھی کہتے ہیں۔ اڑیا رسم الخط بہت مشکل ہے اس کی قواعد بنگالی سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اس لیے بنگال کے پنڈت عرصہ تک اسے بنگالی زبان کی ایک بولی گردانتے رہے، لیکن یہ سیاسی مصلحت اور لسانی غلطی تھی۔ اڑیا دراصل بنگالی کے ساتھ ساتھ بارہویں صدی عیسوی میں ماگدھی اَپ بھرنش سے جنم لیتی ہے۔ بنگالی اور اڑیا کا رشتہ ماں بیٹی کا نہیں بہنوں کا ہے۔ مرہٹوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے اس میں مرہٹی کے الفاظ بھی کثرت سے ملتے ہیں۔

(۴) بہاری :- تمدنی اعتبار سے صوبہ بہار کا تعلق یو، پی سے رہا ہے لیکن لسانی اعتبار سے اس کی بولیاں بنگالی سے زیادہ قریب ہیں، بنگالی،

www.taemeernews.com

اڑیا اور آسامی کی طرح اس کی پیدائش بھی ماگدھی اَپ بھرنش سے ہوئی ہے۔ بلکہ ایک لحاظ سے یہ ماگدھی اَپ بھرنش کی سچی جانشین ہے کیونکہ یہ اسی علاقے میں بولی جاتی ہے۔ بہاری کی تین بولیاں قابلِ ذکر ہیں۔

(۱) مَیتھلی :- جو گنگا کے شمال میں دربھنگہ کے آس پاس بولی جاتی ہے۔

(۲) مگہی :- جس کا مرکز گیا اور پٹنہ سمجھنا چاہیئے۔

(۳) بھوج پوری :- جو یو۔پی کی گورکھپور اور بنارس کی کمشنریوں اور بہار کے شاہ آباد، چمپارن وغیرہ کے اضلاع میں بولی جاتی ہے۔

ان میں میتھلی اور مگہی ایک دوسرے سے قریب اور بھوج پوری دونوں سے کسی قدر مختلف ہے۔ ڈاکٹر چٹرجی، بھوج پوری کو میتھلی اور مگہی سے اس قدر مختلف مانتے ہیں کہ وہ اُسے بہاری بولیوں سے علیحدہ شمار کرتے ہیں۔ بہار میں تین رسم الخط رائج ہیں، لکھائی چھپائی میں دیوناگری استعمال ہوتا ہے۔ عام تحریروں میں کیتھی رسم الخط برتا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ میتھلی برہمنوں کا ایک رسم الخط بھی ہے جسے میتھلی کہتے ہیں جو بنگالی رسم الخط سے ملتا جلتا ہے۔ اس علاقہ کی ادبی زبانیں اُردو اور ہندی ہیں۔

مشرقی ہندوستان کی زبانوں سے گہرا رشتہ رکھنے والی زبان :-

مشرقی ہندی :- مشرقی یا پوربی ہندی، جیسا کہ نام سے ظاہر ہے مغربی ہندی کے پورب میں بولی جاتی ہے۔ یہ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے مغربی ہندی سے ملتی جلتی ہے اور بعض دوسری خصوصیات کے لحاظ سے

www.taemeernews.com

بہاری سے لیکن اس کا گہرا رشتہ مشرقی ہندوستان کی زبانوں (بہاری، بنگالی) وغیرہ ہی سے ہے۔ اس کی تین خاص بولیاں ہیں (۱) اودھی (۲) بگھیلی — (۳) چھتیس گڑھی۔ کوسلی، اودھی کا دوسرا نام ہے۔ کیلاگ اور گریرسن نے سب سے پہلے مشرقی ہندی کو ایک علیٰحدہ زبان کی حیثیت دی ہے اس سے قبل اسے ہندی ہی کی ایک شاخ سمجھا جاتا تھا۔ اس کے افعال پر مغربی ہندی کا اثر صاف نظر آتا ہے، لیکن اسماء اور ضمائر کے اعتبار سے یہ ہندوستان کی مشرقی زبانوں سے زیادہ قریب ہے۔ یہ ناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔ مغربی اودھی میں فعل کی معمولی شکل برج بھاشا کی طرح ہوتی ہے۔ جیسے (آون، جاون، کرن) لیکن مشرقی اودھی میں فعل کے آخر میں [ب] آتی ہے۔ جیسے (آب، جاب، کرب) فعل ماضی کے لئے اس میں مشرقی ہندوستان کی دیگر زبانوں کی طرح [س] آتا ہے۔ جیسے مارلیس کیئس وغیرہ۔

مشرقی ہندی کی سب سے اہم بولی اودھی کو ہندی ادب میں ایک خاص مرتبہ حاصل ہے۔ اس کے دو مشہور شاعر ملک محمد جائسی اور تلسی داس ہیں جو ہندی ادب کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

مدھیہ دیش کی زبان سے گہرا رشتہ رکھنے والی زبانیں

پہاڑی بولیاں

پوربی پہاڑی :- یہ نیپال میں بولی جاتی ہے۔ اس کو نیپالی، پربتیا، گورکھالی اور سکھ کورا بھی کہتے ہیں۔ اس کا سب سے نکھرا روپ کاٹھمنڈو

www.taemeernews.com

کی گھاٹی میں بولا جاتا ہے۔ یہ دیوناگری رسم الخط میں لکھی جاتی ہے۔

درمیانی پہاڑی :- اس کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) کمایونی - جو الموڑہ، نینی تال کے اضلاع میں بولی جاتی ہے۔

(۲) گڑھوالی :- جو ریاست گڑھوال اور مسوری کے پہاڑی علاقے میں بولی جاتی ہے۔

مغربی پہاڑی :- اس زبان کی کئی بولیاں ہیں جو شملہ اور اس کے آس پاس کے پہاڑی علاقے میں بولی جاتی ہیں اس علاقے میں تقریباً بیس بولیاں رائج ہیں۔ ان میں تحریری ادب نہیں ملتا۔

مذکورۂ بالا سب پہاڑی زبانیں راجستھانی سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ خاص طور سے درمیانی پہاڑی کا تعلق جے پوری اور مغربی پہاڑی کا تعلق مارواڑی سے زیادہ قریب معلوم ہوتا ہے اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں اکثر راجپوت قبائل راجپوتانہ سے نکل کر یہاں بس گئے تھے۔ اسی وجہ سے یہاں کی بولیوں پر راجستھانی زبان کا گہرا اثر پڑا۔

گجراتی :- گجراتی زبان کاٹھیاواڑ، ریاست بڑودہ اور اس کے آس پاس کے اضلاع میں بولی جاتی ہے اس کی مختلف بولیوں میں دوسری زبانوں کی طرح زیادہ اختلاف نہیں پایا جاتا۔ گجراتی زبان کا یہ نام گوجروں کی نسبت سے ہے جو ۴۰۰ء تا ۶۰۰ء ہندوستان کے مختلف صوبوں میں باہر سے آکر بس گئے تھے۔ پنجاب کے دو شہر گجرانوالہ اور گجرات کے نام انھیں گوجروں کی نسبت سے پڑے ہیں۔ یہ گوجر بعد کو گجرات میں بھی

www.taemeernews.com

جاکربس گئے تھے۔

مغربی ہندی، راجستھانی اور پنجابی کی طرح گریرسن گجراتی کو بھی اندرونی زبانوں کی فہرست میں جگہ دیتا ہے۔ دراصل گجرات کی اصل زبان بیرونی شاخ سے تعلق رکھتی تھی جس کے بعض نشانی اثرات اب تک اس زبان میں پائے جاتے ہیں۔ مثلاً (۱) س اور ہ کے تلفظ کا ادا نہ کرسکنا (۲) اسماء کی غیر فاعلی حالت میں [ا] کا برقرار رکھنا (۳) ماضی مطلق میں [ل] علامت کا مراٹھی اور مشرقی ہندوستان کی زبانوں کی طرح استعمال۔

ویدی زمانہ سے موجودہ عہد تک گجراتی زبان کے تسلسل کی جس طرح نشان دہی کی جاسکتی ہے اس کی نظیر ہمیں ہندوستان کی دوسری زبانوں میں نہیں ملتی۔ راجپوتوں کے عہد میں متھرا والوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے جدید گجراتی اپنی قواعد کے اعتبار سے مغربی ہندی بالخصوص برج بھاشا سے کافی متاثر ہوئی، اسماء اور افعال کے اعتبار سے یہ مغربی ہندی کی پیروی کرتی ہے، لیکن اردو کی [ڑ] اور [ڑھ] کے مقابلے میں اس میں [ڈ] اور [ڈھ] زیادہ پائی جاتی ہیں جو دکنی کی بھی عام خصوصیت ہے

راجستھانی:- ایک طرح سے یہ مدھیہ دیش کی زبان ہی کا جنوب مغربی پھیلاؤ ہے، اس پھیلاؤ کی آخری کڑی جیسا کہ لکھا جاچکا ہے گجراتی زبان ہے جس علاقہ میں آج کل پنجابی (مشرقی) گجراتی اور راجستھانی زبانیں (جن کا شمار گریرسن اندرونی زبانوں میں کرتا ہے) بولی جاتی ہیں وہاں قدیم زمانہ میں بیرونی شاخ کی زبانیں رائج تھیں۔

www.taemeernews.com

رفتہ رفتہ سیاسی فتوحات کی بنا پر اندرونی زبانوں نے ان علاقوں کی زبانوں کو ڈھکیلنا شروع کیا لیکن گجراتی اور پنجابی کی طرح راجستھانی میں بھی بیرونی زبانوں کے بعض نشانات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً (اَ) (اِ) (اے) اور (اُو) کا تلفظ، عام تلفظ سے قدرے مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح [چھ] کا تلفظ [س] سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور [س] کی آواز عام طور سے [ہ] میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

راجستھانی کی چار اہم بولیاں ہیں:۔

(۱) مارواڑی یا میواڑی:۔ یہ جودھپور، بیکانیر، جیسلمیر اور اودے پور کی ریاستوں میں بولی جاتی ہے۔

(۲) مالوی:۔ اس کا مرکز سابق ریاست اندور تھا۔

(۳) جے پوری:۔ یہ جے پور، کوٹہ اور بوندی کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔

(۴) میواتی:۔ یہ الور اور دہلی کے جنوب میں گوڑگاؤں میں بولی جاتی ہے۔ قدیم اردو کی ساخت پرداخت میں اس کا بھی حصہ رہا ہے حالاں کہ اس پر تحقیق کم ہوئی ہے کیوں کہ ادبی اعتبار سے یہ بولی کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اردو پر بانگڑو زبان کے اثرات کے سلسلے میں کسی اگلے باب میں اس کے لسانی اثرات کو بھی پہچاننے کی کوشش کی گئی ہے۔

راجستھانی کے علاقوں میں اردو، ہندی ادبی زبانوں کی حیثیت سے رائج ہیں۔ اس کا قدیم ادب زیادہ تر مارواڑی میں ملتا ہے۔ پرانی مارواڑی

www.taemeernews.com

اور گجراتی میں بہت کم فرق ہے - اس کا قدیم ادب ڈِنگل (برج بھاشا پِنگل) کے نام سے مشہور ہے - جے پوری میں ادب ملتا ہے دادو دیال اور ان کے چیلوں نے اسی میں شاعری کی ہے - ان چاروں بولیوں کی ساخت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جے پوری اور مارواڑی، گجراتی سے، میواتی برج بھاشا سے اور مالوی بندیل کھنڈی سے ملتی جلتی ہیں - راجستھانی کے بیشتر افعال مغربی ہندی کی نہج پر ہوتے ہیں - برج بھاشا کی طرح مستقبل کے لیے اس میں بھی دو علامتیں مستعمل ہیں (ہوں) اور (گو) یہاں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ علامت مستقبل (گ) جسے پروفیسر شیرانی پنجاب کی خصوصیت بتاتے ہیں (گو) یا (گ) کی شکل لے کر برج اور راجستھانی کی بعض بولیوں میں بھی مستعمل ہے لیکن جملوں کی ترتیب، الفاظ کی در و بست اور بعض صرفی و نحوی قاعدوں کے اعتبار سے اس میں اور گجراتی میں گہری مماثلت دکھائی دیتی ہے -

پنجابی - لفظ پنجابی کا اطلاق عام طور پر ان تمام بولیوں پر کیا جاتا ہے جو دریائے سندھ سے لے کر ضلع انبالہ تک بولی جاتی ہیں - سب سے پہلے گریرسن نے اپنے لسانی جائزہ میں اس بات کو واضح کیا تھا کہ لاہور کے مغرب میں جو زبان بولی جاتی ہے وہ اپنی ساخت کے اعتبار سے اندرونی بولیوں سے بالکل مختلف ہے - وہ اس زبان کو لہندا یا مغربی پنجابی کا نام دیتا ہے اور اسے بیرونی زبانوں کی فہرست میں رکھتا ہے - اس طرح اس نے مغربی پنجابی اور پنجابی (مشرقی) میں امتیاز کیا ہے پنجابی پورے پنجاب

www.taemeernews.com

کی زبان نہیں - یہ مشرقی پنجاب، ریاست بیکانیر کے شمالی اضلاع اور ریاست جموں کے جنوبی اضلاع کی زبان ہے۔ مغرب میں یہ لہندا یا مغربی پنجابی، شمال اور شمال مشرق میں پہاڑی زبانوں اور جنوب میں باگر اور بیکانیری بولیوں سے گھری ہوئی ہے۔ مشرق میں اس کے حدود مغربی ہندی کی دو بولیوں یعنی کھڑی بولی اور بانگڑو (ہریانوی) سے ملتے ہیں، چنانچہ مشرقی انبالہ، کرنال، ریاست پٹیالہ ضلع حصار کے مشرقی حصے، رہتک، گوڑگاؤں اور ریاست دہلی کی زبان پنجابی نہیں بلکہ کھڑی بولی (ہندوستانی) یا ہریانوی ہے۔ ان ـــــ علاقوں کو چھوڑ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سارے مشرقی پنجاب کی زبان پنجابی ہے۔ پنجابی اور مغربی ہندی کی بولیوں کے درمیان حد بندی دریائے گھگھر سے کی جاسکتی ہے۔ دریائے گھگھر کے مشرق میں چند سکھ آبادیوں کو چھوڑ کر باقی سارے علاقہ کی زبان کھڑی بولی یا بانگڑو (ہریانوی) ہے۔

پروفیسر محمود شیرانی نے "پنجاب میں اردو" لکھتے وقت اس لسانی حقیقت کو بالکل فراموش کر دیا ہے کہ گجراتی اور راجستھانی کی طرح پنجابی زبان کا تعلق بھی قدیم زمانے میں زبانوں کی بیرونی شاخ سے تھا جس کے نشانات جدید پنجابی تک میں ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ موجودہ پنجابی کی ساخت اس بات کا بھی پتہ دیتی ہے کہ اس پر کسی زمانہ میں، مدھیہ دیش کی زبان (جس کی نمائندہ بولیاں آج کل برج بھاشا اور کھڑی بولی ہیں) کی چھاپ نہایت گہری پڑ چکی ہے۔ اس کا ثبوت ہمیں اس بات سے ملتا ہے کہ لہندا اور پنجابی کے درمیان خط فاصل قائم کرنا دشوار ہے۔ دونوں زبانیں اس

www.taemeernews.com

غیر محسوس طریقے پر گھُل مِل جاتی ہیں کہ گریرسن کو یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ دراصل کسی زمانے میں سارے پنجاب پر لہندا کی ایک نہ ایک شکل چھائی ہوئی تھی جسے اندرونی زبان نے پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا اور رچنا دوآب تک ہٹا دیا[1] اس اندرونی زبان کے نشانات لہندا میں سندھ ساگر دوآب تک پائے جاتے ہیں۔ اندرونی زبان کا رنگ جوں جوں ہم مشرق کی طرف آتے ہیں گہرا ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے پنجابی کو گجراتی اور راجستھانی کی طرح 'ملواں' زبان مانا گیا ہے۔ گریرسن نے اپنی بعد کی تحریروں میں اسے صاف طور پر زبانوں کی درمیانی صف میں جگہ دی ہے۔ اس کی تائید میں اس تاریخی حقیقت کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ فتوحات کا بہاؤ ہمیشہ شمال مغرب سے دوآبہ کی طرف رہا ہے لیکن سیاسی اقتدار کا مرکز ہر عہد میں گنگا جمنا کے میدانوں میں رہا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا رہا ہے کہ دوآبہ کی زبانیں اپنے تنگ علاقوں سے نکل کر آس پاس کی زبانوں پر چھاپہ مارتی اور جھاپ چھوڑتی رہی ہیں۔ مسلم عہد میں تو پنجاب اور گجرات کی حیثیت ہمیشہ صوبوں کی رہی ہے جو مستقل مرکز سے تمدنی اور لسانی اثرات قبول کرتے رہے ہیں۔

گریرسن کے خیال میں معیاری پنجابی باری دوآب کی بولی "ماجھی" ہے جس کا مرکز امرتسر ہے۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس زبان کے ابتدائی یورپی اسکالروں نے لدھیانہ کی زبان کو معیاری پنجابی مانا ہے۔ لدھیانہ عرصہ تک انگریز مشنریوں کا اڈا رہا ہے اس لیے انھوں نے قواعد لکھنے

---

[1] لسانیاتی جائزۂ ہند، جلد نہم = حصہ اول ص ۶۱۴

www.taemeernews.com

دقت وہیں کی زبان کو ملحوظ رکھا ہے ۔مخی آواز (لڑ) کا ذکر ان کی قواعدوں میں ملتا ہے نہ ماجھی میں اس کا نام ونشان بھی نہیں ملتا ۔ مخی/لڑ/برج بھاشا میں بھی نہیں ملتا ۔ البتہ کھڑی بولی، مشرقی پنجاب اور بانگڑو (ہریانوی) کے علاقوں میں یہ سننے میں آتا ہے ۔ بانگڑو سے منتقل ہو کر یہ راجستھانی میں بھی آ گیا ہے ۔ ادبی اردو اور ہندی میں تو اس کا استعمال گنوارو سمجھا جاتا ہے ۔اس اعتبار سے اردو برج بھاشا کی پیرو ہے ۔

مغربی ہندی اور اس کی بولیاں

مغربی ہندی کے حدود تقریباً وہی ہیں جو مدھیہ دیش کے ہیں ۔ یہ مغرب میں سرہند سے لے کر مشرق میں الٰہ آباد تک ،شمال میں ہمالیہ کے دامن سے لے کر جنوب میں وندھیاچل اور بندیلکھنڈ تک بولی جاتی ہے ۔ اس کے شمال مغرب میں پنجابی زبان ہے اور جنوب ، جنوب مشرق میں مراٹھی اور مشرقی ہندی ۔شمال میں یہ پہاڑی بولیوں (جونسری ، گڑھوالی اور کمایونی) سے گھری ہوئی ہے اندرونی زبان کی شاخ میں صرف مغربی ہندی ایک ایسی زبان ہے جسے ہم خالص اندرونی زبان کہہ سکتے ہیں بلکہ اگر پنجابی ،راجستھانی اور گجراتی کی ملواں حیثیت پر نظر رکھیں تو اندرونی گروہ کی نمائندہ زبان محض مغربی ہندی ہے ۔مغربی ہندی کا یہ نام مدھیہ دیش کی زبان کو گریرسن نے دیا ہے جس نے سب سے پہلے مشرقی اور مغربی ہندی میں فرق کیا ہے ۔مغربی ہندی مدھیہ دیش کی زبان ہونے کی وجہ سے ہند آریائی زبان کی بہترین نمائندہ ہے ،کیونکہ اسی علاقہ میں سنسکرت شورسینی پراکرت اور

www.taemeernews.com

شورسینی اَپ بھرنش پروان چڑھتی ہیں جن کی سچی جانشین اس علاقے کی جدید بولیاں کھڑی بولی (ہندوستانی) برج بھاشا، ہریانی، بندیلی اور قنوجی ہیں جن کے مجموعے کو گریرسن مغربی ہندی کا جدید نام دیتا ہے۔

لسانیاتی اعتبار سے مغربی ہندی کا تعلق براہِ راست شورسینی اَپ بھرنش سے ہے جو اس عہد کی بولیوں میں واحد اور ممتاز ادبی حیثیت کی مالک تھی، جس نے سب سے زیادہ سنسکرت کے اثر کو قبول کیا تھا۔ ہر عہد میں اس علاقہ کی زبان کا مرکز متھرا رہا ہے جو قدیم ہندی تمدن کا اہم مرکز تھا۔ اس سے قبل اَپ بھرنش کے باب میں یہ لکھا جا چکا ہے کہ یہ اَپ بھرنش راجپوتی عہد میں مسلّمہ طور سے لاہور سے لے کر بنگال تک ادبی حیثیت سے رائج تھی۔ قدیم بنگالی شاعری کے نمونے اِس بات کے شاہد ہیں۔ مغرب میں اس کی شمال مغربی بولیاں (کھڑی بولی اور ہریانوی) اپنے اپنے علاقوں سے نکل کر لاہور تک دھاوے مارتی تھیں جس کا نتیجہ آج ہم مشرقی پنجابی کی شکل میں پاتے ہیں۔ جنوب مغرب میں گجراتی اور راجستھانی زبانوں کی نوعیت بھی کچھ اسی قسم کی ہے جو کسی زمانہ میں بیرونی زبانوں سے تعلق رکھتی تھیں لیکن جن پر شورسینی اَپ بھرنش کا اتنا گہرا اثر پڑا ہے کہ ان کا شمار اندرونی زبانوں میں کیا جا سکتا ہے۔

مغربی ہندی اور اس کی بولیوں کی اپنی صوتی، صرفی اور نحوی خصوصیات ہیں جن کی بنا پر اس زبان کو ایک علیحدہ اور ممتاز حیثیت دی گئی اور جن کا تفصیلی مطالعہ کسی بعد کے باب میں کیا جائے گا۔ لیکن مغربی ہندی کی سب سے بڑی خصوصیت کا ذکر (جو کہ اس کی تمام بولیوں کی مشترک خصوصیت بھی ہے) کر دینا ضروری ہے

www.taemeernews.com

اندرونی زبانوں میں مغربی ہندی کی یہ ممتاز حیثیت ہے کہ اس کی قواعد کا عام رجحان تفصیلی ہے جو بعض بولیوں (مثلاً کھڑی) میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا ہے اس میں صحیح معنوں میں صرف ایک زمانہ فعل کے لئے اور صرف ایک حالت اسماء کے لئے پائی جاتی ہے۔ اسماء اور افعال کی دیگر تمام حالتیں حروف فعلِ امدادی اور سابقوں لاحقوں کی مدد سے بنائی جاتی ہے۔

گریرسن نے مغربی ہندی کی پانچ بولیاں گنائی ہیں جن کے نام حسب ذیل ہیں:
(۱) کھڑی بولی یا ہندوستانی (۲) ہریانوی، جاٹو یا بانگڑو (۳) برج بھاشا
(۴) قنوجی (۵) بُندیلی۔

شورسینی اَپ بھرنش اپنے آخری دَور میں دو نمایاں شکلیں اختیار کر لیتی ہے۔ پہلی شکل میں افعال و اسماء کا اختتام عام طور سے [اَ] پر ہوتا ہے اور دوسری شکل میں [اُو] پر۔ کھڑی بولی اور ہریانوی میں عام طور سے یہی شکل ملتی ہے، جو گریرسن اور شیرانی کے خیال میں پنجابی سے لی گئی ہے۔ [اُو] والی شکل برج بھاشا، قنوجی اور بُندیلی میں پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے پنڈت چندر دھر شرما گلیری انھیں کھڑی بولی کے مقابلے میں "پڑی بولی" کا نام دیتے ہیں۔ اُردو نے اپنے دورانِ ارتقا میں [اُو] کی شکل کو کبھی بھی اختیار نہیں کیا۔

مغربی ہندی کی پانچ بولیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

(الف) [اُو] کو ترجیح دینے والی بولیاں:- (۱) برج بھاشا (۲) بُندیلی (۳) قنوجی۔

(ب) [اَ] کی شکل رکھنے والی بولیاں:- (۱) ہریانی (۲) کھڑی بولی۔

www.taemeernews.com

برج بھاشا

مغربی ہندی کی سب سے نمائندہ بولی یا استعارہ میں اس کی سب سے عزیز بیٹی برج بھاشا ہے۔ یہ کھڑی بولی کے مقابلہ میں شورسینی اَپ بھرنش اور پراکرت کی سچی جانشین ہے۔ اس کا مرکز برج (متھرا) کا علاقہ ہے۔ لیکن یہ جنوب میں آگرہ، بھرت پور، دھول پور، کرولی، ریاست گوالیار اور جے پور کے مشرقی اضلاع تک پھیلی ہوئی ہے۔ شمال میں یہ گوڑگاؤں ضلع کے مشرقی حصص تک رائج ہے۔ اس لیے اس کا شمار بھی نواح دہلی کی بولیوں میں ہوسکتا ہے۔ شمال مشرق کی جانب یہ بلند شہر، علی گڑھ، ایٹہ، مین پوری، بدایوں اور بریلی کے اضلاع سے ہوتی ہوئی نینی تال کے ترائی پرگنوں تک رائج ہے۔ متھرا کی برج معیاری مانی جاتی ہے۔ دوسرے اضلاع کی برج بھاشا میں مقامی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ بلند شہر کے ضلع میں یہ کھڑی بولی سے گھُل مِل جاتی ہے۔ جے پور میں یہ راجستھانی کے اثرات قبول کرلیتی ہے۔ شمال میں گوڑگاؤں کے ضلع میں اس پر میواتی کا اثر دکھائی دیتا ہے۔ برج بھاشا کے مشرقی اضلاع کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ بعض حروف صحیح ایک دوسرے میں ضم ہوجاتے ہیں۔ مثلاً خرچ کا کھچو۔ مرتا کا مت اے، ٹھاکر صاحب کا ٹھکتا، نوکرانی کا نوکنی [1]

برج بھاشا کا مرکز جیسا کہ اُوپر لکھا جاچکا ہے متھرا ہے۔ متھرا ہندو تہذیب و تمدن کا مرکز ہونے کے علاوہ سنسکرت زبان کا گہوارہ رہا ہے۔ اِس لیے برج بھاشا بھی سنسکرت کی طرح کھنگی لیئے ہوئے ہے۔ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ اِس

---

[1] گریرسن: لسانیاتی جائزہ ہند، حصہ اول، جلد نہم ص ۱۷

www.taemeernews.com

میں اسمائے غیر جنس کو برقرار رکھا گیا ہے۔ شمالی ہند کی دیگر بولیوں میں یہ اب متروک ہیں۔ اس کے تاریخی اور لسانی ارتقا پر روشنی اگلے باب میں ڈالی گئی ہے۔

بُندیلی یا بُندیل کھنڈی

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بندیلی' بندیل کھنڈ میں بولی جاتی ہے اور اس کے بولنے والے بُندیلے کہلاتے ہیں۔ جغرافیائی تقسیم کے اعتبار سے بندیل کھنڈ میں باندا' ہمیر پور جالون اور جھانسی کے اضلاع اور سنٹرل انڈیا کی اکثر سابق ریاستیں شامل ہیں لیکن بندیلی زبان کا علاقہ اس سے زیادہ وسیع ہے اور شمال میں یہ آگرہ مین پوری اور ایٹہ تک بولی جاتی ہے۔ اس کے مشرق میں پوربی ہندی کی بگھیلی بولی ہے۔ شمال اور شمال مغرب میں یہ قنوجی اور برج بھاشا سے گھری ہوئی ہے۔ اس کے جنوب مغرب میں راجستھانی کی بولیاں رائج ہیں جنوب میں اس کے حدود مراٹھی سے ملتے ہیں۔ بجز جنوب کے یہ ہر سمت میں ہم سایہ بولیوں سے گھل مل کر درمیانی بولیاں بنا دیتی ہے۔ بندیلی بولی میں غیر معمولی یکسانیت ملتی ہے۔ اس میں ادب کا بھی وقیع سرمایہ ملتا ہے۔ آلہا اُودل کے قصوں سے متعلق جو گیت آج دیہاتی ہندوستان کی رگوں میں خون کی رفتار تیز کر دیتے ہیں اسی بولی میں پہلے پہل لکھے گئے تھے۔ ان کے علاوہ ہندی ادب کے نورتن شاعر اور تنقید نگار کیشو داس اور پدماکر کا بھی تعلق اسی بولی سے ہے۔

بندیلی میں تلفظ کی بعض اپنی خصوصیات ہیں۔ اس میں حروف (اِے) اور (اُو) چھوٹے ہو کر (اِ) اور (اُو) بن جاتے ہیں۔ مثلاً بیٹی سے بیٹا دیتا نہیں'

www.taemeernews.com

اور گھوڑے سے گھروا (گھوروا نہیں) جو کہ مشرقی زبانوں کی نمایاں خصوصیت ہے دوسرے حروفِ علّت (آئی) عموماً (اے) میں اور (اُم) عموماً (اُو) میں تبدیل ہوجاتا ہے اور یہی تلفظ عام ہیں۔ مثلاً (گیہوں) (گے ہوں) (اَور) کی بجائے (اُور)۔ بھوپالی اُردو میں یہ تلفظ عام طور سے ملتا ہے۔ بیٹھنا۔ کہنا (کہنا)۔ تیرنا۔ رہے۔ پیسہ۔ کیسا۔ ہیں۔ روزمرہ کے استعمال میں آتے ہیں۔

حروفِ صحیح میں برج کی طرح (ڑ) عموماً (ر) میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ "پرو" "دَور کے" "گھروا"۔ لیکن تلفظ کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ (ہ) ہمیشہ گرادی جاتی ہے۔ مثلاً کئی بجائے کہی کے، او بجائے آہو ـــ بھوپالی اُردو میں، تلفظ کی یہ جھلک برابر ملتی ہے۔ ایک لفظ جو اس علاقہ میں ہر جگہ مستعمل ہے۔ بہت کی بجائے بھوت ہے۔ قدیم دکنی میں یہ "بھوت" ہمیشہ اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ بندیلی میں بٹیا، گھروا، بلی وا اور چڑی وا قسم کے الفاظ کثرت سے ملتے ہیں۔

قنوّجی

مغربی ہندی کی اس بولی کا نام شہر قنوّج کے نام پر ہے، جو ضلع فرخ آباد میں ہے۔ قنوّج کا شمار ہندوستان کے قدیم ترین شہروں میں ہوتا ہے۔ سنسکرت کے پرانے ادب حتّٰی کہ رامائن تک میں اس کا ذکر ملتا ہے۔ ۸۰۰ء کے وسط میں یہ راٹھور راجپوتوں کے قبضہ میں آگیا۔ ۱۱۹۳ء میں اس خاندان کے آخری راجہ جے چند کی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ ہوتی ہے۔ اِس عہد کے ادب کے نمونے ابھی تک نہیں ملے ہیں۔ اِس لیے قدیم قنوّجی کی اہمیت کا پورا اندازہ

www.taemeernews.com

نہیں لگایا جا سکتا۔

آج کل قنوجی اپنی خالص شکل میں ایٹہ، فرخ آباد، شاہجہانپور کے اضلاع میں بولی جاتی ہے۔ یہ کان پور اور ہردوئی تک پھیلی ہوئی ہے۔ لیکن کان پور میں یہ بندیلی بولی سے اور ہردوئی میں اودھی سے متاثر نظر آتی ہے۔ شاہجہاں پور کے شمال میں یہ پیلی بھیت تک بولی جاتی ہے جہاں یہ برج بھاشا سے گھل مل جاتی ہے۔ اس کے مغرب اور شمال مغرب میں برج بھاشا اور جنوب میں بندیلی ہے۔ مشرق اور شمال مشرق میں یہ پوربی ہندی کی اودھی بولی سے گھری ہوئی ہے۔ اس کا رقبہ چونکہ محدود ہے اس لیے اس کی قسمیں نہیں ملتیں۔ البتہ کان پور اور ہردوئی کے اضلاع میں یہ ملواں شکل میں بولی جاتی ہے۔ کانپور میں جو لفظ حرف صحیح پر ختم ہوتا ہے اس کے آخر میں عموماً (ی) لگا دیتے ہیں۔ فارسی عربی کے الفاظ تک اس قسم کی تبدیلیوں سے نہیں بچتے۔ مثلاً بعدی (بعد) دوری (دور)

ادبی حیثیت سے یہ برج کی وجہ سے پیچھے رہ گئی ہے۔ اس کی اور برج بھاشا کی قواعد میں فرق بھی اتنا کم ہے کہ گریرسن کو اسے علیحدہ بولی کی حیثیت دینے میں پس و پیش ہے۔ اس نے اسے علیحدہ حیثیت شہر قنوج کی تاریخی قدامت کی وجہ سے دی ہے۔ ورنہ لسانی اعتبار سے اسے برج بھاشا کی ذیلی بولی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی قواعد کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں کہ اس میں برج بھاشا کے برخلاف (اَو) کی بجائے (اُو) پر ختم ہوتا ہے۔ لیکن یہ (اَو) برج بھاشا کی بعض بولیوں میں بھی ملتا ہے۔ برج اور قنوجی دونوں میں حروف صحیح پر ختم ہونے والے الفاظ کے آخر میں (وا) بڑھا دیا جاتا ہے۔ جیسے ہندوستانی گھر، قنوجی گھروا۔

www.taemeernews.com

دوسری ہمسایہ بولیوں کی طرح قنوجی میں بھی حرفِ علت کے درمیان کی (ہ) گر جاتی ہے۔ جیسے کہی ہو کی بجائے "کئی او"

ہریانوی، بانگڑو یا جاٹو

دہلی کے شمال مغربی اضلاع کرنال، رہتک، حصار وغیرہ کی بولی ان تینوں ناموں سے پکاری جاتی ہے۔ لیکن اس کا ہریانوی نام زیادہ موزوں ہے۔ ہریانہ مسلمانی عہد سے بھی قبل کا نام[1] ہے۔ دہلی میں یہ زبان جاٹو کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ آس پاس کے علاقہ میں جاٹوں کی آبادی کثرت سے ہے۔ جمنا کے شمال مغربی کنارے پر اس کا اتصال مغربی ہندی کی ایک دوسری بولی (گریرسن کی ہندوستانی) سے ہو جاتا ہے۔ گریرسن موجودہ ہریانوی کو کھڑی بولی (ہندوستانی) ہی کی ایک شکل مانتا ہے جس میں راجستھانی اور پنجابی بولیوں کی آمیزش پائی جاتی ہے[2]۔ حالانکہ آگے چل کر پنجابی کے سلسلے میں لکھتا ہے کہ پنجابی ایک مخلوط زبان ہے جو پرانی لہندا اور دوآبہ کی زبان کے اختلاط سے قدیم زمانے میں بنی ہوگی۔ ان بیانات کے تضاد پر تفصیلی تنقید کسی اگلے باب میں کی جائے گی۔ دراصل گریرسن کے پیشِ نظر شمالی ہند کی اُردو کے قدیم نمونے نہ تھے۔ اس لیے وہ ہریانی کی قدامت کے متعلق صحیح نتائج اخذ نہ کر سکا۔

اس کے برعکس ڈاکٹر رام بِلاس شرما[3] کا خیال ہے کہ کھڑی بولی کے شمال مغربی

---

[1] ہریانی زبان میں تالیفات: محمود شیرانی: اورینٹل کالج میگزین۔ ۱۹۳۷ء جلد ہفتم۔

[2] لسانی جائزۂ ہند: گریرسن: حصہ اوّل جلد نہم ص ۳۵۲

[3] رام بِلاس شرما: بھارت کے پراچین بھاشا پری وار اور ہندی، حصہ اوّل، ص ۲۷ تا ۴۰ (۱۹۷۶ء)

www.taemeernews.com

علاقے کی عوامی زبان کوئی علیحدہ حیثیت نہیں رکھتی بلکہ ہریانوی ہی کا ایک رُوپ ہے یہ علاقہ میرٹھ، مظفر نگر اور سہارنپور کے اضلاع پر مشتمل ہے۔ یہاں کے عوام کی زبان ادبی ہندی اردو سے کافی مختلف ہے۔ مثلاً ٹ (ट) اس کی ہریانوی کے ساتھ مشترک خصوصیت ہے لیکن کم از کم اُردو میں اس کا استعمال کسی زمانے میں بھی نہیں ہوا ہے۔ اس قسم کے اختلافات صرف صوتیات تک محدود نہیں، صرف و نحو کی سطح پر بھی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے بار بار جو 'میرٹھ' اور 'میرٹھی' کا حوالہ دیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ دہلی اور دوآبے کے دوسرے شہروں اور قصبات میں زبان کی جو معیار بندی ہوئی ہے اس میں بعد کے بہت سے لسانی عوامل کارفرما رہے ہیں جن کا تفصیلی ذکر اردو زبان کا ارتقا بیان کرتے وقت کیا جائے گا۔

ہریانہ میں نومسلموں کی آبادی قدیم زمانے سے پائی جاتی ہے بلکہ سلطنتِ مغلیہ کے عہد تک تو یہاں ان کی کثرت تھی۔ سلاطینِ دہلی کے لشکروں میں بھرتی عام طور سے اسی علاقہ کے جنگجو قبائل سے کی جاتی تھی۔ اِس علاقہ کے کئی قصبات ہانسی، نارنول، جھجر وغیرہ کو سیاسی اعتبار سے مختلف زمانوں میں اہمیت حاصل رہی ہے[۱] دہلی کے سیاسی انقلابات کا سب سے گہرا اثر بھی اسی علاقہ پر پڑتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس علاقہ کی زبان میں کافی اُکھاڑ پچھاڑ ہوتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر بعض اوقات کھڑی بولی کے افعال استعمال کیے جاتے ہیں تو کبھی کبھی پنجابی کے بھی۔ کرتا اور کہتا کے ساتھ ساتھ کردا اور کہندا بھی مستعمل

---

[۱] لسانی جائزۂ ہند: گریرسن: حصہ اوّل جلد نہم ص ۱۱۴

www.taemeernews.com

ہیں۔ کھڑی کا "وہ جاوے ہے" بھی سُنائی دیتا ہے۔ اور "وہ جاسے" بھی جنوب سے ہریانی پر برج بھاشا اور راجستھانی کی بولی میواتی بھی اثرانداز ہوتی رہی ہیں۔ شہر دہلی اتفاق سے ان تمام بولیوں کے سنگم پر واقع ہے اس لیے زبان کا معیار عرصہ تک متعین نہیں ہوسکا۔ البتہ میر عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات[1] ہندی کی تصنیف کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہانسی کے نواح کی ہریانی بولی معیاری مانی جانے لگی تھی، جو جمنا پار کی میرٹھ ضلع کی کھڑی بولی (ہندوستانی) سے بہت زیادہ مماثلت رکھتی تھی لیکن خان آرزو تصحیح غرائب اللغاتِ ہندی میں میر عبدالواسع سے اختلاف کرتے ہوئے ہریانوی کے بجائے سند ہمیشہ برج بھاشا سے (گوالیری "افصح السنۂ ہند") سے لیتے ہیں۔ "زبان اہلِ اردو" یا "زبان اردوئے شاہی" یا "بزبان اردو" (اقتباسات خان آرزو کے ہیں) کو بھی وہ بہت معیاری نہیں مانتے۔

کھڑی بولی یا ہندوستانی

پچھلے صفحات میں شمالی ہندوستان کی آریائی زبانوں کی سلسلہ وار تاریخ بیان کرتے ہوئے ہم بتاتے آئے ہیں کہ کس طرح سنسکرت کے لگ بھگ اَپ بھرنش ہی کے اندر جدید آریائی زبانوں کے رُوپ جھلکنے لگے تھے۔ اس عہد کے شورسین دیس (متھرا کے اردگرد کا علاقہ) کی اَپ بھرنش (شورسینی اَپ بھرنش) کو ادبی حیثیت سے بہت فروغ تھا جس کا ڈنکا بنگال سے پنجاب تک بج رہا تھا۔ چنانچہ قدیم بنگالی ادب تک میں اس کی جھلک ملتی ہے۔ اِسی شورسینی اَپ بھرنش نے

---

[1] قلمی نسخہ "تصحیح غرائب اللغات ہندی" مولانا آزاد لائبریری علیگڑھ مسلم یونیورسٹی۔

www.taemeernews.com

مغربی ہندی کو جنم دیا جو ۱۰۰۰ء کے قریب ایک مستقل زبان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے۔ جب کوئی زبان کسی وسیع علاقہ میں بولی جاتی ہے تو اس کی یکسانیت باقی نہیں رہتی اور وہ جزوی اختلافات کے ساتھ کئی بولیوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔ مغربی ہندی بھی کم سے کم چار اور زیادہ سے زیادہ پانچ ایسی ہی بولیوں میں تقسیم ہوگئی تھی۔
(۱) بندیلی (۲) ہریانوی یا بانگرو (۳) برج بھاشا (جس میں قنوجی بھی شامل ہے) اور (۴) کھڑی بولی یا جسے گریرسن 'ہندوستانی' کا جدید نام دیتا ہے۔

مغربی ہندی کی وہ بولی جو مغربی روہیلکھنڈ، دوآبہ کے شمالی حصہ اور پنجاب کے ضلع انبالہ میں بولی جاتی ہے، گریرسن اسے ہندوستانی کہہ کر پکارتا ہے۔ اس میں اور ادبی ہندوستانی (اردو) میں ماں بیٹی کا تعلق ہونے کے باوجود بیرونی اثرات کی وجہ سے بعض اختلافات پائے جاتے ہیں۔ عام طور سے بولی ہندوستانی میں ایک ہی مفہوم کے لیے کئی کئی محاورے پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک کو ادبی سند مل گئی اور دوسرا مردود متروک سمجھا جانے لگا۔ قطع نظر ادبی ہندوستانی اس بولی ہندوستانی کے اندر بھی برج بھاشا اور دیگر بولیوں کی طرح بہت سے عربی، فارسی الفاظ اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ وہ اس کا جزوِ بدن معلوم ہوتے ہیں۔ مثلاً مظفر نگر کے دیہات کا باشندہ ماں کے عام فہم لفظ کی بجائے عربی کے لفظ "والدہ" کو بگاڑ کر "الدہ" کہے گا۔ اسی طرح "محافظت" کو "مہوجت" انتقال کو محض "کال" اور مطلب کو "مطبل" وغیرہ[1]

ہندوستانی بولی کے حدود اربعہ کی تفصیل یوں ہے۔ گنگا کے پورب میں

---

[1] لسانی جائزہ ہند: جلد نہم حصہ اول: ہندوستانی۔

www.taemeernews.com

مرادآباد، بجنور، رام پور کے اضلاع یعنی مغربی روہیلکھنڈ۔ ان مقامات کی بولی ادبی ہندوستانی سے قریب ترین ہے۔ اس کی وجہ یقیناً یہ ہے کہ ان مقامات میں مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے اور ان کے تمدّن کا گہرا اثر رہا ہے۔ گنگا کے دوسری طرف یہ میرٹھ، مظفر نگر، سہارن پور کے اضلاع اور دہرہ دون کے میدانی علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ ضلع دہرہ دون کے پہاڑی علاقوں میں پہاڑی زبان رائج ہے۔ دوآبہ کے بالائی حصّہ کی بولی بھی ادبی ہندوستانی (اردو) سے بہت ملتی جلتی ہے لیکن اس قدر نہیں جتنی مغربی روہیلکھنڈ وغیرہ کے اضلاع کی۔ یہاں کی زبان میں بہت سی ایسی شکلیں رائج ہیں جو مرادآباد، بجنور اور رام پور کے اضلاع میں متروک سمجھی جاتی ہے۔ جمنا پار کر کے پنجاب میں داخل ہوں تو جنوب سے شمال کی طرف جو اضلاع ملتے ہیں حسب ذیل ہیں:۔ دہلی، کرنال، انبالہ۔ دہلی (قطع نظر شہر دہلی) اور کرنال کے اضلاع کی زبان ہندوستانی نہیں ہے۔ یہاں مغربی ہندی کی ایک دوسری بولی جس کا نام ہریانوی یا نگڑو یا جاٹو ہے بولی جاتی ہے۔ اس پر راجستھانی اور پنجابی کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ ضلع انبالہ تک پہونچتے پہونچتے راجستھانی کے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ضلع انبالہ کی مشرقی کالیا اور پٹیالہ کی بعض تحصیلوں کی زبان ہندوستانی ہے جو پنجابی سے بہت زیادہ متاثر نظر آتی ہے۔ مغربی انبالہ کی زبان تو بالکل ہی پنجابی ہے۔ اس علاقہ میں ہندوستانی اور پنجابی کے درمیان دریائے گھگھر کو خطِ فاصل قرار دیا جا سکتا ہے۔

یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ کھڑی بولی یا ہندوستانی مغربی ہندی کے شمال مغربی

www.taemeernews.com

علاقہ کی بولی ہے۔ اس کے مغرب میں پنجابی یا دلّی اور کرنال کی آدھی راجستھانی ملی ہوئی بانگڑو یا جاٹو زبان ہے۔ اِس کے شمال میں پہاڑی بولیاں ہیں جن کا راجستھانی سے گہرا رشتہ ہے۔ جنوب اور مشرق میں یہ برج بھاشا سے گھری ہوئی ہے۔ چنانچہ گریرسن نے اسے برج بھاشا کا ایسا رُوپ مانا ہے جو پنجابی میں بتدریج ضم ہوتا چلا گیا ہے[1]۔ یہاں بظاہر گریرسن کی تحقیقات میں تضاد نظر آتا ہے۔ اِس سے قبل وہ تقسیمِ زبان کے سلسلہ میں پنجابی کو بیرونی اور اندرونی زبانوں (لہندا اور مغربی ہندی) کی آمیزش کا نتیجہ بتاتا ہے۔ اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ کسی زمانے میں مغربی ہندی کی شمال مغربی شاخ (کھڑی بولی اور ہریانوی کی قدیم شکل نے) لہندا کو لاہور تک پیچھے ڈھکیل دیا تھا۔ چنانچہ اندرونی زبانوں کے اثرات جوں جوں ہم مغرب کی طرف جاتے ہیں، ہلکے ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اِس درمیانی زبان یعنی پنجابی نے مسلمانوں کی فتوحات کے وقت مدھیہ دیش کی بولیوں پر ان کی فاتح افواج کے ساتھ چڑھائی کی اور مغربی ہندی کی شمال مغربی بولیوں (ہریانوی اور کھڑی) پر اثر انداز ہوئی۔ اس طرح مغربی ہندی کی وہی پرانی خصوصیات جو کبھی لہندا کی سرزمین میں کھپ گئی تھیں مغربی ہندی کی ان بولیوں کو پھر واپس مل جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پنجابی قواعد کا وہ حصہ جسے پروفیسر شیرانی پنجابی کا اپنا بتاتے ہیں (جس کی تفصیلی بحث آگے کی گئی ہے) وہ دراصل براہِ راست مغربی ہندی کی قدیم شکل (شورسینی اَپ بھرنش) سے ماخوذ ہے۔

---

[1] لسانیاتی جائزہ ہند: جلد نہم حصہ اول: ہندوستانی۔

www.taemeernews.com

ادبی ہندوستانی (اردو) اور بولی ہندوستانی میں بعض تلفظ کے بھی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ حروف صحیح (مضمتوں) میں بولی ہندوستانی میں پنجابی، راجستھانی اور ہریانی کی طرح مخی (ن) اور (ل) کا استعمال آزادی سے پایا جاتا ہے جو اردو کی طرح مغربی ہندی کی دیگر بولیوں برج وغیرہ میں بھی نہیں ملتا۔ اِس کے علاوہ جمع میں حالتِ مفعولی کا اختتام اردو کے برخلاف اکثر (اں) پر ہوتا ہے جیسے زناں، عورتاں وغیرہ۔ یہ شکل ہریانی، راجستھانی اور پنجابی میں عام ہے، دکنی کی بھی یہ خصوصیت ہے لیکن اُردو اور برج بھاشا میں نہیں ملتی۔ افعال میں اسی طرح حال میں "مارتا ہوں" کے ساتھ میں "ماروں ہوں" بھی ملتا ہے۔ میں ماروں ہوں، وہ مارے ہے، یہ شکلیں راجستھانی اور ہریانی زبانوں میں بھی ملتی ہیں اور قدیم اردو (میر و سودا بلکہ غالب اور ذوق تک) فعل کی یہ شکلیں مِل جاتی ہیں۔ آج بھی بجنور، مراد آباد وغیرہ کے اضلاع اور دہلی میں اسی طرح بولی جاتی ہیں۔ لیکن جدید اُردو نثر میں متروک ہوگئی ہیں گو شعر میں ان کا رواج اب تک جائز مانا گیا ہے۔

ہندوستانی کے بارے میں گریرسن اور لائل دونوں کی رائے یہی ہے کہ بولی ہندوستانی کاڈول اور کینڈا دیگر بولیوں کی بہ نسبت برج سے زیادہ قریب ہے[1]۔ بولی کے اعتبار سے اس کی علیحدہ حیثیت ہے۔ بعض نجی خصوصیات کی وجہ سے ہم اسے برج میں ضم نہیں کرسکتے۔ یہ قدیم زمانے سے دلّی اور اس کے آس پاس کی زبان ہے۔ قدیم سیاسی جغرافیہ میں کرُوراج

---

[1] لسانیاتی جائزۂ ہند: جلد نہم حصہ اوّل اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔

www.taemeernews.com

کی زبان تھی[1]۔ اب چاہے اسے دہلوی، کھڑی بولی یا ہندوستانی کسی بھی نام سے یاد کیا جائے۔ اس کا علاقہ اور اس کی قدامت متعین کی جاسکتی ہے۔ اس کی شناخت اَپ بھرنش عہد کے ادب میں بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن چونکہ اردو زبان کے ارتقا کا براہِ راست اس سے تعلق نہیں اِس لیے ہم اردو کے ارتقا کی داستان دکن سے شروع کریں گے جہاں پندرھویں صدی عیسوی کے وسط سے اس کے تحریری ادب کے نمونے ملتے ہیں۔ شمال میں اکبر اور جہانگیر کے عہد سے پہلے کے نمونے زیادہ معتبر نہیں، اس لیے امیر خسرو اور صوفیائے کرام کے تبرّکات لسانی تجزیے کے لیے غیر اہم قرار پائیں گے۔

○

---

[1] سرسوتی۔ جون ۱۹۴۴ء۔ ہندی بھاشا کا پرلیشن چندر بلی پانڈے

www.taemeernews.com

تیسرا باب

اُردو زبان کا ارتقا

شمالی ہند میں اُردو (۱۲۰۰ تا ۱۷۰۰ء)

لسانی پس منظر

اردو زبان کی تاریخ وسیع تر معنوں میں ہند آریائی زبان کی تاریخ ہے جسے قدیم ہند آریائی، وسطی ہند آریائی اور جدید ہند آریائی کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا زمانہ ۱۵۰۰ ق۔م۔ سے لے کر ۱۰۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے جب ہندوستان کی جدید ہند آریائی زبانیں لسانی ارتقا کے عمل میں ظہور پذیر ہوتی ہیں جیسا کہ پچھلے باب میں مذکور ہو چکا ہے اردو کا سلسلہ کھڑی بولی کے توسط سے شورسینی اَپ بھرنش سے ملتا ہے جو ۱۰۰۰ء کے قریب مدھیہ دیش (انبالہ تا الہ آباد اور دہرہ دون تا اجین کا علاقہ) کی سب سے مستند زبان تھی۔ اس لئے ہند آریائی کے محققین نے اردو کے کھڑی بولی روپ کی نشان دہی کا سلسلہ اَپ بھرنش کی ادبیات سے کیا ہے۔ بقول چندر شرما گلیری "پرانی اَپ بھرنش سنسکرت اور پراکرت سے

www.taemeernews.com

ملتی جلتی ہے اور بعد کی قدیم ہندوستانی سے۔ جس طرح اس زمانے میں لفظ 'گا' تھا سے مراد پراکرت ہوتی تھی اُسی طرح 'دوہا' سے آپ بھرنش لی ہوئی رائج الوقت زبان کا مفہوم لیا جاتا تھا جس کی ادبیات کے نمونے ۱۰۰۰ء سے ملنا شروع ہو جاتے ہیں[1]۔ اس عہد کی زبان کا مطالعہ حسبِ ذیل تصانیف پر مبنی ہے۔

(۱) وِجے پال راسو (۲) ہمیر راسو

(۳) کیرتی لتا (۴) کیرتی پتاکا

قدیم ہندوستانی کے مطالعے کے لئے ذیل کی کتب مستند خیال کی جاتی ہیں:

(۱) کھومان راسو (۲) بیسل دیوراسو (۳) پرتھوی راج راسو (۴) جے چندر پرکاش (۵) پرمال راسو (آلھا کی اصل شکل) (۶) ودیاپتی پدا ولی[2]

مذکورہ بالا کتب کے علاوہ ادب کا بہت بڑا ذخیرہ بُدھ سِدھوں اور گورکھ پنتھی جوگیوں سے منسوب ہے جو ملک کے مشرقی اور مغربی حصّوں میں اپنے مذہبی گورکھ دھندے کا پرچار عوامی زبان میں کیا کرتے تھے۔ لسانیاتی اعتبار سے یہ زیادہ مستند نہیں تاہم ان کی "سُدھکڑی بھاشا" کا مطالعہ اس عہد کی بہت سی لسانی گتھیوں کا حل پیش کرتا ہے۔

بُدھ سِدھوں اور ناتھ پنتھیوں کے دوہوں میں قدیم اردو کے ماضی کی شکلیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً کہیا، پوچھیا، ماریا، بوجھیا۔ حروف میں جو، سو، جاب (جب تک)، تاب (تب تک) عام مستعمل تھے[3]۔

---

[1] ناگری پرچارنی پتر کا، سمبت ۱۹۷۸، ص ۱۴۴

[2] مشر بندھو دنود، حصہ اوّل ص، ۷۸-۷۲

[3] ہندی بھاشا اور اس کے ساہتیہ کا وکاس: ہری اودھ، ص ۱۹۴

www.taemeernews.com

اس عہد کی سب سے اہم تصنیف ہیم چندر (۱۰۸۸-۱۱۷۲ء) کی قواعد "ہیم چندر شبدانوشاسن" ہے جس میں ایک دوہا نقل ملتا ہے - ایک راجپوت عورت اپنے شوہر کے مارے جانے کا ذکر اس فخریہ انداز میں اپنی سہیلیوں سے کرتی ہے۔

بھلا ہوا جو ماریا بہنی مہارا کَنتُ
لجے جَم تو واسیا ہو، جَے بھگّا گھر دا نتُ

(بھلا ہوا بہن! جو میرا کنتُ (پیارا، شوہر) مارا گیا۔ جو بھاگا ہوا گھر آتا تو ہم عمر سہیلیوں میں مجھے لاج آتی)

اس دوہے کا پورا کینڈا قدیم کھڑی کا ہے، جس کی قواعد کی کئی شکلیں اس میں دیکھی جا سکتی ہیں[۱]

اسی عہد کی دوسری اہم تصنیف جینی عالم میروتنگ کی "پربند چنتامنی" ہے جس میں راجہ منج کا یہ دوہا درج ہے:

بانہہ بچھوڑ دی جاہی تو ہوں ہوؤں تے دیں کا دوس
ہیا ٹھیے جیئ نیس دہی جالوئ منج سرِ دس

برج بھاشا کا اسی مفہوم کا دوہا زبان زدِ خلائق ہے:

بانہہ چھڑائے جات ہو جان کر بَل موئے
ہردے میں سے جاؤ گے تو مرد بدھوں گی توئے[۲]

---

[۱] مہارا = ہمارا، کنتُ = پیارا شوہر (جعفر زٹلی نے کنتہ لکھا ہے) واسیا ہو = وَیَسیا ہو = ہم عمر سہیلیاں۔
[۲] ہندی ساہتیہ کا وکاس: رام چندر شکل، ص ۲۵۔

www.taemeernews.com

ہمیر راسو کا مصنف سارنگ دھر ۱۳۱۴ء کے قریب یہ رزمیہ الفاظ لکھتا ہے:

ڈھولا ماریا ڈِھلّی مَنْ مُچھِیو میچھ سریر

(دلّی میں ڈھول بجایا اور ملچھوں (مسلمانوں) کے سر یر (جسم) بے ہوش ہو گئے)

اَپ بھرنش کی سب سے بڑی خصوصیت، جو بعد کو جدید ہند آریائی زبانوں نے بھی اپنائی، یہ تھی کہ اس میں سنسکرت کے تت سَم (خالص) الفاظ بہت کم استعمال ہوتے تھے۔ مسلمانوں کی آمد نے سنسکرت کے فسوں کو اور کم کر دیا۔ اُپ بھرنش کی تصانیف کے بعد ہندی ادب کا وہ دور آتا ہے جسے "ویر گاتھا کال" (رزمیہ عہد) کہا جاتا ہے۔ اس عہد کی طویل رزمیہ نظموں کو "راسو" کہا جاتا ہے۔

ہندی ادبیات کے اس دور میں (۷۰۰ تا ۱۰۵۰ء) ہمیں اٹھارہ شاعروں کے نام ملتے ہیں جن میں اکرم، فیض، نرپتی نالا، چند بردائی مدھوکر، شری دھر اور شاعرہ نکتا بائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس عہد کی زبان کے مطالعہ کے لئے سب سے مستند مواد نرپتی نالا کا بیسل دیو راسو اور چند بردائی کا پرتھوی راج راسو ہے۔ نرپتی نالا کا ممدوح اجمیر کا چوہان راجہ وگرہ راج چہارم (۱۰۰۱ء) عرف بیسل دیو ہے۔ اس راسو کی زبان قدیم راجستھانی ہے لیکن اس میں عربی فارسی کے عام بول چال کے الفاظ جیسے محل، انعام، نیجا (نیزہ)، تاجنو (تازیانہ) وغیرہ در آئے ہیں۔ لیکن ہندی کے سب سے پہلے اور بڑے شاعر ہونے کا فخر چند بردائی (۱۱۵۹ - ۱۱۹۲ء) کو حاصل ہے جس کی مشہور و معروف تصنیف پرتھوی راج راسو ہے۔ وہ دہلی کے آخری ہندو راجہ پرتھوی راج کا دوست، وزیر اور درباری شاعر تھا۔ پرتھوی راج راسو [illegible]

www.taemeernews.com

صفحے کی ضخیم کتاب ہے جس کے اکثر حصص کے مستند ہونے کے بارے میں محققین میں اختلاف رائے ہے۔ محمود شیرانی، شیامل داس جی کی رائے کی تائید کرتے ہوئے اسے ایک جعلی اور بعد کی تصنیف قرار دیتے ہیں[۱]۔

پرتھوی راج اور اس کی بہن پرتھا بائی سے منسوب "دان پتر"[۲] کی زبان حیرت ناک طریقے پر کھڑی بولی سے قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان پر سمبت درج ہونے کے باوجود پنڈت اوجھا اور محمود شیرانی دونوں انھیں بھی جعلی قرار دیتے ہیں۔ ان میں کھڑی کے ماضی کی علامت (اَ) اور مستقبل کی (گ) ملتی ہیں: ہووے گا، دیوے گا، کرے گا، آویں گے، جیسے جدید افعال موجود ہیں۔ ہندوستان کے لفظ کا تلفظ "ہندوستھان" (ہندو + استھان) لکھا ملتا ہے۔ ضمائر میں تُم کے بجائے تَم ہے جو آج بھی کھڑی کے علاقے میں عام ہے۔ عربی فارسی کے الفاظ شامل ہیں جیسے دوا، کھجانہ (خزانہ)، پرچہ، آرام، کھرچہ (خرچہ)، ماف (معاف)، کھاتر (خاطر)، حرام کھوری (حرام خوری)، داجَ (دہیز)، مالکی، جنانہ (زنانہ)، بروبر (برابر)، جماکھاتری (جمع خاطر)، تکھت (تخت)، ہک (حق)، ثابت، اولاد، کھالس (خالص)، روکا (رقعہ)، ہاجر (حاضر)، ہجور (حضور)، کاگد (کاغذ)، حکم، تاکید، آرامن (آرام)

---

[۱] ۔ تفصیل کے لیے دیکھئے اورینٹل کالج میگزین مئی ۱۹۳۲ء، اگست ۱۹۳۵ء، نومبر ۱۹۳۵ء، اگست ۱۹۳۶ء اور مقدمہ "پرتھوی راج راسا" (انجمن ترقی اردو، دہلی)۔

[۲] ۔ دیکھئے ہندی بھاشا اور اس کے ساہتیہ کا وکاس: ہری اودھ ص ۱۹۸ اور کیفی: دتاتریہ کیفی ص ۱۹۔

www.taemeernews.com

اُردو کا آغاز :

محمد بن قاسم کی قیادت میں عرب مسلمان ۷۱۲ء میں عربی زبان بولتے ہوئے سندھ میں داخل ہوتے ہیں اور جدید سندھی کو جنم دیتے ہیں جس کا رسمِ خط ہی عربی نہیں بلکہ جس میں عربی کے ہزاروں الفاظ مدغم ہو چکے ہیں۔ تاہم سید سلیمان ندوی کا یہ خیال کہ اردو کا ہیولیٰ سندھ میں تیار ہوا تھا[1] لسانیات کی رو سے صحیح نہیں۔ ہندوستان کی زبانوں میں عربی فارسی الفاظ کا داخلہ ہی اردو کی تخلیق کی ضمانت نہیں کرتا، بلکہ جب یہ لسانی اثرات "زبانِ دہلی و پیرامنش" میں نفوذ کرتے ہیں تب اردو کا پہلا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے۔ اور یہ ہوتا ہے مسلمانوں کی فتح دہلی (۱۱۹۳ء) کے بعد۔ اس سے قبل مسلمان پنجاب اور لاہور میں حکمراں کی حیثیت سے دو سو برس تک متمکن رہ چکے تھے۔ محمود غزنوی کی ۱۰۰۰ء میں فتوحاتِ پنجاب کے بعد اس کا الحاق سلطنت غزنہ سے کر لیا جاتا ہے اور لاہور کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ لاہور کی اِسی "پنجابی۔ ترکی۔ فارسی" ادبی فضا میں مسعود سعد سلمان (م ۱۱۲۵ اور ۱۱۳۰ء کے درمیان) کا ظہور ہوتا ہے جن کے ترکی اور فارسی کے قادرالکلام شاعر ہونے کے علاوہ ہندی کے صاحبِ دیوان ہونے کی شہادت حضرت امیر خسرو نے "غرۃ الکمال" کے دیباچے میں ان الفاظ میں دی ہے :

"پیش ازیں از شاہانِ سخن کسے را سہ دیوان نہ بودہ مگر مرا

---

[1] نقوشِ سلیمانی : سید سلیمان ندوی، ص ۲۴۷

[2] " " " ص ۲۴۹

www.taemeernews.com

کہ خسروِ مالک کلامے خواجہ مسعود سعد سلمان را اگر ہست اما آں سہ دیوان در عبارت عربی و فارسی و ہندوی است۔ در پارسی مجرد کسے سخن را سہ قسم نہ کردہ جز من کہ دریں کار قسام و عادلم"[1]

اس کے بعد عوفی صاحب لب الالباب نے بھی تصدیق کی ہے:

"اورا سہ دیوان ست، یکے بہ تازی، یکے بہ پارسی و یکے بہ ہندوی"[2]

چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ مسعود سعد سلمان کسی "ہندی" زبان میں بھی شاعری کرتے تھے اور شاید ان کا دیوان امیر خسرو کے زمانے تک (م ۱۳۲۵ء) دستیاب تھا۔ لیکن نمونے کی عدم موجودگی میں یہ یقین کرنا مشکل ہے کہ یہ "ہندی" کون سی زبان تھی۔ ہمارے خیال میں یہ یقیناً امیر خسرو اور ابوالفضل کی تقسیم السنۂ ہند کے مطابق "لاہوری" (پنجابی) ہو گی جو دونوں کی فہرست کی زبانِ دہلی سے یقیناً مختلف ہو گی اس لئے کہ 'ہندی' کا اطلاق فارسی کے علی الرغم شمالی ہند کی اکثر ہندوستانی زبانوں کے لیے مسلسل استعمال ہوتا رہا ہے۔[3]

پنجاب پر غوریوں کے حملے ۱۱۶۸ء سے شروع ہو جاتے ہیں۔ ۱۱۹۳ء میں بالآخر ایک شکست کھانے کے بعد شہاب الدین غوری دہلی کے آخری

---

[1] - دیباچہ، غرۃ الکمال ص ۶۶، دہلی۔
[2] - لب الالباب، جلد دوم ص ۲۴۶، کیمبرج ۱۹۰۲۔
[3] - امیر خسرو نے نہ سپہر میں ہندوستان کی زبانیں گناتے ہوئے "لاہوری" اور "زبانِ دہلی وپیرامنش" کا ذکر کیا ہے اور ابوالفضل نے بھی اکبر نامہ میں زبانوں کی فہرست میں "لاہوری" اور "دہلوی" کا بہ یک وقت ذکر کیا ہے۔

www.taemeernews.com

ہندو سمراٹ پرتھوی راج کو شکست فاش دے کر دہلی اور اجمیر پر قابض ہو جاتا ہے، جہاں اس کا سپہ سالار قطب الدین ایبک، اس کے انتقال کے بعد ۱۲۰۶ء میں سلطنت غلاماں کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اردو کی ابتدا اور ارتقا کی اصل تاریخ اس کے بعد ہی سے شروع ہوتی ہے[۱]

"دہلی و پیرامنش" کی زبان کے پہلے شاعر امیر خسرو ہیں (۱۲۲۵ - ۱۳۵۲ء) جنھوں نے اپنی مثنوی "نہ سپہر" میں ہندوستان کی بارہ زبانوں کے نام گنائے ہیں۔ ان میں ایک لاہوری اور دوسری زبان دہلی و پیرامنش ہے[۲]

---

[۱] - اس کے برعکس محمود شیرانی رقم طراز ہیں: "اصل یہ ہے کہ اردو کی داغ بیل اسی دن سے پڑنی شروع ہو گئی ہے جس دن سے مسلمانوں نے ہندوستان میں آکر توطن اختیار کر لیا ہے" پنجاب میں اردو، ص ۵۴

[۲]

ہست دریں عرصہ بہر ناحیتے | مستطلے خاصہ، نہ از عاریتے
سندھی و لاہوری و کشمیری و کبر | دھور سمندری، تلنگی و گجر
معبری و گوری و بنگال و اود | دہلی و پیرامنش، اندر ہمہ حد
ایں ہمہ ہندویست کز ایام کہن | عامہ بکار است بہر گونہ سخن

اس میں خسرو نے سنسکرت کو شامل نہیں کیا ہے جس کے بارے میں علاحدہ سے یہ دو شعر لکھے ہیں اور اسے ایک ایسی زبان کہا جس کا تعلق "عہد کہن" سے ہے اور جس سے "عامہ ندارد خبر" کہا گیا ہے:

یک زبانیست دگر کز سخناں | آنست گزیں نزد ہمہ برہمناں
سینسکرت نام ز عہد کہن | عامہ ندارد خبر از کن مکنش

خسرو کی گنائی ہوئی بارہ زبانوں میں صرف 'کبر' یا اگر دار عطف کو "د" پڑھا جائے تو 'دکبر' کے بارے میں اتفاق رائے نہیں ہو سکا ہے۔ اس کا مفہوم (نقطے سے قطع نظر) دگر، ذگر، ڈوگری بھی لیا جا سکتا ہے۔ ممتاز حسین نے "امیر خسرو دہلوی" میں اسے دگیر، دیوگیر پڑھنے کی کوشش کی ہے اور اس سے مراد مراٹھی زبان لی ہے جو خسرو کی فہرست سے غائب بھی ہے۔ چنانچہ ان بارہ زبانوں کی مکمل فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) سندھی (۲) لاہوری (پنجابی) (۳) کشمیری (۴) کبر یا دگر؟ (۵) دھور سمندری (دکنی۔ دور سمندر کرناٹک کا ایک مشہور قدیم شہر تھا۔ موجودہ ہلے بید) (۶) تلنگی (۷) گجر (گجراتی) (۸) معبری (تمل معبر، موجودہ اضلاع مدورا، رام ناڈ اور ہستہ بیل) (۹) گوری (مغربی بنگال کے گوڑ یا لکھنوتی کی زبان) (۱۰) بنگال (اس سے مراد مشرقی بنگال کی زبان ہے) (۱۱) اود (اودھی) (۱۲) "دہلی و پیرامنش" کی زبان یعنی زبان دہلوی اور اس کے نواح کی کھڑی بولی اور ہریانوی۔

www.taemeernews.com

امیر خسرو کا "ہندی" کا شاعر ہونا مسلّم ہے، اس لیے کہ انھوں نے خود اعتراف کیا ہے:

"جزوے چند نظم ہندوی نیز نذر دوستاں کردہ شدہ است۔
اینجا ہم بذکرے بس کردم و نظر برآں داشتم کہ لفظِ ہندوی در پارسی
لطیف آوردن چنداں لطفے ندارد مگر بضرورت۔ آنجا کہ ضرورت
بودہ است آوردہ شدہ"

لیکن وہ اپنے ہندی کلام کو خود بہت زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے، صرف تفننِ طبع کے لئے اس میں کہتے تھے اور دوستوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن سے منسوب ریختوں، پہیلیوں اور کہہ مکرنیوں کی کوئی "مخطوطاتی" بنیاد نہیں ہے۔ ان کی زبان بھی چودھویں صدی کی اردو کے مقابلے میں (جن کی جھلکیاں بعض اوقات فقروں اور الفاظ کی شکل میں صوفیاء کے ملفوظات میں مل جاتی ہیں) خاصی جدید ہے۔ ان میں سے کچھ ٹھیٹھ کھڑی بولی میں ہیں، کچھ خالص برج بھاشا میں اور کچھ دونوں بولیوں کی آمیزش لیے ہوئے زبان میں۔ ان میں سے بعض پہیلیاں نہ صرف لسانی —— بلکہ تاریخی نقطۂ نظر سے بھی غلط ثابت کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً حقّے والی پہیلی ہی کو لے لیجئے۔

گاگر تیری جل بھری، سر پر لاگی آگ
باجن لاگی بانسری، نکسن لاگی آگ

شمالی ہند میں تمباکو کا رواج عہد اکبری میں ہوا۔ ہندوستان میں اس کا سب سے پہلے رواج دکن کے عادل شاہی دربار میں ہوا۔ وہاں سے مغل سفیر

www.taemeernews.com

حقہ اور تمباکو کا تحفہ لے کر آگرہ آیا تھا جہاں اس کا شوق شاہی دربار اور امراء کے طبقے میں آناً فاناً پھیل گیا۔ خانِ آرزو نے نوادرالالفاظ (۱۷۵۱ء) میں لکھا ہے:

"تنباکو بقول صاحب مآثر رحیمی در ہندوستان از عہد اکبر شاہ رواج یافتہ۔ اوّل از فرنگ بہ دکن آمدہ بود و بعد ازاں بہ ہندوستان رواج گرفت"

یہی صورت ان سے منسوب "خالق باری" کی ہے جسے مدلّل طریقے پر لسانی اور تاریخی اعتبار سے محمود شیرانی نے رد کر کے اس کا انتساب عہد جہاں گیری کے ایک مصنف ضیاء الدین خسرو سے کیا ہے، حالاں کہ خان آرزو کی نوادرالالفاظ میں (۱۷۵۱ء) اس کا حوالہ ایک سے زائد بار "رسالہ منظومۂ امیر خسرو" کے نام سے ملتا ہے۔

خسرو کی ہندی شاعری کی 'مخطوطاتی' بنیاد رکھنے والی پہلی سند ہمیں وجہی کی 'سب رس' (۱۶۳۵ء) میں ملتی ہے وجہی نے ان سے منسوب یہ 'دوہرہ' نقل کیا ہے۔

پنکھا ہو کر میں ڈلی ساتی تیرا[1] چاؤ
منجھ چلتے جنم گیا تیرے لیکھن باؤ
(اے دوست تیری محبت میں میں پنکھا بن کر ڈولتی رہی ہوں۔

---

[1] ساتی: ہاشمی نے بھی یہ لفظ اسی تلفظ اور معنوں میں استعمال کیا ہے: ساتی گئے ہیں [illegible] ۔۔۔ ہر گز دیکھو [illegible] (دیوان ص ۱۸)

www.taemeernews.com

مجھے اس طرح چلتے (اور) تیرے لیے (لیکھن) ہوا کرتے ایک
جنم ہو گیا ہے)

اس کے بعد میر تقی میر کے تذکرہ نکات الشعرا (۱۷۵۲ء) میں امیر خسرو سے منسوب یہ ریختہ ملتا ہے :

زرگرے پسرے چو ماہ پارا
کچھ گھڑیئے ، سنوارئے پکارا
نقدِ دلِ من گرفت و بشکست
پھر کچھ نہ گھڑا نہ کچھ سنوارا

امیر خسرو ہی سے متعلق زمانے میں ہمیں بعض صوفیاء کے فارسی ملفوظات میں ان کی زبان سے نکلے ہوئے ہندی کے ـــــ الفاظ اور فقرے مل جاتے ہیں۔ اس لسانی مواد پر کلیے قائم کرنے سے قبل اس بات کی وضاحت کر دینا ضروری ہے ، جیسا کہ عبدالحق نے بھی اشارہ کیا ہے، کہ ہمارے صوفیوں کا تعلق ملک کے مختلف علاقوں سے رہا ہے اور وہ بھانت بھانت کی بولیاں بولتے تھے۔ اس لیے ہر صوفی کا قول اردو زبان کے تجزیے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ مثلاً بابا فرید شکر گنج (۱۱۷۳ء - ۱۲۶۷) کا تعلق پنجابی کے علاقے سے تھا لیکن ان کے بعض فقروں میں پنجابی کے 'دا' کے بجائے اردو 'کا' ملتا ہے۔ یہی صورت شیخ حمیدالدین ناگوری (۱۱۹۳ء - ۱۲۴۷) کے ملفوظات کی ہے۔

"فرمودہ است کہ 'عزیز بھلو ہوئیں برومت ہوئیں، سب کو پیارو ہوئیں'"

www.taemeernews.com

یہ جملہ (اد) بنیاد کی راجستھانی کی چھاپ لیے ہوئے ہے اس لیے کہ ناگور کا تعلق اجمیر کے علاقے سے ہے۔ اردو نے اپنے ارتقا میں (اد) بنیاد کے اسمار، صفات یا افعال کو کبھی نہیں اپنایا اس لیے اسے ہم اردو کا فقرہ نہیں کہہ سکتے۔ خیر المجالس میں شامل اردو نما فقروں کے بولنے والے صوفیہ کی جائے پیدائش اور رہائش کا تعین کیے بغیر ان سے بھی لسانی استخراج غیر علمی ہوگا۔ مثلاً ص ۲۱۶ پر علی مولا بدایونی حضرت نظام الدین اولیار کے بارے میں، جو سنِ بلوغ میں قدم رکھ چکے ہیں، یہ پیشن گوئی فرماتے ہیں:

"علی مولانا چوں دید آغاز کرد بہ زبانِ ہندوی' ارے مولانا یہ "بڈا ہوسی" یعنی مردِ بزرگ خواہد شد۔ مولانا علار الدین گفت' علی از کجا می گوئی۔ گفت درد دو چیزے می بینم' یک آنست کہ بزبانِ ہندوی گفتند" جو منڈا سا بندی سو پایئں پیری" یعنی آنکہ دستار بر سر بندد او در پائے کسے اُفتد۔"

پہلے فقرے میں "بڈا" کھڑی بولی کے تلفظ کے مطابق ہے لیکن "سی" کا صیغۂ مستقبل ہر چند دکنی اردو میں مسلسل پایا جاتا ہے، اور گجراتی، مارواڑی بے پوری اور میواتی تک میں رائج ہے مگر دہلی کی بولیوں سے غائب ہے۔

خیر المجالس کے ایک اور اردو فقرے

"تو میرا گسائیں، تو میرا کرتار، مجھ اس تاپ سے چھڈا"

کھڑی بولی کی قواعد کے مطابق ہے۔ 'چھڈا' بجائے 'چھڑا' اور 'مجھ' بجائے 'مجھے' قدیم اردو کے عین مطابق ہے۔

www.taemeernews.com

"زبانِ دہلی" کھڑی کی شکل میں نہ صرف مسلمان لشکریوں اور صوفیوں کے ذریعے چار کھونٹ ہندوستان میں پھیل رہی تھی بلکہ چودھویں صدی عیسوی تک نرگن بھکتوں کے ذریعے رابطے کی زبان کی حیثیت سے دکن تا پورب اس کی تگ وتاز میں آچکے تھے۔ مہاراشٹر کے دور دراز گوشے میں بیٹھ کر مراٹھی کے بھکت شاعر نامدیو نے (۱۴۰۸ - ۱۳۱۸ء) اس سے کام لیا ہے۔ وہ اپنے پیغام کو عمومیت دینے کے لئے مراٹھی کو ترک کر کے کبھی کبھی اسے بھی اپنے لئے ذریعہ ابلاغ بناتے ہیں:

مائی نہ ہوتی، باپ نہ ہوتے، کرم نہ ہوتا کایا
ہم نہیں ہوتے، تم نہیں ہوتے، کون کہاں تے آیا
چندر نہ ہوتا، سُور نہ ہوتا، پانی پون ملایا
شاستر نہ ہوتا، وید نہ ہوتا، کرم کہاں تے آیا[1]

کس قدر صاف کھڑی بولی ہے۔

پورب میں یہی زمانہ کبیر داس کا (۱۵۱۵ - ۱۴۴۰ء) ہے۔ ہر چند کبیر نے کہا ہے ؎ میری بولی پوربی تا ہے نہ چینے کوے
میری بولی سو لکھے جو پورب کا ہوئے

لیکن کبیر کے کلام، بالخصوص ساکھی کے دوہوں میں ایک ملی جلی زبان ملتی ہے جس میں کھڑی بولی کے روپ بھی جھلکتے ہیں مثلاً افعال کی شکلیں: جانیا، مانیا، پائیا، بجھائیا، جو دکنی اردو سے بھی مخصوص ہیں اور ہریانوی

[1] - ہندی ساہتہ کا اِتی ہاس: رام چندر شکل: ص، ۶۷

www.taemeernews.com

اور کھڑی بولی کے بعض اضلاع میں آج تک رائج ہیں۔ البتہ زبان دہلی کے اٹھارویں صدی کے نمونوں میں نہیں ملتیں۔

(۱) کبیر کہتا جات ہوں، سنتا ہے سب کوئے
رام کہہ بھلا ہوئے گا، نہیں تو بھلا نہ ہوئے

(۲) آؤں گا، نہ جاؤں گا، مروں گا، نہ جیوں گا
گرد کے سبد رَم رَم رہوں گا

(۳) ع کبیر من نِرمَل بھیا جیسا گنگا نیر

(۴) کبیر لوٹنا ہے تو لوٹ لے، رام نام ہے لوٹ
پھر پاچھے پچھتا ہوگے، پران جائیں گے چھوٹ

(۵) کبیر میرا مجھ مینہ کچھ نہیں جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپتے کیا لاگے میرا[1]

(۶) ع کبیر کوری کوری جور کے جورے لاکھ کرور

(۷) ع کبیر ہر کا سمرن چھاڑ کے پالیو بہت کٹنب

ان اشعار میں کھڑی کے کئی روپ ملتے ہیں جو پندرھویں صدی عیسوی میں شمال تا دکن عام ہو چکے تھے۔ /گ/ سے مرکب صیغۂ مستقبل (مروں گا، جاہیں گے، ہوہے گا وغیرہ)۔ ہائے زائدہ کے ساتھ افعال پچھتا ہوگے جاہیں گے جو کئی اردو سے لے کر اٹھارویں صدی تک کی زبانِ دہلی میں پائے جاتے ہیں) 'ہُوا' کے لیے 'بھیا' کا ماضی (جو قدیم اردو میں

[1] گرد گرنتھ آدی (اردو ایڈیشن) نول کشور

www.taemeernews.com

جا بجا ملتا ہے) ۔ 'چھوڑ' کے بجائے چھاڑ ('ڑ' پر 'ڑ' کو ترجیح جو قدیم اردو کی عام خصوصیت ہے حالاں کہ 'پوربی بولی' سے یہ بعید ہے)

اردو زبان کی تشکیل کا دوسرا پہلو یعنی عربی فارسی الفاظ کی آمیزش، کا رجحان بھی کبیرؔ کے یہاں موجود ہے۔ محمود شیرانی کے بقول کبیر کے کلام کے دس فی صد الفاظ اس نوعیت کے ہیں :

انداجا (اندازہ)' آجائیں (عذاب)' اِکھلاس (اخلاص)' اِپھترا (اِفترا)' اِکتیار (اختیار)' اُجو (وضو)' کیتب (کتاب = قرآن)' کرم' کریم' کاجی (قاضی)' کلف (قفل)' کھلک (خلق)' کھسم (خصم)' ترکیت (طریقت)' دگائی (دغائی = داغنے سے)' دَپھتر (دفتر)' دمامہ' درگاہ' درحال' دروگ (دروغ)' جَرد رد (زرد رد)' دست گیری' دُنی (دنیا)' دوجک (دوزخ)' نوبت' نار' نی بگ (کم بخت)' نسانہ (نشان)' پروردگار' پریسانی (پریشانی)' پلیت (پلید)' پلیتا (فلیتا)' پاکم پاک' پاساری (پاسداری)' پُرجا پُرجا (پرزہ پرزہ)' بیگامبر (پیغامبر)' پھرمان (فرمان)' پھکر (فکر)' پھرمائی (فرمائی)' بندگی' بندہ' بھسی (بخشش)' برکس (برکت)' بیدار، بھتی (بہشت)' مجلس' مَرَدن (جمع مَرد)' مسکین' میت (مسجد)' میانے (میان' درمیان)' میرحمت (مرحمت)' مُلاں (مُلاّ)' رباب' رحمانا (رحمٰن)' رجم (رجعت)' روجا (روضہ)' صد' صبوری' سلار (سالار)' سہوؔ (سہو)' ثابت' ستاب (شتاب)' سہر (شہر)' سُنّت' سیکھ (شیخ)' حک (حق)' حجری (حضوری)' ملال' ہوائی' حال' گور۔

www.taemeernews.com

اسی طرح فارسی کے اکثر محاورے جو اردو کے ذریعے رائج ہو گئے تھے، ان کے کلام میں موجود ہیں، مثلاً

نوبت زدن ع کبیرؔ نوبت آپنی دس دن لیہو بجائے

تیشہ بر پا زدن ع پانّو کلہاڑی ماریا مورکھ اپنے ہاتھ

ہندی شعرا میں پندرہویں صدی کی 'ہندوستانی' کی سب سے مستند شکل ہمیں کبیرؔ ہی کے کلام میں ملتی ہے۔ اس وقت تک کھڑی بولی رابطے کی زبان کے طور پر ایک کل ہند حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کبیرؔ کے دوہے پورب سے لے کر پنجاب تک عام مقبول تھے جس کا ثبوت گرو گرنتھ صاحب، سکھوں کی مقدس کتاب ہے، جس میں کبیر کے کلام کو بڑی صحت کے ساتھ محفوظ کر دیا گیا ہے۔

"زبانِ دہلی" پورب اور دکن کے علاوہ پنجاب میں بھی اپنا گھر کر رہی تھی، اس کا بیّن ثبوت گرو گرنتھ صاحب میں شامل، گرو نانک (۱۴۶۹-۱۵۲۹ء) کا کلام ہے جو "جپ جی" کے نام سے موسوم ہے۔ لسانی نقطۂ نظر سے ان کا یہ کلام اسی سلسلے کی کڑی ہے جو نامدیو اور کبیرؔ جیسے سنتوں سے شروع ہوتا ہے، یعنی ایک طرف فارسی عربی کے عام مروجہ الفاظ کی آمیزش اور دوسری جانب ان لسانی اثرات کو قبول کرنا جو دہلی کے سرچشمے سے پھوٹ کر ہندوستان میں چاروں طرف پھیل رہے تھے۔ گرو نانک کا بیشتر کلام ان کی مادری زبان پنجابی میں ہے۔ کچھ اشعار شعر کی روایتی زبان برج میں بھی مل جاتے ہیں۔ لیکن وہ بھی کھڑی بولی کی ہمہ گیریت سے نہ بچ سکے۔ بعض لسانی خصوصیات ذیل

www.taemeernews.com

میں درج کی جاتی ہیں :

(۱) ان کے کلام میں پنجابی کے حروفِ اضافت (دا - دی - دے) کے ساتھ کھڑی کے (کا - کی - کے) استعمال کیے گئے ہیں (ص ۳۰) [1]

(۲) تطویلِ مصوتہ کی بھی مثالیں موجود ہیں: 'لک' کے ساتھ 'لاکھ' (ص ۳۹۶) 'پچھے' کے ساتھ 'پاچھے' (ص ۱۴) 'اُپر' کے ساتھ 'اُوپر' (ص ۳۶۵)

(۳) [ڈ] کے ساتھ ساتھ [ڑ] کا استعمال (ص ۳۹)

(۴) افعال میں کھڑی اور دکنی اردو کی طرح وچارنا (ص ۱۵) 'نکسنا (نکلتا ص ۲۵)' بوجھنا (ص ۲۶ - قدیم اردو میں 'سمجھنا' کے لئے 'بوجھنا' کا فعل رائج رہا ہے) 'بھاؤنا' سماؤنا (ص ۲۹)' پتیانا (ص ۳۰)

(۵) 'والا' کا لاحقہ مابعد کا ارتقا ہے' دکنی اردو کھڑی' ہریانی اور برج میں ہمیشہ "ہارا" آیا ہے جیسے' جانہارا' پانہارا (ص ۴۲)

(۶) کچھ ضمائر بھی مشترک ہیں مثلاً: وِن (= اُن ص ۲ - دہلی اور اس کے نواح میں اب تک رائج ہے) - تیرے (ص ۱۰) میرے (ص ۱۲)' تیری (ص ۱۳) ہمری (= ہماری' ص ۱۴)' تمہارے (ص ۱۴)' ہمارا (ص ۲۰)

عربی فارسی کے لفظ بھی' تلفظ کے ہیر پھیر کے ساتھ بہ کثرت ملتے ہیں - نمونہ کلام :

---

[1] - سنت کبیر (رام کمار ورما) میں کبیر کا کلام اسی ماخذ سے جمع کیا گیا ہے۔

[2] - گرو گرنتھ آد (اردو ایڈیشن : نول کشور)۔

www.taemeernews.com

آوت کو جاتا کہیں، جاتے کو آیا
پَر کی کر اپنی کہیں، اپنو نہیں بھایا
میٹھے کو کڑوا کہیں، کڑوے کو میٹھا
دانے کو نِندا کریں، ایسا کل ماہنی دیٹھا

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ بابر کی فتح دہلی (۱۵۲۶ء) سے قبل ہی شمالی ہند میں ایک رابطے کی زبان کا ہیولیٰ تیار ہو چکا تھا، یہ زبان اس علاقے کی دوسری بولیوں کو متاثر کر رہی تھی۔ تغلقوں کے عہد میں دہلی کے بازاروں میں ہریانہ کی آبادی کا جمگھٹ تھا۔ لودھی دارالسلطنت کو دہلی سے اٹھا کر برج بھاشا کے علاقے میں آگرہ لے گئے۔ بابر کا دربار لگا ہوا ہے، ایسے میں ابراہیم لودھی کا سر کاٹ کر سامنے لایا جاتا ہے۔ اس وقت کوئی ہندی شاعر کہہ اٹھتا ہے:

نوسَے اوپر تھا بتیسا　　پانی پت میں، بھارت دیسا
اٹھئیں رجَب سُکرَ بارا　　بابر جیتا، براہیم ہارا

(یعنی ۹۳۲ھ تھی، آٹھویں رجب، جمعہ کا دن تھا جب پانی پت، بھارت دیس میں بابر جیتا اور ابراہیم ہارا)

ان اشعار کی زبان کا تجزیہ کیجئے تو اس کی قدامت پر صاد کرنا پڑتا ہے۔ بتیسا (بتیس ۳۲)، دیسا (دیس)، اٹھئیں (آٹھویں)، رجَب (رجب)، سکَر بارا (شکردار = جمعہ)، ہریانوی کی صوتیات سے مطابقت رکھتے ہیں [1]

حاشیہ اگلے صفحہ پر

www.taemeernews.com

لسانی نقطۂ نظر سے سترھویں صدی کے اواخر کی سب سے اہم تصنیف محمد افضل، افضل کی بکٹ کہانی (بارہ ماسہ) ہے [1] افضل کے سنہ پیدائش کا علم نہیں لیکن ان کے انتقال کی تاریخ علی قلی خاں والہ داغستانی کے فارسی شعرا کے تذکرے "ریاض الشعرا" (۱۷۴۷ء) میں، (جس میں افضل کا ذکر بحیثیت فارسی شاعر کے کیا گیا ہے) ۱۰۳۵ھ مطابق ۲۶/۱۶۲۵ء درج ہے۔ افضل کی بکٹ کہانی کے سلسلے میں پہلا مستند اشارہ اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی کے "تیرہ ماسہ" میں ملتا ہے جو ۱۱۴۳ھ مطابق ۳۱/۱۷۳۰ء بھی افضل کے تقریباً ۱۰۵ برس بعد لکھا گیا ہے، جس میں افضل کے "بکٹ افسانہ" اور اس کے وطن نارنول (ہریانہ) کا ذکر ہے:

پریم قصہ ہوا ہے آخر یارو　　تیرہ ماسہ بھی اس کے تاں بچارو
بارہ ماسا ہوئے تھا اور سب کے　　تیرہ ماسہ ہوا جا کر قطب کے [2]
بکٹ افسانہ کا ہے یہ تو بھیا　　دونوں کے تاں جنا ہے روئے میا
اویس افضل کہ جس کا نانو گوپال　　کیا ہے، نارنولی صاحب جمال

افضل کے وطن کے بارے میں مختلف تذکرہ نگاروں نے پانی پت

بقیہ صفحہ گزشتہ [1] قلمی نسخہ تاریخ داؤدی کی اصل عبارت یہ ہے:
"یعنے گویند کہ سلطان ابراہیم را در ویرانہ شناختہ، جمعے از نزدیکانش ہلاک شدہ یافتند۔ سرش بریدہ بیابر شاہ آوردند۔ شخصے در معرکہ حاضر بود و ایں شعر بہ زبانِ ہند کہ تمام واقع آں جنگ بودہ، شعر نمودہ است"

[1] مرتبہ: مسعود حسین ادیب و نورالحسن ہاشمی ۱۹۶۵ء حیدرآباد
[2] لونڈ کا مہینہ لگا کر بارہ ماسے کو قطب (قطبی) نے تیرہ ماسہ کر دیا ہے۔

www.taemeernews.com

(والہ داغستانی) تھا نسیر (تذکرہ آفتاب عالم تاب، قبل ۱۸۷۸ء) جھنجھانہ (قائم) اور نارنول (ہریانہ) بتایا ہے۔ اس میں سب سے قدیم شہادت کی رو سے نارنول ہی اس کا وطن قرار پاتا ہے، اس لیے ہریانوی کے علاقے کا باشندہ تسلیم کیا جانا چاہیے۔[1]

۳۲۵ اشعار پر مشتمل یہ بارہ ماسہ شمالی ہند کی اردو کا پہلا مربوط اور مسلسل کارنامہ ہے جس میں بارہ ماسے کی ہندوستانی روایت اور خسرو کی ریختہ گوئی کے تجربے دونوں کی آمیزش ملتی ہے۔ اس کی زبان ایک طرف برج بھاشا کے گیتوں کی زبان کی سرحدیں چھوتی ہے تو دوسری طرف بعض اشعار اور مصرعے خالص فارسی میں لکھے گئے ہیں۔ افضل کے سامنے شمالی ہند میں اردو شاعری کی کوئی روایت یا نمونے نہیں تھے، بجز اس کے کہ وہ ریختہ گوئی کے اسلوب سے واقفیت رکھتا تھا۔ ۱۶۰۰ء تک دکن میں اردو شاعری کا جو سرمایہ جمع ہو چکا تھا اس کا بھی اسے کوئی علم نہیں تھا اور ہوتا بھی کیوں کر اس لیے کہ اکبر اور جہاں گیر، جن کا زمانہ اس نے دیکھا، اس وقت فتوحات دکن میں مصروف تھے اس لیے لشکریوں کی آمد و رفت کے علاوہ ہر قسم کے تہذیبی لین دین کے دروازے مسدود تھے۔

بکٹ کہانی کی زبان مجموعی طور پر ایک ستیال لسانی کیفیت کی غماز ہے۔ اس کی بنیادی بولی تو کھڑی ہے لیکن برج بھاشا اور فارسی نے اسے بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ اس کا لسانی تجزیہ کئی وجوہ سے ضروری ہے۔

---

[1] بکٹ کہانی (دوسرا ایڈیشن، لکھنؤ)، ص ۱۱

www.taemeernews.com

"بکٹ کہانی" کی زبان عہد اکبری کی کھڑی بولی کا وہ روپ ہے جو دہلی اور اس کے نواح سے نکل کر برج، اودھی اور ہریانوی کے علاقوں میں پھیل چکا تھا۔ مولف 'پنجاب میں اردو' نے لکھا ہے "اس کی زبان دکنی سے مختلف اور صاف ہے" لسانی اعتبار سے افضل کی زبان کو جدید اردو سے قریب تر ہونا بھی چاہیئے۔ دکنی اردو تیرھویں اور چودھویں صدی کی "زبانِ دہلوی" ہے جس کی اساس کھڑی بولی کے مقابلے میں جمنا پار کی ہریانوی اور میواتی (راجستھانی بولی) بولیوں پر قائم ہے۔ دہلی اور اس کے نواح میں زبان کا یہ کینڈا پندرھویں صدی کے وسط تک رہا۔ سنہ ۱۵۰۴ کے قریب جب سکندر لودھی نے راج دھانی کو دہلی سے آگرہ منتقل کیا تو لسانی مرکزِ ثقل ہریانوی اور کھڑی کے علاقے سے برج بھاشا کے علاقے میں منتقل ہو جاتا ہے[۱] افضل کا تعلق اکرم رہتکی کی قدیم ترین شہادت کے مطابق قصبہ نارنول (ہریانہ) سے تھا، لیکن افضل کی زبان ہریانوی کے اس قدر بھی

---

[۱] آگرہ میں دارالسلطنت کے ڈیڑھ سو سال قیام کے لسانی اثرات پر ابھی کام بہت کم ہوا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اردو کا جدید لہجہ اور محاورہ آگرہ کے بازاروں ہی کی دین ہے جو ہر چند برج بھاشا کے علاقے میں واقع ہے لیکن وہاں کی عوامی اور دیہاتی زبان سے بہت مختلف رہا ہے۔ اسی کو خان آرزو اور اس عہد کے دیگر مصنفین نے گوالیاری "کہ افصح زبان ہائے ہنداست" (نوادرالالفاظ) کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ (او) بنیاد برج بھاشا نہیں ہے بلکہ شہر آگرہ کی وہ اردو ہے جو لودھیوں کے ساتھ یہاں دہلی سے ۱۵۰۴ء میں آئی تھی اور جس کے کھڑی بولی اور مانگڑ وپن کو برج بھاشا نے متاثر کرکے صاف کیا تھا۔ اردو نے اپنے ارتقا میں کھڑی اور ہریانی کے (ڑا) اور لے ۔ڑ) کو کبھی نہیں اپنایا۔ حال کے لیے (۔تا) کی علامت برج ہی کی (۔ت) سے لی۔ / ڈا پر / ڑا / کو ترجیح اسی علاقے میں آکر ملی۔ اسی منجی منجھائی زبان کو شاہ جہاں ۱۶۴۸ء میں شاہ جہاں آباد لے گیا اور وہ جامع مسجد کی سیڑھیوں کی زبان کہلائی۔

www.taemeernews.com

اثرات نہیں رکھتی جس قدر کہ اس عہد کے دکنی مصنفین (محمد قلی قطب شاہ وجہی، غواصی، عبدل) کی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب صاف ہے کہ کھڑی بولی عہد اکبری میں برج بھاشا کے زیر اثر ایک ایسی لسانی کروٹ لے چکی تھی جس نے اسے جدید بنا دیا تھا۔ افضل کی بکٹ کہانی اس جدید اردو کا پہلا ادبی و لسانی نقش ہے۔ مجموعی طور پر افضل کی زبان سورداس کی برج اور کبیر داس کی 'سدھکڑی' زبان کے برعکس کھڑی بولی کی وہ ترقی یافتہ شکل ہے جس کی تربیت آگرہ کے بازاروں میں ہو چکی تھی۔ بکٹ کہانی کی زبان پر فارسی کے علاوہ برج بھاشا کے بھی اثرات واضح ہیں۔ برج پندرھویں اور سولھویں صدی میں ادبی زبان کی حیثیت سے نمایاں مقام حاصل کر چکی تھی بلکہ کرشن بھکتی کی تحریک کے ذریعے شمالی ہند کے بڑے حصے میں مسلمہ ادبی زبان کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ مزید یہ کہ افضل کو اپنے قیام متھرا کے دوران کرشن بھکتی کی زبان کا بھرپور تجربہ حاصل ہو چکا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ افضل نے اپنے بارہ ماسے کے لیے ہریانوی کا انتخاب نہیں کیا۔ اس کے یہاں ہریانوی کی پٹ اس قدر بھی نہیں ملتی، جیسا کہ بعد کے ہریانوی ادیب اکرم رہتکی کے "تیرہ ماسہ" میں ملتی ہے[1] جو بکٹ کہانی کے تقریباً سو برس بعد کی تصنیف ہے۔ ہریانے کے دوسرے مصنف اور لغت نگار عبدالواسع ہانسوی کی غرائب اللغات ہندی بھی اٹھارویں صدی کے چوتھے دہے کی تصنیف ہے، اسکی زبان (جس کی تصحیح خان آرزو نے ۱۷۵۱ء میں نوادر الالفاظ

---

[1] مخطوطہ مخزونہ مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

www.taemeernews.com

میں کی ہے) اور افضل کی زبان میں خاصا فرق ہے۔ غرائب اللغات کی 'کوزیت'، 'ہائیت اور غیر ہائیت' اور 'انفیت' بکٹ کہانی میں نہیں پائی جاتیں:

(الف) صوتی خصوصیات

(۱) تطویلِ مصوتہ: ہانسی (ہنسی)، پاتی (پتر، خط)

(۲) /ل/ پر /ر/ کو برج کے زیر اثر ترجیح: گر (گل، گلا)، کاری (کالی) سانورا (سانولا)، جرنا (جلنا)، ڈارنا (ڈالنا)

(۳) عربی فارسی اصوات کا ہندی تلفظ: لرجا (لرزا)، داگ (داغ)

(ب) صرفی خصوصیات

(۱) اسمائے ضمیر: تیں (تو)، تمری (تمہاری)، تمن (تم)، ھوں (ہیں۔ محمد قلی قطب شاہ کی ریختیوں میں ملتا ہے اور خالص برج ہے)، ھمن (ہم)، کنھیں (کسی)

(۲) "اں" کی جمع کی بعض مثالیں: دھوپاں (دھوپ کی جمع)، سیراں (سیر کی جمع) بکٹ کہانی میں عام طور پر جمع "وں" سے بنائی گئی ہے۔ "ن" کی جمع، جو برج بھاشا میں رائج ہے صرف کہیں کہیں ملتی ہے مثلاً پگن (پگ (پاؤں) کی جمع)

(۳) افعال کی صرف بعض شکلوں میں برج کے اثرات نمایاں ہیں بھئی (ہوئی)، رووت، سُلگت، بھرت، مرت، دیکھن، ہنسن، کھیلن؛

(۴) کیتا (کیا)، کنا (کیا)، دینا (دیا) کی شکلیں بھی مل جاتی ہیں۔ کیتا، دکنی اردو میں عام رائج رہی ہے۔

www.taemeernews.com

(۵) افعال کے مصادر، جدید اردو کے برعکس، (و) کے اضافے سے بنائے گئے ہیں - آونا، بھاونا، شرماؤنا، یہ ان سے ماخوذ افعال کی دیگر شکلوں میں بھی ملتا ہے - ایسے افعال اٹھارویں صدی کے وسط بلکہ اس کے بعد تک رائج رہے ہیں۔

(۶) حروف کی بعض قدیم شکلیں ملتی ہیں جن میں سے بیشتر برج بھاشا کی ہیں: سُوں، ہیں، سیتی، کوں، اجھوں، کِت (کہاں)، موں (میں) کہا (کیا)، کتولو (کب تک)، کاں لگ (کہاں تک)، کہوں (کہیں)

(۷) پنجابی کا صرف ایک حرف دوبار استعمال ہوا ہے نال (= ساتھ)

ع پیا کے نال بیٹھیں ساریاں سب

ع بجادیں دِف پیا کے نال ساری

(ج) نحوی خصوصیت

(۱) ایک آدھ مثال ایسی بھی ملتی ہے کہ اگر اسم مونث جمع ہے تو صفت بھی جمع لائی گئی ہے۔

ع پیا کے نال بیٹھیں ساریاں سب

ع بہ عالم پھولیاں پھلواریاں سب

اس خصوصیت کا سلسلہ اٹھارویں صدی کے وسط تک چلتا رہا۔

اسی زمانے کی تصنیف "خالق باری" ہے جو امیر خسرو سے منسوب ہوتی آئی ہے لیکن جس کا اصل مصنف محمود شیرانی کے خیال میں ایک گمنام ملائے

www.taemeernews.com

مکتب ضیاء الدین خسرو ہے جس نے 'حفظ اللسان' کے نام سے نصاب الصبیان کے طور پر اسے عہد جہاں گیری میں ۱۰۳۱ھ مطابق ۱۶۲۱/۲۲ سنہ عیسوی میں "چند کلماتِ عربی و فارسی را بزبانِ ہندی گوالیاری کہ در باب روزمرّہ را ناگزیر است" ترتیب دیا تھا[1] خالق باری کی زبان افضل کے بارہ ماسے کی زبان سے خاصی مختلف ہے۔ ضمائر اور افعال کی بھی بعض ایسی شکلیں ملتی ہیں جو دکنی اردو میں تو ملتی ہیں لیکن شمال میں انھیں متروک ہوئے عرصہ ہوگیا تھا

صوتی خصوصیات:

(۱) تطویلِ مصوتہ کی مثالیں ملتی ہیں: پاٹی (پٹی) پاگ (پگ) چاکھنا (چکھنا) کیلی (کلّی)، بیلی (بلّی) بیچھو (بچھو) پاتھر (پتھر) موکی (مکّی)، کوتا (کتّا)، چالنی (چھلنی) ماٹی (مٹّی)، کال (کل)

(۲) مصوتوں کو انفیانے کا رجحان کثرت سے ملتا ہے
چمکناں، ہنسناں، چاندنیں، کہنیں (کہنی)، تاناں باناں (تانا بانا) توں، کوں، پائیں، رونکھ (روکھ)

(۳) ہائے مخلوط (نفسی آوازوں) کا استعمال قلت سے ہوا ہے۔
بھوک، مورک (مورکھ) پڑناں (پڑھنا)، تیڑی (ٹیڑھی) چولا (چولھا)

(۴) غیر ضروری ہکاریت (نفسیت) کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ پالکھی (پالکی)

---

[1] حفظ اللسان معروف بہ خالق باری از ضیاء الدین خسرو، مرتبہ محمود شیرانی انجمن ترقی اردو دہلی ۱۹۴۴ء
ممتاز حسین نے اپنی تصنیف "امیر خسرو دہلوی" (کراچی، ۱۹۷۶ء) میں محمود شیرانی کی تحقیق سے اختلاف کیا ہے۔ ہم نے ہر صورت میں اس کی زبان کو قدیم جانتے ہوئے اپنے تجزیے کا موضوع بنایا ہے۔

www.taemeernews.com

نحوی خصوصیات :

ضمائر کی حسبِ ذیل شکلیں قابلِ توجہ ہیں :

(۱) واحد متکلم کے لیے برج (گوالیاری) کے 'ہُوں' کا استعمال

خواہم گفت کہوں گا ہوں — خواہی گفت کہے گا توں

خواہم رفت جاؤں گا ہوں — خواہی رفت جاوے گا توں

خواہم نشست بیٹھوں گا ہُوں — خواہی نشست بیٹھے گا توں

خواہم زد، ہُوں ماروں گا — خواہی زد توں مارے گا

خواہم دوید، دوڑوں گا ہُوں[1] — خواہی دوید، دوڑے گا توں

یہ طویل اقتباس دینے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ ایک تو 'ہُوں' کے تلفظ کا بروزنِ 'توں' یقین ہو جائے، مزید یہ کہ انفی 'توں' کی ضمیر واضح ہو جائے۔ ضمناً (د) سے مرکب افعال کے شکلیں نمایاں ہو جائیں:

جاوے گا، دھوے گا، دیوے گا، وغیرہ

ضمائر کی دیگر شکلیں جو خالق باری میں ملتی ہیں یہ ہیں :

آپس (آپ ۹۱) 'توں (تو)'

(۲) افعال میں امدادی فعل کے طور پر 'آہے' (= ہے) بکثرت استعمال ہوا ہے: آہے : ع مغز آہے گود گلیم است کالی (۱۰۰)

ع ریدلید گھوڑے کی آہے (۸۶)

---

[1] 'ہوں' کے دو تلفظ ہیں: "ہُوں" اور "ہَوں"۔ خالق باری کا مصنف اسے 'توں' کے ساتھ قافیہ کر کے "ہُوں" متعین کرتا ہے۔ اس کے برعکس "کدم راؤ پدم راؤ" (نظامی) کا کاتب اعراب کے ساتھ اس لفظ کو 'ہَوں' لکھتا ہے (دیکھئے کدم راؤ پدم راؤ مرتبہ جمیل جالبی: اصل نسخے کا فوٹو عکس)

www.taemeernews.com

(۳) ماضی مطلق کی ترکیب (-ا) کے علاوہ (-یا) کے ساتھ بھی ملتی ہے

؎ ترا بگفتم، میں تجھ کہیا   کجا بماندی، توں کت رہیا

(۴) "جیونا" اور "پیونا" مصادر کے طور پر استعمال ہوئے ہیں (۸۴)

خالق باری کی زبان انفیت، تخفیف مصوتہ اور مشدد الفاظ کے نقطۂ نظر سے مائل بہ قدامت ہے۔ لیکن یہ فرق اس عہد کے ایک لغت نویس اور شاعر کی زبان کا فرق ہے۔ دراصل کسی زبان کے ارتقا کی داستان کا انحصار اس زبان کے عہد بعہد کے تحریری ادب پر ہوتا ہے جو اس عہد کی بول چال کی زبان سے بہر صورت مختلف ہوتا ہے۔ لیکن تاریخی لسانیات کے ماہر کا یہی کچھ سرمایہ ہوتا ہے جس سے وہ لسانی نتائج کا استنباط کرتا ہے۔

سترھویں صدی ختم ہوتے ہوتے ہمیں اس عہد کی عوامی زبان کی سب سے بڑی دستاویز یعنی روشن علی کے عاشور نامہ[1] سے سابقہ پڑتا ہے جسے اس نے سہارن پور[2]، یعنی ٹھیٹھ کھڑی بولی کے علاقے میں بیٹھ کر لکھا تھا۔

---

[1] عاشور نامہ: روشن علی مرتبہ مسعود حسین اور سید سفارش حسین رضوی ۱۹۷۲ء علی گڑھ۔

[2] ڈاکٹر جمیل جالبی نے "تاریخ ادب اردو" (جلد دوم، حصہ اول ص ۴۶) میں روشن علی کے سہارنگ پور کا سلسلہ مالوہ کے ایک قصبے 'سہارنگ پور' سے ملا دیا ہے جس کا ذکر آثار اکبری میں ملتا ہے۔ حالاں کہ ہم 'سہارن پور' کی وجہ تسمیہ سے تفصیلی بحث کر چکے ہیں (دیکھئے 'فٹ نوٹ' عاشور نامہ ص ۵) اگر روشن علی کا تعلق مالوہ کے قصبے 'سہارنگ پور' سے ہوتا تو وہ 'مالوی' (راجستھانی کی ایک بولی) کی پٹ اپنی زبان میں ضرور شامل کرتا۔ روشن علی کی زبان اس قدر ٹھیٹھ کھڑی ہے (جیسا کہ جمیل جالبی نے بھی تسلیم کیا ہے) کہ اگر وہ اپنی جائے قیام "سہارنگ پور" نہ بھی بتاتا تب بھی اس کا کھڑی بولی کے کسی ضلع کا باشندہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ ڈاکٹر جالبی ایک طرف اسے مالوہ کے سہارنگ پور کا باشندہ بتاتے ہیں دوسری طرف اس کی زبان کا تجزیہ عوامی کھڑی بولی کے چوکھٹے میں پیش کرتے ہیں۔

www.taemeernews.com

عاشور نامے کی زبان سترھویں صدی عیسوی کے اواخر کی وہ عوامی زبان ہے جو مغربی اتر پردیش کے بالائی دوآب میں رائج تھی۔ بالائی دوآب آج چار اضلاع پر مشتمل ہے۔ شمال سے چلئے تو سہارن پور، مظفر نگر، میرٹھ اور نوتراشیدہ ضلع غازی آباد (جو پہلے ضلع میرٹھ میں شامل تھا) ملتے ہیں۔ روشن علی ایک ملّائے مکتب اور کم سواد تک بندہے جو "فائدہ عام" اور "ذاتی ثواب" کی خاطر واقعہ کربلا کو منظوم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اپنی زبان کو کہیں بھی 'ریختہ' نہیں لکھتا بلکہ "ہندی"، "ہندی زبان" "زبانِ ہندی" اور زبان ہندوستانی (ع زباں ہندوستانی میں بولا عیاں: شعر ۲۵۱۷) کے نام سے یاد کرتا ہے۔

صوتی خصوصیات:

(۱) صوتی نقطۂ نظر سے عاشور نامے کی سب سے نمایاں خصوصیت روایتی قواعد کی اصطلاح میں حرف کو ساکن سے متحرک بنا دینا ہے جسے 'اضافۂ مصوتہ' کہا جا سکتا ہے:
شَکَل، رَحَم، نَظَم، اَصِل (قافیہ دِل) طِفَل، مِصَر، عَقَل، ذِکَر، شناخت وغیرہ۔ تخفیف مصوتہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں: تلاب (تالاب) جناور (جانور)

(۲) اس کے برعکس کبھی کبھی پنجابی لہجہ کے مطابق تخفیف مصوتہ کا رجحان بھی ملتا ہے جسے متحرک کو ساکن کر دینا کہتے ہیں:
صِفَت، طَرَف، عَرَب، قَسَم، ان تلفظات کا التزام ہر جگہ ضروری نہیں۔ دوسری جگہ صِفَت ۱۲ اور مِصَر بھی ملتے ہیں۔

(۳) ایک اور اہم صوتی خصوصیت مصوتوں کا انفی کر دیتا ہے جو قدیم اردو

www.taemeernews.com

میں عام طور پر پائی جاتی ہے اور جسے اکثر مرتب' املا کی غلطی خیال کرتے ہیں۔ (مراثی ریختہ اور متقدمین شعرائے اردو کے یہاں بھی بکثرت موجود ہے)

فاطماں (قافیہ عیاں)' سناں (قافیہ بیاں)= سنا' کہناں (قافیہ نہاں) = کہنا' کوچۂ درکوچۂ (کوچ درکوچ) ناں (= نا' نہ قافیہ عثماں)' دیاں (دیا)' ناناں (نانا)

(۴) اس کے برعکس انفی مصوتوں کو غیرانفی بتا دینے کا رجحان بھی جا بجا ملتا ہے۔ انفیانے کی مانند غیرانفی بنانے کا رجحان بھی شورسینی اپ بھرنش کی دین ہے۔

کوا (کنواں) ما (ماں) (دونوں لفظ اسی املا کے ساتھ قصۂ مہرافروز و دلبر میں بھی ملتے ہیں (۱۷۵۴ء) بلکہ "ما" تو میرامن (۱۸۰۲ء) تک کے یہاں موجود ہے)

(۵) سہارن پور' مظفر نگر اور میرٹھ مشدد الفاظ کے کثرت استعمال کی وجہ سے "اضلاعِ مشدّدہ" کہے جاتے ہیں:

کُلّ' ابنِ زیّاد' حُرّ' جگّہ (دوسرے مقام پر جاگہ بھی آیا ہے)' اِتّی (اتنی)

(۶) قدیم اردو کی ایک عام خصوصیت یہ ہے کہ اس میں درمیانی /ہ/ گرادی جاتی ہے اور نفسی آوازیں اپنی /ھ/ کھودیتی ہیں۔ عاشورنامہ میں یہ دونوں خصوصیتیں بہ کثرت ملتی ہیں:

توئی (توہی)' نیں (نہیں)' دو (دہ) (قافیہ دو) کاں (کہاں)' ——

www.taemeernews.com

ط کہاں سیتی آئے گا کاں ہویگا۔سات (ساتھ' ہات (ہاتھ' چلنی (چھلنی) اس کے برعکس ہائے زائدہ کی مثالیں بھی ملتی ہیں: تڑپھنا (تڑپنا)' دوکھا (دھوکا) مھوں (منہ' موہری (موری)

صرفی خصوصیات:

(۱) اسماء کے سلسلے میں سب سے قابل ذکر بات صیغۂ جمع سے تعلق رکھتی ہے۔ عاشورنامہ میں (اں) سے مرکب صیغے دکنی اردو کے برعکس صرف عربی فارسی الفاظ کے ملتے ہیں مثلاً

مرسلاں' شہیداں' مرداں' سواراں' دینداراں' ظالماں' کافراں' کوفیاں' مومناں' قدرتاں' موذیاں' ملکاں (ملائک)

یہ سب لفظ مفرد آئے ہیں۔صرف ایک ہندی لفظ ہے جس کی جمع (اں) سے بنائی گئی ہے: پکھالاں (شعر۳۱) ۔باقی ہر جگہ ہندی الفاظ کی جمع (۔ وں) کے اضافے سے بنائی گئی ہے۔ ان کے علاوہ فارسی الفاظ کی جمع بھی اکثر (وں) سے ملتی ہے مثلاً شہیدوں' گناہوں' کوفیوں۔ (اں) کی جمع جو دکنی اردو کی عام خصوصیت ہے' سترھویں صدی کے اختتام تک (وں) کی جمع کے لیے جگہ خالی کردیتی ہے۔

(۲) تذکیر و تانیث کے سلسلے میں عاشورنامہ کی زبان جدید اردو سے اکثر مقامات پر مختلف ہے۔ مثلاً عربی کے تائے تانیث پر ختم ہونے والے ذیل کے الفاظ روشن علی نے مذکر باندھے ہیں:

www.taemeernews.com

خلافت، مصلحت، سکونت، شہادت، زیارت، قیامت، بشارت، رفعت

ان کے علاوہ ذیل کے الفاظ بھی مذکر استعمال ہوئے ہیں:

خَلق، تصدیق، خبر، فکر، فجر، ندا، جفا، جزا،

(۳) عاشورنامے کے بیشتر اسمائے ضمیر موجودہ اردو کے مطابق ہیں۔ البتہ چند ایسے ہیں جو قدیم اردو کی باقیات کے طور پر نہ صرف اس عہد میں بلکہ اٹھارویں صدی عیسوی کے مصنفین تک کے یہاں پائے جاتے ہیں۔

ہمنا (ہمارے)، ہمن (ہم)، تمہن (تم) تمری (تمہاری)، تیں (تو)، تمن (تم)، ہم (ہمارے مثلاً ہم پاس) دو (وہ) (دو کے ساتھ قافیہ) دے (جمع وہ) انھوں کو (ان کو)، اونے (اُن نے)، اپس (اپنے)، کو (کوں)، تمَ (تمُ) (قافیہ ہَم اور ضَم۔ ہریانوی اور کھڑی کا عام تلفظ)، دِن (اُن)، یے (یہ جمع)

(۴) عاشورنامے کے افعال کی شکلیں کم وبیش وہی ہیں جو اٹھارویں صدی کے نصف اول تک رائج رہیں اور آج بھی عوامی زبان میں سنی جاسکتی ہیں۔ ہرچند فصیح تسلیم نہیں کی جاتیں:

لیوے، ہووے، سووے، دیوو، لیوو، ہیگا، کروں ہوں، رودیں، آوتا

فعل کی ایک قدیم شکل جو اٹھارویں صدی میں متروک ہوگئی تھی،

www.taemeernews.com

اتھا (تھا) اور اتھی (تھی) ہے۔ یہ عاشور نامہ میں شاذ مل جاتی ہے۔ پروفیسر مسعود حسن رضوی کے مطابق یہ اس عہد کے مراٹی ریختہ میں بالکل نہیں ملتی۔

بعض اوقات روشن علی بولیوں کے افعال کا بھی استعمال کرتا ہے مثلاً حضرت محمدؐ جبرئیل سے پوچھتے ہیں: ابابکر اور عمرؓ عثماں ہوئیں فرشتے نے بولا کوئی ناں ہوئیں

ہوئیں = برج بھاشا ہوئیں (= ہونگے)

حروف اور متعلق فعل:

(۱) ان کی خاص شکلیں حسبِ ذیل ہیں:

آگا (آگے)، بھتّر (قافیہ سخت تر)، کدہی (کبھی)، لگ (تک)، تایں اِتا (اتنا)، کیتے (کتنے)، منے (میں)، سوں (سے)، موں (میں) نے (سے)، سیتی (سے)، ستی (سے)، اِنی (اتنی)، کوں (کو) اِتے (اتنے)، بھوت (بہت)،

(ان میں سے منے، تے، بھوت مراٹی ریختہ میں نہیں ملتے)

(۲) اضافت اور واؤ عطف ہندی اور فارسی الفاظ کے درمیان لائے گئے ہیں لیکن بہت کم

فرہنگ

فرہنگ کے لحاظ سے عاشور نامے کی زبان خاصی جدید ہے۔ متروک ہندی الفاظ کی جو کثرت دکنی اردو کے ادیبوں کے یہاں ملتی ہے

www.taemeernews.com

اس کا یہاں فقدان ہے ۔ بکٹ کہانی کی طرح فارسی کے الفاظ کی آمیزش سے بھی عاری ہے ۔ یہ ایک عوامی کھڑی بولی کا روپ ہے جس کا مالوہ کی مالوی بولی سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ موجودہ اردو کے نقطۂ نظر سے حسبِ ذیل متروک الفاظ قابلِ توجہ ہیں :

گُپت ، پرگھٹ ، اَدِھک ، سرساں (پریشان) جیو ، اچرج ، نرلکار ، ٹھور ، بچن ، کھیت (میدانِ جنگ) ، بہو (عورت) ، اگن ، نار (عورت) مَنُس (منشیہ) ، مِرگ (ہرن) ، ایکلا (اکیلا) ، نیر (پانی) ، مَرَم (بھید) جناوار (جانور) ، قبیلہ (گھروالی) ، خلافات (خلافت) ، بیان دار (تفصیل وار یہ لفظ بار بار آیا ہے) ، عجوب (عجب) ، بگال (بغل) ، تگا (تاگا) ، چلاکی (چالاکی) ، رَکَت (خون) ، ردپنا (سامنے کرنا) ، زہیر (لاغر ، دکھی ۔ یہ لفظ بار بار آیا ہے) ، شورشار (ہنگامہ) ، صفا (صاف) ، غلفت (غفلت)

نحوی خصوصیات :

نحوی اعتبار سے عاشورنامہ کی زبان پر فارسی اس قدر اثر انداز نہیں جس قدر کربل کتھا یا "مراثی ریختہ" کی زبان میں ملتی ہے ۔

(۱) نے ' فاعلی کا استعمال بے ترتیب طور پر ملتا ہے ، کبھی محذوف ہے

ع یَں محنت سے پالا تھا دل خواہ کو

کبھی موجود ہے : ع بہت سے دلاسا خلیفہ نے کی

(۲) علامت مفعولی ' کو ' کو بھی حذف کر دیا جاتا ہے مثلاً مجھ = مجھ کو

www.taemeernews.com

روشن علی ہی کے معاصر اسمٰعیل امروہوی ہیں جن کا سالِ وفات ۱۲/۱۱۷۱ھ متعین کیا گیا ہے جن سے دو مثنویاں یادگار ہیں :۔" وفات نامہ بی بی فاطمہ" اور" معجزۂ انار" جن کا سنہ تصنیف علی الترتیب ۱۶۹۲ء اور ۱۷۰۸ء ہے[1] اسمٰعیل امروہہ کے رہنے والے تھے لیکن بہ سلسلہ ملازمت ان کا دکن (اورنگ آباد) میں قیام ۲۰، ۲۵ سال تک رہا تھا۔ ہرچند مثنوی کے مرتب، نائب حسین نقوی نے انھیں" دلّی کی دو قدیم ترین مثنویاں" کہا ہے (انھیں اس وقت تک روشن علی کے عاشور نامہ کا علم نہیں تھا) تاہم لسانی اعتبار سے ان کا سلسلہ اورنگ آبادی اردو سے ملتا ہے نہ کہ شمالی ہند کی ٹھیٹھ اردو سے۔ اس لیے لسانی استنباط کے لیے اس کی زبان کو مستند نہیں مانا جاسکتا۔ مثلاً اسمٰعیل امروہہ کا باشندہ ہوکر" چ"، تخصیصی کا استعمال کرتا ہے مثلاً ایسیکا چ (اس کا ہی) ۔ کہیں / چ / کے بجائے / ج / کا بھی استعمال ہے جو اسی کی گجراتی شکل برائے تاکید ہے۔ روشن علی کی طرح اس کے یہاں (۔ وں) کی جمع بھی متعین نہیں ہوئی ہے اس لیے (اں) کی جمع کا خاصا استعمال ہے۔ ماضی کی قدیم شکلیں لائیا، ڈھونڈھیا، پائیا، جائیا، آئیا، کھائیا، توڑیا[2] وغیرہ ملتی ہیں جن سے اس عہد کی" زبانِ دہلی" عاری ہوچکی تھی۔ یہی صورت اسمائے ضمائر اور اکثر حروف کی ہے۔ اسی لیے ہم نے اسمٰعیل کی زبان کا اپنے تجزیے کے لیے وسیع پیمانے پر استعمال غیر ضروری سمجھا۔ اسمٰعیل کی

---

[1] اردو کی دو قدیم مثنویاں : مرتبہ نائب حسین نقوی
[2] اردو کی دو قدیم مثنویاں، ص ۸۸

www.taemeernews.com

ان مثنویوں کی موجودگی سے بہرحال ایک امر مسلم ہو جاتا ہے کہ عہد عالمگیر کے اورنگ آباد اور شاہجہاں آباد (دہلی) کی زبان میں بہت زیادہ فرق نہیں تھا۔ اسی لیے ایک شاعر جس کی جوانی کی ساری عمر عالمگیر کے لشکری کی حیثیت سے نواح اورنگ آباد میں گذری ہو جب اپنے وطن امروہہ میں بیٹھ کر (جو خالص کھڑی اور معیاری اردو کے ضلع مرادآباد کا ایک مردم خیز قصبہ ہے) مثنویاں لکھتا ہے تو اسے یہ اعتماد ہے کہ اپنی شاعری کے لیے جو زبان وہ استعمال کر رہا ہے وہ شمالی ہند کے ادبی حلقوں میں شرفِ قبولیت پا سکے گی غیر شعوری طور پر وہ بہت سے ایسے الفاظ اور قواعد کی شکلیں لکھ جاتا ہے جنھیں وہ ولی کی روایت شعر کے مطابق سمجھتے ہوئے شمال اور دکن دونوں مقامات کے محاورے کے مطابق سمجھتا ہے - اور یہ اُسی پر کچھ نہیں موقوف، دہلی کے متقدمین شعرائے اردو آبرو، فائز، حاتم، ناجی اور یک رنگ کب ولی کے لسانی اثرات سے محفوظ رہے حالانکہ ان میں سے کسی نے اپنے زندگی کے ایام دہلی کے باہر نہیں گزارے تھے۔

سترھویں صدی کے ختم ہوتے ہوتے عہد عالمگیری کے ایک اور مصنف شاہ سید برکت اللہ پیمی مارہروی کا ذکر بھی ضروری ہے - ان کے ہندی کلام کا مجموعہ "پیم پرکاش" (سنہ تصنیف ۱۶۹۸ء) کے نام سے شائع ہو چکا ہے[1]۔ اس میں زیادہ تر دوہے، اور کبت ہیں جو روایتی 'زبانِ شعر' برج میں لکھے گئے ہیں - لیکن شاہ صاحب نے بہ مقتضائے زمانہ چند "ریختے" بھی

---

[1] مرتبہ پنڈت لچھمی دھر، دہلی

www.taemeernews.com

لکھے جو صاف اس زبان میں ہیں جو افضلؔ کی بکٹ کہانی میں استعمال کی گئی ہے۔

گھر تج کے جا جنگل میں پری تب سمجھ پری
تن من میں پیم کی آگ بری تب سمجھ پری
موجوں کے پھیر کو جو دلِ غیر بوجھتا
جب سندھ کے بھنور میں پری تب سمجھ پری
تکیہ جو مخملی و دگر سیج چھوڑ کے
جب اینٹ زیرِ سیس دھری تب سمجھ پری
جِت تِت پھرے سے من کو تسلّی نہ کچھ بھئی
جب دل کی کیل مانجھ اَری تب سمجھ پری
کنجِ خفی میں وصل ہوئی فکر و غم نہ تھا
جب ہیا میں لگائی چھُری تب سمجھ پری
بوجھا نہ عشق بازِ خرد، راہ پیم کا
جب عشق سُدّھ بُدّھ ہری، تب سمجھ پری

شاہ پیمیؔ کا مذکورہ بالا ریختہ برج کے لہجہ کے باوجود (پری (پڑی)، اری (اڑی) جِت تت، ہری کھڑی کے سانچے میں ہے۔ ان کے ریختوں کا تجزیہ کیجئے تو وہ زبان کے حسبِ ذیل مرکبات کی شکل میں ملتے ہیں :

(۱) کھڑی بولی + عربی فارسی الفاظ
(۲) برج بھاشا + فارسی کے مصرعے / نصف مصرعے
(۳) کھڑی بولی + فارسی کے مصرعے / نصف مصرعے

www.taemeernews.com

ان ریختوں کے لیے غزل کی ہیئت استعمال کی گئی ہے یعنی مطلع ہے، قافیے ردیف کا التزام ہے اور آخر میں مقطع ہے، بحر بھی اردو فارسی کی ہے - ایک ریختہ مستزاد میں بھی ہے -

۱۷۰۰ء تک ریختہ کی شکل میں کھڑی بولی اردو کا ادبی ارتقا ہو چکا تھا - شاہ جہاں کی ۱۶۴۸ء میں آگرے سے دہلی واپسی کے بعد زبانِ دہلی کو مہمیز لگتی ہے لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اورنگ زیب، فتوحات دکن کی تکمیل کے لیے دارالسلطنت کو عملی طور پر اورنگ آباد لے گیا اور زندگی کے آخری بیس پچیس سال وہاں اس طرح گزارے کہ ۱۷۰۷ء میں دکن ہی کی خاک کا پیوند ہو گیا - اس کی فتح بیجاپور (۱۶۸۶ء) اور گولکنڈہ (۱۶۸۷ء) کے بعد دکن اور شمال کے منقطع تہذیبی رشتے ایک بار پھر استوار ہو گئے - دلی اورنگ آباد سے چل کر ۱۷۰۰ء میں دہلی آئے - سراج اورنگ آبادی[1] اور اسمٰعیل امروہوی جیسے سیکڑوں خاندان اور اشخاص اورنگ آباد جا کر بس گئے یا طویل مدت وطن سے دور وہاں ملازمت میں گزاری - اس زمانے میں اورنگ آباد اور شاہ جہاں آباد (دہلی) میں ادبا اور شعرا کی اس قدر آمد و رفت تھی کہ لسانی اعتبار سے اورنگ آباد دہلی کا ایک محلہ سا معلوم ہوتا تھا - کچھ تعجب نہیں کہ دہلی کے متقدمین نے بار بار 'ریختے' اور 'معشوقِ دکن' کا ذکر کیا ہے -

---

[1] جدید تحقیق کے مطابق سراج اورنگ آبادی کے والد جانسٹھ (ضلع مظفر نگر، اتر پردیش) سے اورنگ آباد گئے تھے (بحوالہ مضمون ڈاکٹر نثار احمد فاروقی جو جشنِ سراج کے موقع پر ۱۹۸۶ء میں اورنگ آباد میں پڑھا گیا تھا)

www.taemeernews.com

؎ دکھنی پسر کے زخم حمائل کوں سر کٹا
بولا کہ میں کتا ہوں تیرا اور گلے پٹا (آبرو)

؎ خوگر نہیں ہم یوں ہی کچھ ریختہ گوئی کے
معشوق جو ہے اپنا باشندہ دکن کا تھا (میر)

آیئے اب ہم اس 'دکھنی پسر' اور 'باشندۂ دکن' کی زبان کی جانب رجوع کریں جس نے ۱۷۲۰ء میں ولی کے دیوان کی آمد کے بعد شاہجہاں آباد کے ایوانوں اور گلی کوچوں میں تہلکہ سا ڈال دیا تھا۔

دکن میں اُردو (۱۳۰۰ تا ۱۷۰۰ء)

تاریخی پس منظر

پچھلے صفحات میں، دستیاب لسانی مواد کی روشنی میں اردو زبان کے ارتقا کی تاریخ کا ایک خاکہ پیش کیا جا چکا ہے۔ قبل اس کے کہ ہم شمالی ہند میں اردو کی داستان کا سرا ۱۷۰۰ء کے بعد اٹھائیں، بہتر ہوگا اگر یہ دیکھیں کہ اس زبان پر، وطن سے دور ملک دکن میں کیا گذری۔ فتوحاتِ دکن کا سلسلہ فتحِ دہلی (۱۱۹۳ء) کے سو برس بعد علاء الدین خلجی کی فتوحات سے ۱۲۹۵ء میں شروع ہوتا ہے اور ۱۳۱۶ء یعنی اس کی وفات تک جاری رہتا ہے جب کہ اس کا سپہ سالار ملک کافور اس کا علَم مدورائی اور تنجور تک پہنچا دیتا ہے۔ اس کا داخلۂ دکن دولت آباد سے شروع ہوتا ہے جو مراٹھی کے علاقے میں واقع ہے۔ اس کے بعد ورنگل کی نوبت آتی ہے، جو تلگو کا علاقہ ہے

www.taemeernews.com

اس کے بعد کنڑ اور تمل زبانوں کے علاقے اس کی زد میں آجاتے ہیں اور خسرو کے 'دھور سمندر' اور 'معبر' تک ترک شہسواروں کی گردِ سمند پہنچ جاتی ہے' اس طرح کہ دکن میں "ترک" مسلمان کا مترادف ہوجاتا ہے اور ان کی دہلی سے لائی ہوئی زبان "ترکا ماٹا" (مسلمانوں کی بولی) بن جاتی ہے۔

شاہانِ دہلی کا دکن سے شغف اس قدر بڑھ جاتا ہے اور وہاں کا "ہُسن" اس قدر عزیز ہوجاتا ہے کہ ۱۳۲۷ء میں محمد بن تغلق نے یہ ضروری سمجھا کہ اپنا دارالسلطنت تغلق آباد (دہلی) سے منتقل کرکے دولت آباد لے جائے۔ ہرچند سیاسی سطح پر یہ تجربہ 'دیوانگی' کے مترادف رہا لیکن اس کے ادبی و لسانی نتائج بہت دوررس ثابت ہوئے اور خسرو کی 'زبانِ دہلی' دکن کے دور دراز علاقوں میں فاتحین اور رابطے کی زبان کی حیثیت سے پھیل گئی۔ ۱۳۴۷ء میں دکن کے امیرانِ صدہ نے (جو شمال سے گئے ہوئے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے) سلطنت دہلی کے خلاف بغاوت کی اور دو سال کے اندر علاء الدین بہمن شاہ کی قیادت میں ایک خود مختار ریاست یعنی سلطنت بہمنیہ کی داغ بیل ڈال دی۔ اس کا مرکز پہلے دولت آباد (مراٹھی کے علاقے میں) رہا لیکن بہت جلد منتقل ہوکر گلبرگہ (کنڑ کے علاقہ کا شہر) بنا دیا گیا۔ رفتہ رفتہ گولکنڈہ اور تلگو بولنے والے دیگر علاقے بھی بہمنی سلاطین کے زیرنگیں آگئے۔ اس طرح "زبانِ دہلی" جو یہاں ہندی، ہندوی کے ناموں سے یاد کی جاتی تھی تین زبانوں (۱) مراٹھی (۲) کنڑ اور (۳) تلگو کے علاقوں پر فاتحین کی زبان کی حیثیت سے مسلط ہوگئی۔ ان تینوں زبانوں میں سے مراٹھی کا تعلق ہندوستان کے ہند آریائی

www.taemeernews.com

خاندانِ السنہ سے ہے جس سے ہندی (زبانِ دہلوی) کا بھی تعلق ہے۔ خاندانی مماثلت کی بنیاد پر مراٹھی سے اچھا لین دین رہا۔ مراٹھی نے بہت سے عربی فارسی کے الفاظ (بالخصوص عدالتی، انتظامی اور درباری) قبول کیے اور مراٹھی سے پراکرت کے ایسے الفاظ جن کے سررشتے شمالی ہند کی بولیوں سے جا ملتے تھے بآسانی 'زبانِ دہلی' میں آمیزش کر لیے گئے۔ کنڑ اور تلگو زبانوں کا تعلق دراوڑ (دراویدی) خاندانِ السنہ سے ہے جو ہند آریائی سے بالکل مختلف ہے۔ لہٰذا ان زبانوں سے بہت کم لین دین ہو سکا۔ بول چال کی زبان سے قطع نظر تحریری زبان میں بہ مشکل چند الفاظ یا محاورات کی نشان دہی کی جا سکتی ہے۔ اس لیے مراٹھی کے علاقے میں زبانِ دہلی میں جو تبدیلیاں ہو گئی تھیں (مثلاً "چ"، تاکیدی، حرفِ نفی "نکو" یا بعض پراکرتی الفاظ) اسی شکل میں ہندی/ ہندوی کے نام سے یہ زبان ان علاقوں میں پھیل گئی۔ ابتدا میں صرف شمال سے آئے ہوئے خاندان اسے گھریلو زبان کی حیثیت سے استعمال کرتے تھے۔ سلطنت بہمنہ کی سرکاری درباری زبان فارسی ہی تھی۔ نچلی انتظامی سطحات پر مقامی زبانوں کو بھی استعمال کیا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ دہلی کے سرچشمے سے دور ہو جانے کے بعد اور فارسی زبان کے ان علاقوں میں بہت محدود پیمانے پر استعمال کی وجہ سے، اوّل اوّل صوفیہ نے اپنی تلقین کے لیے 'ہندی' کو وسیلۂ اظہار بنایا اور مذہبی اور صوفیانہ موضوعات پر نظم و نثر میں چند رسائل تصنیف کیے۔ انھیں میں ایک رسالہ "معراج العاشقین" ہے جو عرصے تک خواجہ بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب رہا۔ اردو زبان کے پہلے نمونے کی حیثیت بہت شہرت

www.taemeernews.com

پاگیا تھا۔[1]

لیکن حقیقت یہ ہے کہ لسانی تجزیہ کے نقطۂ نظر سے پہلی "مخطوطہ بنیاد" تصنیف جس سے ہم دوچار ہوتے ہیں فخر دین نظامی کی "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" ہے جو ۱۴۲۱ء اور ۱۴۳۵ء کے درمیان کی تصنیف ہے۔ یہ غالباً بیدر میں لکھی گئی ہے اس لیے کہ احمد شاہ ولی نے ۱۴۳۰ء میں اپنا دارالسلطنت گلبرگہ کے بجائے بیدر بنالیا تھا۔ گلبرگہ کی طرح بیدر بھی کنڑ کے علاقے میں ہے لیکن سرحدی شہر ہونے کی وجہ سے اس علاقے میں مراٹھی کے اثرات ہمیشہ نمایاں رہے ہیں۔ "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" میں اردو زبان کا جو چہرہ ابھرتا ہے وہ تیرھویں صدی عیسوی کی زبانِ دہلوی کا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ شمال میں اس زبان کے مستند نمونے نہیں ملتے۔ شمال میں پہلا مستند نمونہ افضل کی بکٹ کہانی میں ملتا ہے جو نظامی کی مثنوی کے دو سو سال بعد کی تصنیف ہے، جس وقت دکن میں دکنی اردو محمد قلی قطب شاہ، وجہی، غواصی اور عبدل کے ہاتھوں ادبی اور لسانی دونوں اعتبار سے اپنے بامِ عروج کو پہنچ چکی تھی۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ اس زبان میں لکھی گئی ہے جب ابھی نواح دہلی کی بولیاں اس زبان کی تشکیل کے لیے آنکھ مچولی کھیل رہی تھیں اور جب اردو پر پراکرت کے قدیم الفاظ کی چھاپ گہری تھی۔ شمال میں ان بولیوں کی آنکھ مچولی بالآخر ایک معیاری زبان کی شکل اختیار کرتی گئی اور پراکرت کی ڈگر سے فارسی کی روش پر آتی گئی۔ دکن میں بولیوں کا تازہ خون نہ ملنے کی وجہ سے اس

---

[1] تفصیلی بحث کے لیے دیکھئے: معراج العاشقین کا مصنف: حفیظ قتیل (طبع ثانی) حیدرآباد دکن ۱۹۸۰ء

www.taemeernews.com

زبان میں ایک طرح سے جمود اور یکسانی سی آگئی۔ فارسی کے بھی سرچشمے دور تھے اس لیے نہیں کہا جا سکتا کہ سترھویں صدی کے بعد اس کی کیا صورت ہوتی کہ زبانِ دہلوی اپنی نئی شکل میں عالم گیر کے لشکروں کے ساتھ آن دھمکی اور رفتہ رفتہ دورِ آصف جاہی میں اردو کی جدید شکل اس کی قدیم شکل کی جگہ لیتی چلی گئی ہر چند بول چال کی زبان میں قدیم اردو (دکنی) کے محاورے کا اب تک چلن ہے، بلکہ اسکی بعض شکلیں مثلاً "یا" سے مرکب ماضی (چلیا، پڑیا، ہلیا) جو حیدرآباد کی اردو سے معدوم ہوگیا ہے دکن کے دور دراز اور دور افتادہ علاقوں میں آج تک سنائی دیتا ہے۔ [1]

نظامی کی مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (۱۴۲۱ تا ۱۴۳۵ کے درمیان کی تصنیف) کے علاوہ لسانی تجزیے کے سنگِ میل کے طور پر ہم نے خاص طور پر حسبِ ذیل کتب کا انتخاب کیا ہے۔

(۱) اشرف بیانی : نوسرہار (۱۵۰۳ء)
(۲) محمد قلی قطب شاہ : کلیات (م : ۱۶۱۱)
(۳) کلتہ الحقائق : برہان الدین جانم (قبل ۱۵۸۲ء)
(۴) عبدل : ابراہیم نامہ (۱۶۰۳ء)
(۵) وجہی : قطب مشتری (۱۶۰۹ء)
(۶) غواصی : کلیات اور سیف الملوک و بدیع الجمال (۱۶۲۵ء)

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھئے "سرزمینِ دکن میں قدیم و جدید اردو کی کشمکش" مسعود حسین خاں، مجلہ عثمانیہ کا حیدرآباد ادب نمبر: ۶۵/۱۹۶۴ء

www.taemeernews.com

(۷) وجہی قطب مشتری (۱۶۰۹ء) اور سب رس (۱۶۳۵ء)

(۸) ابنِ نشاطی : پھول بن (۱۶۵۵ء)

(۹) نصرتی : گلشنِ عشق (۱۶۵۷ء)

(۱۰) نصرتی : علی نامہ (۱۶۶۵ء)

ان بنیادی کتب کے علاوہ دکنی اردو کے وافر ذخیرے سے ضرورت کے مطابق مزید مثالیں لے کر درج کی گئی ہیں۔

صوتی خصوصیات[1]

(۱) تخفیفِ مصوتہ، یعنی بڑے مصوتوں کو چھوٹے مصوتوں میں بدل دینا۔ مثلاً

اُسمان (= آسمان) ع نہ یُہیں پردِسے اور نہ اُسمان میں (ق م)

ہَت (= ہات) ع کنگن ہت کیا دیکھناں آرسی (ک پ)

ہَت (= ہات) ع چلی لے کے چھب سوں پکڑ ہت میں ہات (گ ع)

بُند (= بوند۔ س ر)، بدل (= بادل، ک م ق ق)

اُنچل (= آنچل، ک م ق ق)، سُرج (= سورج، ان)

گھنس (= گھانس، ک م ق ق)، پرت (= پریت - س ر)

پھُل (= پھول۔ س ر)، چھلے (= چھالے۔ س ر)، سُنا (= سونا۔ س ر)

گنگے (= گونگے۔ س ر)، گھنگھٹ (= گھونگھٹ۔ س۔ ر)، ہتی = ہاتھی

۔ س ر)

---

[1] دکنی اردو کی اکثر مثالوں اور حوالوں کے لیے حبیب ضیاء کی "دکنی زبان کی قواعد" سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کراچی، ۱۹۶۶

www.taemeernews.com

(۲) تطویلِ مصوتہ یعنی چھوٹے مصوتوں کو بڑے مصوتوں میں بدل دینا، مثلاً

کال (= کل) ع نہ گھال آج کا کام توں کال پر (ک پ)

آپنا (= اپنا) ع سکھی آپنا جیو تو سب جہان (ک پ)

ساچ (= سچ، ک پ)، پاتھر (= پتھر، ک پ)

ماٹی (ک پ، ن ہ) ۔ (یہ لفظ دکنی اردو میں مسلسل اسی طرح آیا ہے)،
پہار (= پہر، ن ہ)، لاگا (ن ہ) ناہیں (ن ہ)، لوہو (ن ہ)،
کوتا (= کتا، ک پ) چھوپی (= چھپی س ر)، جاگا (= جگہ، س ر)
(یہ لفظ بھی دکنی اردو میں مسلسل اسی طرح آیا ہے)، ٹوک (= ٹک۔ س ر)
چاکھنا (س ر)، راکھنا (س ر)، زہار (= زہر۔ س ر)، کوتیاں (= کتے
۔ س ر)، موٹھی (= مٹھی۔ س ر)، چِت کابرا (= چتکبرا۔ س ر)

(۳) مصوتوں کا انفیانا

دکنی اردو اور شمال کی قدیم اردو کا یہ نہایت قوی رجحان رہا ہے جس
کی باقیات اب تک شمالی اردو کی بول چال میں پائی جاتی ہے۔

بولناں ع سو بوریا تجھے جو نہ تھا بولناں (ک پ)

بونٹی ع نہ جھاڑی نہ بونٹی ڈرے بادکوں (ک پ)

توں (ن ہ)، کوں (ن ہ)، سپناں (ن ہ)، تیں (س ر) چھیں
(س ر)، کوپنچے کو پنچے (س ر)، منج (= مج۔ س ر)

(۴) **انفیت کا حذف: جو مذکورہ بالا رجحان کے بالکل برعکس ہے**

ما (= ماں۔ س ر)، کوآ (= کنواں۔ س ر)، موچھاں (= مونچھیں س ر)،

www.taemeernews.com

گوانا (= گنوانا - س ر)

(۵) الف مکسورہ (مصوّتہ) کا تلفظ درا ویدی صوتیات کے تحت (ی) کیا جاتا ہے - یہ بول چال کی دکنی اردو میں عام ہے جیسے یم - یے (= ایم - اے) تحریری دکنی اردو میں بھی مل جاتا ہے - یکیلے (= اکیلے - س ر)، تیا (اِتا بمعنی اتنا - س ر) بیک (= ایک - س ر)

(۶) نَفسیَت (ہکاریت) کا حذف

چَڑنا (= چڑھنا - س ر) دُھونڈنا (= ڈھونڈھنا - س ر)

سوکا (= سوکھا - س ر)، انجو (= انجھو - س ر)، ابی (= ابھی - س ر)

انگوٹی (= انگوٹھی - س ر)، باندنا (= باندھنا - س ر)، بی (= بھی - س ر)

پرکنا (= پرکھنا - س ر)، تماری (= تمہاری - س ر) پگلتا (= پگھلتا - س ر)

(۷) نَفسیَت کا اضافہ :

الٹھانا (= الٹانا) "ایک بادشاہی کو الٹھانا ہے" (س ر)

سنگھاتی (= سنگاتی) "ہمت مرداں کی سنگھاتی" (س ر)

پھتّر (= پتّھر - س ر)، پھنکڑیاں (= پنکھڑیاں - س ر)

جگھڑا (= جھگڑا - س ر)

(۸) کوز آوازوں کو دندانی میں تبدیل کر دینا

جب ایک ہی لفظ میں دو کوز آوازیں آتی ہیں تو پہلی دندانی بن جاتی ہے۔

دُھنڈنا (= ڈھونڈھنا - س ر) تُٹنا (= ٹوٹنا - س ر)

دانٹنا (= ڈانٹنا - س ر)، دھنڈورا (= ڈھنڈورا - س ر)

www.taemeernews.com

داڑھی (= ڈاڑھی - س ر)،

(۹) دکنی اردو کی ایک مسلسل صوتی خصوصیت (شمال میں بھی یہ گا ہے گا ہے مل جاتی ہے)

"ق" کا "خ" میں تبدیل کر دینا ہے۔ اس کا الٹا بھی بول چال میں سنائی دیتا ہے یعنی 'خبر' کا 'قبر' لیکن تحریر میں نہیں ملتا۔ مثالیں اَخَل (= عقل - س ر)، خطرہ (= قطرہ - س ر)

صرفی خصوصیات:

(الف) اسم کیفیت: دکنی اردو میں اردو کے متداول اسمائے کیفیت کے علاوہ کچھ مخصوص شکلیں بھی ملتی ہیں:

(۱) مرکب بہ اسم: بھائی پنا (س ر)، دشمناگی (د ہ)

(۲) مرکب بہ صفت: کڑوائی (= کڑواہٹ) (س ر)، کڑواس (کڑواہٹ) (د ہ)، نرمائی (= نرمی) (پھ ب)

(۳) فعل سے مرکب: چلنت (س ر)، بِسراٹ (بسرنا سے) (د ہ)

(۴) یائے زائدہ کے ساتھ: خوشبوئی (س ر)

(ب) اسم ظرف: دُھپ کالا (موسم گرما) (ک م ق ق)، ٹھنڈ کالا (د ہ)۔

جنس:

(۱) بعض اسم جو موجودہ اردو میں مونث ہیں دکنی اردو میں مذکر لکھے گئے ہیں۔ مثلاً (تتبلیف)، دعا (ک م ق ق)، راہ (س ر) (پھ ب) جھتی

www.taemeernews.com

(ک م ق ق)، بلندی (ک م ق ق)، مہکار (ک م ق ق) جھلکار (ک غ)، لذّت (س ر)، دولت (پ گ)، فراغت (س ر) ضیافت (س ر)، محبّت (ک غ)، عداوت (س ر)، راحت (س ر) عزّت (س ر)، فراست (پھ ب)، زینت (س ر) تاب (ک م ق ق)، آس (ک م ق ق)، جان (س ر: قدما تک یہ مذکر رہا ہے)، عمر (ک غ)، آواز (پھ ب)، بو (پھ ب) عید (ک م ق ق)، مدد (ک غ)، حمد (پھ ب)، دار (ک ب)، چھاؤں (پھ ب)، بھوں (ک غ)، تعبیر (پھ ب) تدبیر (پھ ب)، تحریر (پھ ب)، تعریف (پھ ب) حدیث (س ر)، نماز (س ر)، شرط (س ر)، بات (س ر) تاثیر (پھ ب)، درگاہ (س ر)، عیدگاہ (گ ع) تخت گاہ (گ ع)، بزم گاہ (گ ع)، خواہش (ک غ)، تابش (دہ)، مجلس (ک م ق ق)، مسجد (دہ)، ہوس (س ر)،

(۲) بعض معروف اسمار دکنی اردو میں مذکر، مونث دونوں طرح استعمال کئے گئے ہیں، اکثر ایک ہی شاعر نے دونوں طرح باندھا ہے۔

غزل: (مذکر) ع غواصی صاف باتاں سوں سراسر یو غزل تیرا (ک غ)

(مونث) ع جو میں غواصی میٹھی یو غزل کھیا سو سُن (ک غ)

خنجر: (مذکر) ع ستم کا گر ننگا خنجر جو ہوگا (پھ ب)

(مونث) ع تیری خنجر جو ہے دو جھل جھلائی (پھ ب)

www.taemeernews.com

(۳) بعض اسمار جو موجودہ اردو میں مذکر ہیں دکنی اردو میں مونث ملتے ہیں:
مقصود (س ر)، ذکر (س ر)، ادب (س ر) ناؤں (= نام، س ر)، خواب (س ر)

تعداد:

(۱) اردو میں ایسے واحد مذکر اسمار جن کے آخر میں "الف" یا "ہ" نہ ہو ان کی واحد جمع دونوں میں یکساں صورت رہتی ہے۔ اس کے برخلاف دکنی اردو میں ان کی جمع (-اں) سے بنائی جاتی ہے۔ جمع کا یہ قاعدہ فارسی اور پنجابی میں بھی مستعمل ہے لیکن دکنی اردو نے (-اں) کی جمع کا قاعدہ ہریانوی سے لیا ہے جو نواحِ دہلی کی ایک بولی ہے[۱]۔ نظامی تا نصرتی، ہر چند جمع بنانے کے دوسرے قاعدے کھڑی بولی کا (-ؤں) اور برج بھاشا کا (-ن) بھی دکنی اردو میں ملتے ہیں) جمع بنانے کا یہ قاعدہ دکنی اردو کی صرفی سطح پر سب سے بڑی شناخت ہے۔ اس قاعدے کا اطلاق عربی الاصل اور ہندی نژاد دونوں قسم کے اسمار پر ہوتا ہے۔

چیلاں (ک پ) ہاتاں (ن ہ)۔ لایاں (ن ہ)
عابداں (ک م ق ق)۔ مالیاں (ک م ق ق) خیالاں (ک م ق ق)
عورتاں (س ر)، باتاں (پھ ب) (س ر)۔ دلاں (س ر)
آنکھیاں (س ر) موتیاں (س ر)، کتاباں (س ر)، لوگاں (س ر)

---

[۱] ہندی اداؤں کی آپ بھاشاؤں کا سروپ۔ نامیا پرساد شبھی ص ۱۳۸

www.taemeernews.com

(۲) (-ان) کی جمع کے علاوہ خال خال دکنی اردو میں برج بھاشا کی (-ن) سے مرکب جمع بھی ملتی ہے۔

ع ہاتن کھانڈے ترکش باند (ن ہ، شعر ۹۱۷)

ع پھولن باڑی کھلائی (شعر ۳۰۸)

ع ہاتن کھویا گھر کی جوئے (ن ہ، شعر ۴۸)

ع دوکھن سیتی بان بکھر (شعر ۳۰۷)

ع ہاتن مانک کھویا واہ (ن ہ، شعر ۴۶)

(دکنی اردو میں (-ن) سے مرکب جمع کا استعمال بہت کم ہوا ہے اور وہ بھی برج بھاشا کے زیراثر صرف مخصوص الفاظ کے لیے۔ یہ جمع نوسرہار میں کثرت سے ملتی ہے)

(۳) جدید اردو کی (-وں) کی جمع جس کا سرچشمہ کھڑی بولی ہے، دکنی اردو میں بہت کم ملتی ہے۔ مثال:

ع کھلے تھے پھول جھاڑوں پر ہراک ٹھار (پھ ب، ص ۳۸)

اسمائے ضمیر:

(۱) ضمائر متکلم

فاعلی حالت: میں، ہَوں[1]، اپے ہم[2]، ہمن، ہمنا، ہمے، ہمیں

---

[1] برج بھاشا میں "ہوں" کے دو تلفظ ہیں: "ہَوں" اور "ہُوں"۔ مثنوی کدم راؤ پدم راؤ کے مخطوطے میں "ہَوں" زبر کے ساتھ لکھا ملتا ہے۔ اس کے برعکس ضیاء الدین خسرو کی خالق باری میں 'ہُوں'، 'کُوں' کے ساتھ قافیہ کیا گیا ہے۔

[2] ہریانوی، کھڑی، برج تینوں میں۔

www.taemeernews.com

مفعولی حالت : مجے، منجے، مج، منج، منج کوں، مجہ ‌ ‌ ‌ ‌ ہمنا، ہمنا کوں

اضافی حالت : مو، مج، مجھ، منج، میرا ‌ ‌ ‌ ‌ ہمن، ہمارا

ہَوں (= مَیں) ع نہ نایک ڈروں ہَوں نہ پایک ڈروں (ک پ، شعر ۸۶)

ع پیارے نہ کر کھینچ ہُوں تو پہ واری (ک م ق ق، ص ۶۲، حصہ سوم)

(محمد قلی قطب شاہ کے وقت تک برج کا "ہُوں" صرف ریختیوں کی زبان میں رہ گیا تھا۔ یوں بھی اس کا استعمال 'مَیں' کے مقابلے میں بہت کم رہا ہے)

اَپے : "جو نماز کوں جائے تو یو جاننا کہ اپے خدا کے حضور میں جاتا ہوں" (س ر)

ہمن (ہمارا) (ک پ) ہمن (ہم) (پھ ب) ہمنا (= ہم) "ہمنا تمنا میں کیا جدائی ہے" (س ر) ہمیں (= ہم) "ہمیں تم مل کر جائیں گے" (س ر) منجے (ک غ) مجہ (پھ ب) ہمنا (ک م ق ق)، ہمنا (س ر) مو (= میرا) (ک م ق ق) مج (میرا) (پھ ب) منج (میرا) (ک م ق ق) ہمن (ہمارا) (ک م ق ق)

(۲) ضمائر مخاطب

	واحد	جمع
فاعلی حالت :	تو، توں[1]، تیں[2]	تم[3]، تمن، تمنا، تمہیں

[1] ماخذ : بندیلی۔ [2] ماخذ : ہریانوی۔

[3] برج : تم، کھڑی : تم

www.taemeernews.com

	واحد	جمع
مفعولی حالت	تج ، تجے ،	تمن، تمہیں، تمناکوں
اضافی حالت :	تو، تج، توج، تجھ، تیرا	تم، تمن، تمنا، تمارا

توں (= تو، ن ہ) ، تمن (= تمھارے، ک پ ، ک م ق ق) تمن (= تم، ک م ق ق) ، تم (= تمھاری، ک م ق ق) تج (= تجھے، ک م ق ق) ، تج (تیری، گ ع) تمناکوں (د ہ) ، تمنا (= تمھارا (د ہ) ، تمنا (= تم، " ہمنا تمنا میں کیا جدائی ہے " س ر) تو (= تیری، ک م ق ق) تیں (= تو، ک پ، ع رتن تھیں اُدھک تیں کیا مکھ بچن)

(۳) ضمیرِ غائب

	واحد	جمع
فاعلی حالت :	وہ ، وو، وُ، اُو، اُنے	اُن، انو ، وے
مفعولی حالت :	اُس، اُس کوں، اسے	انوں کوں، اینوں کوں
اضافی حالت :	اس کا	انوکا، اینوکا، وِن کا

او (= وہ ، ک ب) اُنے (= وہ، س ر" اُنے سب جانیا" د ہ) دے[1] (وہ کی جمع، د ہ) اُن (وہ جمع، ک ب) انو (= وہ جمع، س ر" غیب کے پردے انوں کیوں کھولتے")

---

[1] ہریانوی اور کھڑی میں " دے " کے دو تلفظ ہیں : " دَے " اور " دِے ". دکنی اردو کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

www.taemeernews.com

اُس (= وہ ک م ق ق) ' انوکا (= اُن کا ' س ر)
انوں کوں (= اُن کو ' س ر) وِن کی (= اُن کی ' ک م ق ق)
اَپن (= اپنا ' ک م ق ق) اَپس (= اپنا ، گ ع)
اپے (= آپ ہی ' ک ع) (پھ ب)

(۴) ضمیرِ موصول

	واحد	جمع
فاعلی حالت :	جو ' جے ' جن نے ' جنے	جن ' جنو ' جنوں
مفعولی حالت :	جسے ' جس کوں	جنوں کوں ' جنو کوں
اضافی حالت :	جس کا	جنوں کا

جے = جو ع کہ جے بولنا ہوئے نہ بول وو (ک پ ' شعر ۸۶)
ع جے تو کیتی پھر یہ بات (ن ہ ' شعر ۳۹)
ع جے کچھ منگوں تج پاس تھے سو ہے سو منج کوں توں دیا (ک م ق ق)
(جو ' جن ' جنے کے مقابلے میں اس کا استعمال کم تر ہے)
جنے (= جو) (ک م ق ق) (س ر) "جنے سینا اُسے گھائل ہونا ہے"
جن (= جو) (ک م ق ق)
جنو (= جمع جو) " اس کے فرمائے پر جنو چلے (س ر - ص ۱۶)
(موجودہ اردو میں "جو" فاعلی حالت میں واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے - دکنی اردو میں واحد جو ' جے جن ' جنے ہوتا ہے جمع کے لیے جنو اور جنوں آتا تھا)

www.taemeernews.com

(۵) ضمیرِ استفہام

	واحد	جمع
فاعلی حالت:	کون، کِن، کِنے، کو	کِن
مفعولی حالت:	کس، کس کوں، کسے، کس نے	کِنے کوں
اضافی حالت:	کس کا	کِن کا

کِن (= کون) ع نجانوں لے قلم کِن خوش نویس آج (ک غ)
کِنے (= کون) ع کِنے بے رحم باندیا تج پلو آگ (پھ ب)
کوٗ (= کون) ع یاقوت ہوا مرجاں میں کوہے رتن برتر کہو (ک ش)

(۶) ضمیرِ اشارہ

ضمیرِ اشارۂ قریب

(۱) یو (= یہ) "لھوے تے یو تخت و تاج آیا" (س ر)
(۲) اِسے (= یہ) ع گیا آواز سو آسمان میں اسے (پھ ب۔ ص ۱۳۴)
(۳) اِیہہ (= یہ) ع ہرا کر ذِکر اِیہہ کدم رائے آئے (ک پ۔ شعر ۱۰۸)
(۴) یے (یہ جمع) ع یے رقیباں دیکھ کر دکھ تھے کیے آپ جیو پر خست
(۵) ان (= اِس) "اِن آبِ حیات نے اُس آبِ حیات کا رکھیا لاج" (س ر)۔
(۶) اِنے (اس نے) "انے پکڑیا تھا خاموشی (س ر)
(۷) اِنوں (اِن کو) "اِنوں کو کاں کا آرام" (س ر)

ضمیرِ اشارۂ بعید

www.taemeernews.com

وو (وہ) "وہ ہمیشہ کھڑا" (س ر)
اُنن کے (اُن کے) (ک م ق ق)
اُنوں کوں (= اُن کو) (س ر)

(۷) ضمیرِ تنکر

فاعلی حالت: کوئ، کُئ، کچ، کوچ
مفعولی حالت: کسی کوں، کن کوں
اضافی حالت: کسی کا، کسی کے

کُئ (= کوئ) ع جو کُئ ہے باغباں اس پھول بن کا (پھ ب)
(اس کا عام املا "جکئ" تھا)
کچ (= کچھ) ع نہ آوے گنج قاروں کام کچ تج حسن کا گنج ہے (ک م ق ق)
(اس کا املا کوچ بھی ملتا ہے)
جیکو (جوکوئ) ع جیکو چڑے گھوڑے اُپر اس کوں سواراں میں گنِن
(ک م ق ق)
(جوکوئ اور جیکوئ بھی ان معنوں میں مستعمل تھا)

فعل:

(۱) اردو میں علامت مصدر "نا"۔ دکنی اردو میں اسکی انفی شکل (ناں) بھی ملتی ہے:

ع سو بولیا تجھ جو نہ تھا بولناں (ک پ، شعر ۱۲۶)
کھولناں (ک پ، شعر ۱۲۶)، کرناں (ک پ، شعر ۵۰۷)

www.taemeernews.com

برج بھاشا کی علامت مصدر (۔ن) سے مرکب افعال بھی مل جاتے ہیں۔ نوسر ہار میں اس کی مثالیں کثرت سے پائی جاتی ہیں :

ع نہ مرجاؤ توں چھوڑ اوگن کرن (ک پ، شعر ۵۹۶)

ع ڈھونڈن لاگے کدھرے ٹھار (ن ہ، شعر ۵۶۷)

ع رہن لاگے خوشی سات (ن ہ، شعر ۵۹۰)

ع اُوٹن لاگا کس کس دھات (ن ہ، شعر ۶۱۲)

ع برہ کی گرہ دل تے کھولن لگی (گ ع۔ ص ۲۶۱)

یہ مصدر (و) کے اضافے سے بھی بنایا جاتا تھا۔

پڑھاون (= پڑھانا) (ک پ، شعر ۵۸۵)

جاونا (= جانا) ع نہیں ہے حاجت اے جاونے کوتا بہ حجاز (ک م ق ق)

آؤنا (ک ب، ص ۲۰۸)

پیونا (ک ب، ص ۱۶۲)

(۱) دکنی اردو کے فعل ناقص موجودہ اردو سے خاصے مختلف ہیں۔ یہ عموماً اس شکل میں آتے ہیں: ہے، اہے، ہیں، اہیں، تھا، اتھا، تھی، اتھی، تھے، اتھے، تھیاں، اتھیاں

اہے (ہے) : ع جہاں جلکچہ ہے وہاں سب اہے ظہور اُس کا (س ر)

اہیں (ہیں) : ع جلکوئی تج محبت کے ماتے اہیں (گ ع)

اتھا (تھا) : ع اتھا دل صاف تس کا جوں کہ درپن (پھ ب)

ع اتھا تو نج اوّل ہور آخر تہنیج (گ ع)

www.taemeernews.com

اتھی (تھی) ع نہ بیٹا اسے ایک بیٹی اتھی (چ م)

اتھے (= تھے) : ع گھڑی یک یکس نہ رہتے اتھے (گ ع)

تھیاں (= تھیں) : "جو باتاں خدا کوں بھاتیاں تھیاں'

سو باتاں دلیچ میں تے آتیاں تھیاں (س ر)

ع انو کے کنے بھی اسی دھات تھیاں (گ ع)

اتھیاں (= تھیں) : ع اتھیاں خوبصورت چھبیلیاں جتیاں (چ م)

(۲) دکنی اردو میں ماضی مطلق کے لیے علامت مصدر 'نا' گرانے کے بعد زیادہ تر "یا" لگایا جاتا ہے، جو ہریانوی کی بھی تخصیص ہے۔ دکنی اردو کی یہ مسلسل خصوصیت رہی ہے :

اٹھیا (= اٹھا) ع گیا راجہ تجہ جب اٹھیا بول یہ (ک پ)

رہیا (ک پ، ص ۱۱۵)، کہیا (ک پ) رکھیا (س ر)، دیکھیا (س ر)

" لشکر اپنا سب دیکھیا، لشکر کی گنتی ہمت کریا (س ر)

شاذ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کلاسیکی دکنی اردو میں بھی " ا " کا ماضی مطلق مل جاتا ہے۔ جیسے "قامت جو نظر کو رقیب کے سنگات دیکھا (س ر)

ع چھپا سیمرغ جا کوہ قاف میانے (پھ ب۔ ص ۶۸)

بعض اوقات علامتِ مصدر گرانے کے بعد اگر خاتمے پر مصوتہ رہ جائے تو "ء ی ا" کا اضافہ کیا جاتا ہے

ع مبارک باد دینے آئیا نوروز تج دربار (ک م ق ق)

(۳) دکنی اردو میں ایک فعل "کیتا" بھی نظامی تا نصرتی مسلسل استعمال ہوتا آیا ہے

www.taemeernews.com

بلکہ یہ شمالی ہند کی قدیم اردو تک میں رائج تھا۔ فعل کی یہ شکل کبھی ماضی مطلق کے لیے استعمال ہوتی تھی اور کبھی حال مطلق کے لیے۔

کیتا (= کیا) ع سو کیتا ابتدا تعظیم کا سَطُر (پھ ب)

کیتا (= کرتا ہے) ع معطّر اس سوں کیتا ہے چمن کوں (پھ ب)

(۴) ماضی احتمالی

دکنی اردو میں ماضی احتمالی کے لیے ماضی مطلق کے بعد "اچھے گا" یا "اچھے گی" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ (اچھنا = ہونا)

"تاراں کی زنجیراں سوں جکڑ کر جان گیا اچھے گا" (س ر)

"جدہاں تے جو کوئی دنیا میں آیا اچھے گا عجب ہے جو کوئی ایسا دغا کھایا اچھے گا" (س ر)

(۵) فعل حال

معیاری اردو کے مانند دکنی اردو میں مصدر سے علامت "نا" حذف کرنے کے بعد "تا" لگا کر فعل حال بنایا جاتا ہے۔ لیکن کبھی بھی برج کے زیر اثر صرف "ت" کے اضافے سے بھی بنا لیا جاتا ہے:

ع اَدھر تیرے کوثر کا پیالہ پلات (ک م ق ق)

سُنات (ک م ق ق) (یہ شکلیں محمد قلی قطب شاہ سے مخصوص ہیں)

دکنی اردو میں (شمالی ہند کی قدیم اردو کی طرح) حال مطلق بنانے کا ایک قاعدہ یہ بھی رہا ہے کہ مضارع کے بعد "ہے" یا "ہیں" بڑھا کر بنا لیتے ہیں۔ اردو میں یہ شکل بیسویں صدی تک جاری رہی ہے۔ لیکن اب متروک ہے صرف بعض

www.taemeernews.com

علاقوں اور طبقوں میں رائج۔ غالبؔ نے اپنی مشہور غزل

ع کھینچتا ہوں جس قدر مجھ سے وہ کھنچتا جائے ہے میں استعمال کیا ہے۔

ع پھُل بھاگ سب پھلے ہیں، دُندے سو دیکھ جلے ہیں (ک م ق ق)

دکنی اردو میں حال مطلق کے لیے صرف مضارع کا استعمال بھی ہوا ہے۔

درحقیقت یہی حالِ مطلق کی قدیم شکل ہے، جو دکنی میں باقی رہ گئی ہے:

ع کرتے مزدری اپنے بغل میں سو رکھ کتاب (ک م ق ق)

"ہوتا سب خدا کا بھاتا" (س ر)

(مضارع کی موجودہ صورت کا ارتقا اس انداز میں ہوا ہے: جاوے — جاوے ہے — جائے ہے — جاوت ہے — جات ہے — جاتا ہے — (جاوے، جاوے ہے، جائے ہے، آئے، بھی کھڑی بولی کے علاقے میں رائج ہے۔ جاوت ہے، جات ہے برج بھاشا کی معیاری اور بول چال دونوں کی شکلیں ہیں۔ انھیں کی آمیزش سے معیاری اردو کا "جاتا ہے" بنا ہے۔) [1]

مستقبل:

مستقبل بنانے کے لیے دکنی اردو میں بھی مضارع کے بعد "گا" "گی" (جمع "میں گیاں"، جو معیاری اردو میں نہیں ہے) اور "گے" کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

گیاں (جمع گی) ؎ ترے جب کی اِت سوز دھر آئیں گیاں

سلامت ترے ٹھار اپنڑ آئیں گیاں (گ ع)

مستقبل مطلق کی بناوٹ میں (سَ) سے بھی مدد لی جاتی ہے۔ یہ دکنی

---

[1] اردو قواعد: عبدالحق ص ۱۲۸

www.taemeernews.com

اردو کی خصوصیت ہے - اس (سَ) کا تعلق سنسکرت کے زمانۂ مستقبل کے (سَ) سے ہے - راجستھانی کی بعض مشرقی بولیوں میں مادّے کے ساتھ (سَ) لگا کر اس طرح کی شکل بناتے ہیں - دکنی اردو میں یہ شکلیں تسلسل کے ساتھ نظامی تا نصرتی پائی جاتی ہیں -

	متکلم	حاضر	غائب
واحد:	مارسوں	مارسے ، مارسی	مارسے ، مارسی
جمع:	×	مارسوں	مارسی

واحد متکلم مذکر: جاسوں (جاؤں گا) ع کے ہرگز نہ جاسُوں تیرے کہے منے (ق م)

واحد حاضر مذکر: سے ع جے توُں کہہ سے رھیا ناکجُ (ارشادنامہ)

جمع متکلم مذکر: سی ع سبھی دوُراں نہ آسی اجی تج سم (ک م ق ق)

واحد غائب: اس کے دیوے کوں کیوں نہ ہوسی روشنی (س ر)

اس صیغے کے سلسلے میں حسبِ ذیل امور قابلِ غور ہیں -

(۱) دکنی اردو میں "سی" "سَے" "سوں" اور "سیں" عموماً 'نا' یا "نہ" (نفی)

لہ سا ' سی کا استعمال پنجابی میں بھی مستقبل کی بناوٹ کے لیے کیا جاتا ہے - حضرت روشن چراغ دہلوی (م ۱۳۵۶ء) کی خیرالمجالس میں بھی ایک ہندی فقرے میں "ہوسی" کا استعمال ملتا ہے - یعنی صیغۂ مستقبل میں : صفحہ ۲۱۶ پر علی مولا بدایونی حضرت نظام الدین اولیا 'جو اس وقت سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے' یہ پیشن گوئی فرمائی " ارے مولانا ! یہ بڑا ہوسی" یعنی ایں مرد بزرگ خواہد شد"

اس استعمال کے علاوہ ہمیں شمالی اردو میں "سی" صیغے کا استعمال کہیں نہیں ملتا - جب کہ دکنی اردو میں یہ گا - گی - گے کے ساتھ کم تر مگر مسلسل استعمال ہوتا آیا ہے - موجودہ دکنی سے یہ غائب ہے -

www.taemeernews.com

کے ساتھ آتی ہیں ۔

(۲) ان علامتوں سے فعلِ مستقبل کے ساتھ "سکنا" فعلِ امدادی کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے ۔

ع نہ ہوسی کدھیں پانچ انگل سمان (ک ۔ پ)

ع تج سار کہیں جگ میں پر یزاد نہ ہوسے (ک غ)

ع سبھی حوراں نہ آسیں آج تج سم (ک م ق ق)

"اس کتاب کوں سینے پر تے ہلاسی نا' اس کتاب بغیر کوئی اپنا وقت بھلاسی نا" (س ر)

"سنجی پر کسی کی بددعا چل سی نا" (س ر)

مضارع

دکنی اردو میں مضارع (جو فعلِ حال کی قدیم شکل ہے) حسبِ ذیل بناوٹ کے ملتے ہیں :

چلے (س ر) پاوے (س ر) جائے (پھ ب) پیوے (س ر) سووے (س ر) دیوے (س ر)

امر

امر کی جمع کی بعض قدیم شکلیں دکنی اردو میں رائج رہی ہیں۔

لیو (پھ ب) دیو (پھ ب) کو (مصدر کنا = کہنا) امر کی ایک استثنائی شکل ہے۔

مجے اس ٹھار کیا تدبیر ہے کو مرا اس ٹھار کیا تقصیر ہے کو (پھ ب)

www.taemeernews.com

فعلِ معطوف

وہ فعل جس کو دوسرے فعل کے ساتھ 'کے'، 'کر' 'کو' یا 'کوں' لگاتے ہیں:

کے: 'جل کے راکھ ہونا' (ک غ)

کر/کرکر: " نظر قامت سوں وداع ہوکر، تسلیم کرکر، [1]

سر پر ہاتھ دھر کر اپنے ٹھارتے ہلیا' چلیا" (س ر)

کوں: ع دو حاجب جاکوں بولیاں شہ سوں اپنے (پھ ب)

متعلق فعل

متعلق فعل کی گیارہ قسمیں ہیں۔ یہاں دکنی اردو کے صرف مخصوص متعلق فعل کلمات کا ذکر — مع مثالوں کے کیا جائے گا۔

(۱) متعلق فعل کیفیت وحالت

ٹک ع جو باتاں میں وہ نار ٹک آئے گی (ق م)

(یہ میر تقی میرؔ بلکہ اس کے بعد تک رائج رہا ہے)

دھات (= طرح) ع ہوئے جس دھات سوں دوغم تے آزاد (پھ ب)

"ہرگز کوئی فصیح اس فصاحت سوں بات میں کیا، اس دھات بات کوں سلامت نیں دیا" (س ر)

(دکنی اردو کا مخصوص متعلق فعل)

پنٹ ع پنٹ گرچہ خدمت میں ہووے سجھ (گ ع)

(میر تقی میرؔ کے عہد تک رائج رہا)

---

[1] "کرکر" (بجائے کرکے) سر سید احمد خاں تک کی تحریروں میں بکثرت ملتا ہے۔ غالبؔ نے بھی خطوط میں استعمال کیا ہے۔

www.taemeernews.com

جھٹ مٹ (= جھوٹ موٹ)
ع خبر چلنے کی سن جھٹ مٹ ہوا ہے تھوڑا تھوڑا جی (د ہ)
سچیں مچیں (= سچ مچ) "سچیں مچیں یو فرشتہ ہے" (س ر)
ہلو (= ہوے) ع ہلو اس سنگ دل کوں نرم کرتوں (پھ ب)
("ہلوں" بھی تلفظ کیا گیا ہے)

متعلق فعل زماں

(۱) اب ، اِتا ، اتال ، اتیال ، آجنوں
(۲) جب ، جداں ، جدھاں ، جو
(۳) تب ، تدھاں ، تو
(۴) اوّل ، پچھے ، پچھیں ، پیچھیں
(۵) تُرت ، بیگی ، بیگ
(۶) جَم ، ہمیشہ ، سدا
(۷) آج ، کل ، پرسوں
(۸) کدھیں ، کد

اتا (= اب) ع اتا میں چپ رہنے کی نیئں مرا نک ہاتھ چھوڑ دخوں (د ہ)
اتال (= اب) ع اتال تاب نیئں مُنج انتظار کوں جی (ک غ)
جدھاں (= جب تک) ع جدھاں لگ مہر و چرخِ اختری ہے (پھ ب)
جو (جب تک) ع جو لگ جنوب و مشرق و مغرب ہے ہور شمال (ک غ)

www.taemeernews.com

آجنوں : (اب تک) "انوآجنوں بی جیتیاں ہیں" (س ر)

تدھاں (تب (سے)

ے ترے ملنے کا مئے پی کر ہوا ہوں مست میں جب تھے
تدھاں تے مئے کی سوگند کھا، تجا ہوں گھر کلا لاں کا (د ہ)

پچھیں (= پیچھے) ع کتک دن کے پچھیں امید کا سور (پھ ب)

تُرت (ترنت، فوراً)

ع ہو عارف تُرت کرے حاصل اس مطلب ضروری کوں (ک غ)

بیگ (= جلدی) ع دہیں بیگ خالانے چھاتی لگا (گ ع)

جم (= ہمیشہ) ع جم گڑگڑاوں مست ہو تپی مدن کی ڈھال رے (ک غ)

پرسوں (کل کے بعد کا دن)

ع صبا پرسوں لگوں چنچل تمھارے ہات آتی ہے (د ہ)

(موجودہ دکنی بول چال میں پرسوں کے معنیٰ کچھ دن پہلے بھی ہوتے ہیں۔ ان معنوں میں کلاسیکی دکنی کی کوئی مثال ہمیں نہیں مل سکی۔ شمالی ہند کے لوگ اکثر اس مفہوم سے دھوکا کھا جاتے ہیں)

کدھیں (= کبھی) ع کدھیں بے خبر ہوئے کدھیں ہوئے ہوشیار (ق م)

"انو کا بول کدہیں ہوآتا کدہیں نہیں ہوآتا" (س ر)

متعلق فعل مکان

(۱) یہاں، یاں، وہاں، واں

(۲) جہاں، جاں، کہاں، کاں

www.taemeernews.com

(۳) اِدھر، اُدھر، وودھر، کدھر

(۴) اگے، آنگے، انگے، انگیں، آگل، اگل

(۵) بھیتر، بھتر، بھتراں، باہر، بھار

(۶) اوپر، اُپر، اُپراں، آپار

(۷) تلے، تلیں، تلار، تلہار

(۸) نزدیک، نزک، پیلار، ایلار

جاں/واں (= جہاں، وہاں)

"جاں رہے کھڑے واں قبول پڑے (س ر)

وودھر (= اُدھر) ع گھڑی کوں دل گھڑی کوں جیو یو دونوں کھینچے وودھر

(ک ع)

اگے (= آگے) (پھ ب)

آنگے (= آگے) (ک غ)

آگل (= آگے) ع جس کے آگل کسی کوں منصب نیں (ک پ)

اگل (= آگے) (گ ع)

بھار (= باہر) "اِنسے نہ بھیتر قرار نہ بھار" (س ر)

بھتراں (اندر، بھیتر) ع بھتراں کر زر کا پلو کی جیب کٹاریاں کھاڑتی

(د ہ)

اُپراں (= اوپر) ع جو بیٹھا تخت کے اپراں آکر (پھ ب)

تلیں (ک غ)

www.taemeernews.com

تلار (= تلے، نیچے) ع رات اندھیاری چھپی جاکے زمیں کے تلار
(ک غ)
تلھار (= تلے) (گ ع)
نزیک (= نزدیک) (ہ) ، نزک (ک غ)
پیلاڑ (= پرے) "یو عقل نے پیلاڑ ہے آدمی سمجھتا کیوں" (س ر)
ایلاڑ (= ادھر) "چوڑی ایلاڑ ہے" (س ر)

متعلق فعل استفہام

دکنی اردو میں حسبِ ذیل الفاظ اس کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔
کیوں، کی، کے، کیا، کاہے، کاہے کوں، کائیکوں،
کس دھات، کیوں کر۔
کی (= کیوں) ع آنگن میں کی کھڑے ہیں جیوں شمع پر تپنگ ہو
(ہ)
کے (= کیوں) ع مونین میانے بیس کے بھی کے نہ آوتے (ک م ق)
کائیکوں (= کاہے کوں کا مخفف) ع ہمیشہ کائیکوں اٹتی ہے یوں خاک
(پھ ب)

متعلق فعل سبب وعلت

جس دھات، اس دھات، اس بدل، کیا واسطہ کہ مخصوص دکنی اردو کے ہیں
اس بدل (= اس وجہ سے) "اس بدل کہتے ہیں کہ پیر کی بندگی کرو" (میراں جی خدانما)

www.taemeernews.com

کیا واسطے کہ (= اس لیے کہ) " ان دونوں کوں شہر دیدار کے نزدیک لیا ناکیا واسطے کہ لشکر ہور حشم آتا ہے " (س ر)

متعلق فعل مقدار

ایتا ، یتا ، جِتا ، جتیا ، بھوت

یتا (= اتنا) (ق م)

جِتا (= جتنا) (پھ ب)

بھَوت (= بہت) ع تمھارے ملنے کی دل میں کلولی بھوت آتی ہے (د ہ)

(یہ تلفظ قدیم اردو اور موجودہ بول چال کی زبان میں عام ہے)

متعلق فعل ایجاب و انکار

ہاں ، ہَو ، نا

ہَو (= ہاں) " ہَو تو بی کتا ہے سو اس میں ایک مانا ہے " (س ر)

(دکنی اردو میں 'ہاں' بھی ملتا ہے لیکن " ہَو " اس سے مخصوص ہے جو تا حال دکن میں رائج ہے ۔ لطف یہ ہے کہ اس کے ساتھ گردن کی جنبش نفی کے انداز میں کی جاتی ہے جو اکثر شمالی ہند والوں کے لیے غلط فہمی کا باعث بن جاتی ہے)

مرکب متعلق فعل

جب دو کلمے ایک ساتھ کسی فعل کی وضاحت کے لیے لائے جائیں۔ دکنی اردو کے خاص مرکب متعلق فعل حسبِ ذیل ہیں

(۱) کیئں کا کیئں ، کاں کاں ، آس پاسے ۔

www.taemeernews.com

(۲) جاں لگوں ، اجھوں لگ ، جَولگ ، تَولگ ، جدھاں لگ ، تدھاں لگ
(۳) جُلگ ، تُلگ ، جَولگن ، تولگن ، کَوتلک ، تَوتلک

آس پاسے (= آس پاس) ع کہ جیوں چاند کے آس پاسے نجوم (گ ع)
جاں لگوں (= جہاں تک) ع ساقی گئے ہیں جاں لگوں دھاں لگ تو جانا ہوئیگا

(۵) جُلگ / تُلگ (= جب تک / تب تک)

ے جلگ دور عالم کا باقی اچھے
تلگ یادیو بزمِ ساقی اچھے (گ ع)

جَولگن / تَولگن (= جب تک / تب تک)

"جَولگن دینا تولگن اسے حیات (س ر)

کوتلک (= کب تک) ع اچھوں میں کَوتلک روتی بلکتی (پھ ب)

الفاظ کی تکرار

دکنی اردو میں اس سلسلے میں اکثر ایک درمیانی "ے" کا اضافہ ہوجاتا ہے۔
رگے رگ (= رگ رگ) (پنج گنج : جانم) ، گھرے گھر (ک غ) جنگلے جنگل (ک غ) بَنے بَن (ک غ) ، راتے رات (پھ ب) ہاتے ہات (گ ع)

تکرار کے لیے اکثر "ں" کا بھی درمیان میں اضافہ کردیا جاتا ہے

ٹھاریں ٹھار (س ر) ، بالیں بال "آدمی کو پریشانگی ہے۔ بالیں بال" (س ر)۔
ٹھاویں ٹھاوں (س ر)

کبھی کبھی تکرار کے لیے دو لفظوں کے درمیان "الف" بھی لایا جاتا ہے۔

ع رنگا رنگے پھولاں کی ہے ہر ایک چمن کو آج فَرخ (ک غ)

www.taemeernews.com

حرف

حروفِ ربط

علامتِ اضافت : دکنی اردو میں کا - کی - کے علاوہ کیرا، کیری اور کیرے بھی بطور علامت اضافت رہے ہیں - ان کا استعمال مثنوی کدم راؤ پدم راؤ اور نوسرہار جیسی قدیم تصانیف میں ملتا ہے - لیکن وجہی نے سب رس میں کا - کی - کے - ہی استعمال کئے ہیں[1] اس کا گاہے گاہے استعمال نصرتی کے زمانے تک رہا ہے -

ع مچھندر کیرا پوت آکھور ناتھ (ک - پ - شعر ۳۶۶)
ع آنکھیں کیرا کاجل پونچھ (ن - ہ - شعر ۱۱۴۱)
ع کہ کجلی بن اُس بن کیرا نانو ہے (گ غ - ص ۱۴۲)
کیرے (گ ع) ' کرا (= کیرا) (پھ ب)

ان حروف کے استعمال کا قاعدہ یہ ہے کہ جب مضاف واحد ہوتا ہے تو "کا" یا کیرا لاتے ہیں - جمع مذکر میں 'کے' یا "کیرے" اور واحد مونث یا جمع مونث میں "کیری" لاتے ہیں - مضاف اگر جمع مونث ہو تو حرف اضافت "کی" کی جمع "کیاں" بنائی جاتی ہے

کیاں (= کی جمع مونث) ع پیاریاں شاہ کیاں مل عید کا سنگار کیتاں ہیں (ک م ق ق)

---

[1] سب رس، مرتبہ حمیرہ جلیلی، ص ۱۳۶

www.taemeernews.com

علامتِ فاعل

علامت فاعل "نے" ہے۔ لیکن یہ علامت ہر زمانے اور ہر فاعل کے ساتھ استعمال نہیں ہوتی۔ اس کے استعمال کے چند قاعدے ہیں۔ عام طور پر یہ ماضی مطلق، ماضی بعید و قریب اور فعل لازم و متعدی کے ساتھ استعمال کی گئی ہے۔

سب رس میں ماضی استمراری کے ساتھ یہ علامت کبھی نہیں آتی[1]

حرف نے "کا" استعمال کدم راؤ پدم راؤ میں مطلق نہیں ملتا[2]

(۱) ماضی مطلق کے ساتھ "نے" کا استعمال

"وہی بولیا جو خدا نے فرمایا" (س ر)

(۲) ماضی قریب کے ساتھ 'نے' کا استعمال

"خدا کے دوستاں نے بولے ہیں" (س ر)

(۳) ماضی بعید کے ساتھ 'نے' کا استعمال

"ہمت نے مکتوب لکھا تھا" (س ر)

(۴) دکنی اردو میں 'نے' فعلِ متعدی اور فعلِ لازم دونوں کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔

فعلِ متعدی: ع کیا صبح نے جَبل سوں دامن کوں چاک (گ ع)

فعلِ لازم: "رقیب نے روسیاہ نے بے نصیب نے بولیا" (س ر)

(۵) دکنی اردو میں 'نے' کا استعمال فعل جنس اور تعداد میں فاعل کے

---

[1] سب رس: مرتبہ حمیرہ جلیلی، ص ۱۳۶

[2] کدم راؤ پدم راؤ: جمیل جالبی، ص ۶۰

www.taemeernews.com

تابع ہوتا ہے۔

بلحاظ جنس: زہرہ نے جلوہ گائی (س ر)

خضر نے بی انکھیاں سوں دو نج اشارات دکھلایا (س ر)

بلحاظ تعداد: نازاں نے گھونگٹ کھولے (س ر)

دکنی اردو میں ماضی مطلق، ماضی قریب اور ماضی بعید کے ساتھ "نے" کا استعمال ضروری نہیں ہے۔ یہ اکثر حذف بھی کر دیا جاتا ہے۔

ماضی مطلق: ع راجنا کل جو خواب دیکھی میں (ک غ)

ماضی قریب: ع سکھی توں کجلٹا پن سب سٹی ہے (ک ب)

ماضی بعید: ع دو ایسے وقت شہ مجلس کیا تھا (پھ ب)

علامتِ مفعول

دکنی اردو میں علاماتِ مفعول یہ ہیں: کو، کوں، تیئں۔

(۱) مفعول ذی عقل یا جاندار ہو تو 'کوں' یا 'تیئں' علامت مفعول استعمال ہوتی ہے۔

"دل کوں صاف کرد، بہت نکو لاف کرد" (س ر)

ع خدا تیئں جا کہہ توں تو بھی کہ اس عالم کی جیوتی کوں (ک غ)

(تیئں کا استعمال شمالی ہند میں انسویں صدی تک رہا ہے۔ اب دہلی اور اس کے اطراف میں صرف بول چال میں رہ گیا ہے۔ تحریر میں متروک ہے)

(۲) اردو میں مفعول ذی عقل یا بے جان ہو، تو علامتِ مفعول استعمال نہیں ہوتی لیکن دکنی اردو میں ایسی صورت میں بھی اکثر بار یہ علامت مفعول کے

www.taemeernews.com

طور پر لائی جاتی ہے

سناراں اس انگشتری کو ایسے وقت میں گھڑے (س ر)

ع دہاں تے آیتہ الکرسی کوں پڑکر (پھ ب)

ع چھپی سو بات کوں اس سوں اٹھی بول (پھ ب)

(۳) بعض اوقات علامتِ مفعول محذوف بھی ہوتی ہے

ع خدا اپ صنع تے دیتا ہے تم ناز (ک م ق ق)

(۴) دکنی اردو میں "نے" بھی علامتِ مفعول کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ جیسے:

"نفر ہزار ہزار ہو تو بی صاحب نے اپنا داب رکھتا" (س ر)

(یہ خصوصیت ہریانوی میں آج بھی عام ہے۔ جیسے: من نے صاحب نے مار یا" = مجھ کو صاحب نے مارا)

حروفِ جار

(۱) مِیں، منَے، منیں، بھتر

(۲) سے، سوں، سو، ستی، سیتی، سیتیں، سینتھیں، تھیں، تیں، ستے، سیتھے، تھے، تے۔

(۳) تلگ، لگ، لگوں، لگن

(۴) پر، اُپر، اُوپر، اُپرال، پو، پہ

(۵) کدن، کدھن، سنگات،

(۶) تائیں، کنے

منے: ع توں جامع فضائل منے سب ہوا (گ ع)

www.taemeernews.com

منیں : ع پکڑ غصے سنی داناں منیں لب (پھ ب)

بھتر: (ک.م.ق.ق) ، سوں : (س ر)

ستی : ع الہی غیب کے پردے ستی توں (پھ ب)

سیتی : ع گلِ مصطفےٰ سیتی سیرا گندھا کر (ک م ق ق)

تھیں : ع ہمارا درد تمن دوری تھیں ہے گاڑا سخت (ک م ق ق)

تیں : ع زمیں تیں نشکر جب بھار آیا (پھ ب)

سیتھے : ع ہوا پرگٹ جدھاں سیتھے دینا ہور دین قدرت سوں (ک م ق ق)

تھے : (ک.م.ق.ق) ، تے (س ر)

لگ : (= تک) (س.ر)

تلگ : (ک.م.ق.ق) ، لگ (گ ع) ، لگوں (د ہ) لگن (س ر)

اُپرال (= اوپر) ع جو بیٹھیا تخت کے اُپرال آکر (پھ ب)

پو (= پہ) "موں پو مسجد دل میں بت خانہ" (س ر)

کدن (= طرف) (د - ہ) کدھن (پھ ب) (س ر)

نزک (= نزدیک) (گ ع) تائیں (= واسطے)

ع تیرے تائیں ہوئی ہے یو بدنام یاں (ق م)

سنگات (س ر)

حروفِ عطف

(۱) اور ، ہور ، و ، کیا

ہور (اور) ع تو نچہ ان کا ما ہور باپ (ن ہ ، شعر ۲۴۵)

www.taemeernews.com

ع دین ہور دینا اُنن اسلام تھے پایا رواج (ک م ق ق)

"خیال ہور نظر" (س ر)

د (اُور : واؤ عطف فارسی)

دکنی اردو میں یہ دو ہندی الفاظ اور ایک ہندی ایک فارسی کے درمیان بھی آتا ہے۔

"خدا میں د اس کی قدرت میں" (ک ج ص ۲۶) "مرنا د جیونا" (ک ج)

گن د گیان (ک م ق ق)

(یہ رجحان دہلی کے متقدمین شعرائے اردو تک میں رہا ہے)

کیا: "کیا عورت کیا مرد جس میں ہے کچھ عشق کا درد" (س ر)

حروفِ استدراک

ولے، پَن، امّا، مگر، گرچہ، بلکہ پَن (= پر) "بات جدا پَن بھید ہیچ" (س ر)

(دیگر جدید اردو سے اشتراک رکھتے ہیں)

حروفِ استثنار

بن، بِنا، باج، بغیر، بغر، بجز

بِنا[1] (= بن، بغیر) ع قلیہ بریجی خاگینہ کیوں کھاؤں میں ساقی بِنا (د ہ)

باج (= بغیر) ع پیا باج پیالہ پیا جائے نہ (ک م ق ق)

---

[1] ماخذ : ہریانوی

www.taemeernews.com

حروفِ تخصیص

ہر، بھی، بی، تو، ہی، ۔"چ"

ہرایکس (ہرایک) "ہرایکس پاس کون منگ لیتا (س ر)

(ہر کے ساتھ ایکس کا استعمال صرف اشخاص کے لیے مخصوص ہے۔ بے جان اشیاء کے استعمال نہیں ہوتا)

تو: ع تونا کہے تو کون کہے عندلیب (ک غ)

چ: (تاکیدی یا تخصیصی)

"نکو" کی مانند دکنی اردو کے لیے کلیدی حرف کا حکم رکھتی ہے۔ یہ علامت مراٹھی سے مستعار لی گئی ہے۔ گجراتی میں یہ "ج" کی شکل میں آتی ہے۔ شمالی ہند کی اردو میں یہ معدوم ہے۔ بجز اسمٰعیل امروہوی کے[1] اس سلسلے میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اسمٰعیل نے عالمگیر کے لشکری کی حیثیت سے اپنی زندگی کے بیس پچیس سال نواحِ اورنگ آباد میں گزارے تھے۔ تاہم "چ" تخصیصی کا استعمال اسمٰعیل نے بھی شاذ کیا ہے۔

؎ وہی آب ابریق موں تھا تمام
کہ تھا آب کوثر اسی کا چ نام

ورنہ قدیم وجدید دکنی اردو میں یہ تخصیصی حرف اسم، فعل اور حرف ہر ایک کے ساتھ مرکب آتا ہے اور کثرت سے استعمال ہوتا آیا ہے نظامی نے بھی

---

[1] اسمٰعیل کی دو قدیم مثنویاں (۱) وفات نامہ بی فاطمہ (۲) مثنوی معجزۂ انار) مرتبہ نائب حسین نقوی، لکھنؤ ۱۹۷۰ء

www.taemeernews.com

اپنی مثنوی کے دو شعروں میں استعمال کیا ہے۔

ع نہ بھادے مجھے وہ جو میراج باپ (ک۔پ۔شعر۲۲۸)

ع اِکایک کہیا تو نچہ میراج سیکھ (ک۔پ۔شعر۵۵۴)

مزید مثالیں

ع تو نچہ ان کا ماہور باپ (ن۔ہ، شعر۲۳۵)

"دے حیران ہوئیں گے کہہ نا سکیں گے کہ یو نچہ ہے یا ایساج ہے" (س ر)

ع جدھر دیکھوں تو فریاد آج سب تیراج ہوتا ہے (گ ع)

ع سو ویساج تس پر پڑے آسبب (گ ع)

(سنسکرت میں اسکا ماخذ "جَ ایوَ" ہے)

حروفِ تشبیہ و مثال

نادَ، سار، نمن، نمنے، مانند، جانو

نادَ: ع فلک کے نادکس جاگے پہ ناٹھار (پھ ب)

نمن: ع کیا دکھ سو دندیاں نمن جگ تے بھار (گ ع)

نمنے: ع رگے رگ وہ خوش روح نمنے سرس (گ ع)

"کر" کا مخصوص استعمال

دکنی اردو میں 'کہہ کر' کا مخفف 'ککر' استعمال کرتے تھے۔ یہ علامتِ معطوف کے علاوہ (جیسے 'پھاڑکر') ککو (کہہ کر۔ککر) کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔

ع نکو جانو جھاڑاں کو ہیں جھاڑکر (ق م)

www.taemeernews.com

ع ساقی ہمارے گئے وہاں جو ملک ہے ملبار کر (د ہ)

یعنی "لگر" = کہہ کر

اسی طرح موجودہ دکنی کا ایک عام کلمہ 'بول کر' ہے جو کہہ کر (= لگر) ہی کے معنوں میں مستعمل ہے۔

"شراب تو خوب ہے دے ستی اُسے بُرا بول کر ڈراتے" (س ر)

نحوی خصوصیات

دکنی اردو کی نحوی خصوصیات جاننے کے لیے ہمارے پاس نثر کے کافی نمونے نہیں ہیں۔ چوں کہ دوسری زبانوں کے مانند دکنی اردو کا قدیم ادب منظوم ہے اس لئے جملوں کی بناوٹ کا صحیح علم حاصل نہیں ہوتا۔ پھر قدیم نثر پر عربی فارسی کی نحوی ساخت کی خاصی چھاپ رہی ہے۔ نثر کے قدیم رسالوں میں سے اکثر فارسی عربی سے ترجمہ ہیں یا تلخیص ہیں اس لیے ان کے مصنفین کا اصل عبارت سے متاثر ہو جانا ضروری ہے۔ دکنی اردو کی نثر کا سب سے اعلیٰ اور جامع نمونہ ہمیں وجہی کی سب رس میں ملتا ہے لیکن مرصع و مقفیٰ نثر ہونے کی وجہ سے اس میں دکنی کی نحوی ساخت چھپ جاتی ہے۔ عربی فارسی نحو کے اثرات اس قسم کے جملوں سے ظاہر ہیں۔

(۱) ایسا اس تن میں جان تو سب چیزاں پر دوکھ سوکھ، مرنا جیونا دک ح ۲۴

(۲) سوال، او کہاں تھا کہیں تو تعلقات جا گا سوں دھرتا تھا بھی ہا دک ح ۲۲

(۳) خدا کہا نماز کے نزدیک نکو ہو مستی کے حال میں (معراج العاشقین)

(۴) انوں بی نماز کرتے اپنے اپے (معراج العاشقین)

www.taemeernews.com

اس دور میں جملے کے نصف اوّل میں صفت کی صورت میں جملے کے جز کو استعمال کرنے کا میلان بھی نظر آتا ہے۔

"جسے کپڑے سو اس کی آستین میں پیکے تھے" (شکارنامہ)

"ہور درود اپنے رسول پر بھیجنا اور ان کے فرزندوں پر ہور سب امت کے خاصاں پر" (شرح مرغوب القلوب)

سولھویں صدی عیسوی سے دکنی نثر کے جملے کی بناوٹ زیادہ باقاعدہ ہونے لگی۔ آج کل کی اردو کے مطابق اس میں بھی

(۱) جملے میں فاعل پہلے، پھر مفعول اور آخر میں فعل آتا ہے۔

(۲) فعلِ ناقص مبتدا اور جز کے بعد آتا ہے۔

(۳) صفت موصوف سے پہلے آتی ہے۔

(۴) متعلق فعل عام طور پر فعل کے پہلے آتا ہے۔

(۵) حروف نجائیہ جملے کی ابتدا میں آتے ہیں۔

(۶) حروفِ تخصیص کلمے کے ساتھ آتے ہیں۔

البتہ 'مطابقت' میں دکنی اردو اور جدید اردو میں کافی فرق پایا جاتا ہے۔

(۱) موجودہ اردو میں فعل متعدی اپنے مفعول کے تابع ہوتا ہے۔

"میں نے روٹی کھائی" "ہم نے روٹی کھائی" "ہم نے روٹیاں کھائیں" "اس نے روٹیاں کھائیں"۔

(۲) دکنی اردو میں فعل متعدی اپنے فاعل کے تابع ہوتا ہے۔

www.taemeernews.com

ماضی مطلق فعل متعدی کھانا [1]

	واحد مذکر	واحد مونث	جمع مذکر	جمع مونث
متکلم	میں روٹی کھایا	میں روٹی کھائی	ہم روٹی کھائے	ہم روٹی کھائے، کھائی، کھائیں، کھائیاں۔
حاضر	تو کھانا کھایا	تو کھانا کھائی	تم کھانا کھائے	تم کھانا کھائے
غائب	وہ آم کھایا	وہ روٹیاں کھایا	وہ روٹیاں کھائے	وہ روٹیاں کھائے، کھائیں، کھائیاں۔

(۳) ضمیر اپنے مرجع کے تابع ہوتی ہے۔

(۴) جمع مونث کا اثر امدادی فعل تک پہنچتا ہے۔

"جو کچھ باتاں بولنے کیاں تھیاں" (س ر)

(۵) صفت اپنے موصوف کے تابع ہوتی ہے

ع کچیاں کونلیاں کنواریاں ناریاں کلیاں کو نوروز آیا (م۔ق۔ق۔ص ۱۳۰)

(۶) اردو میں علامتِ اضافت جنس میں اپنے مضاف کے مطابق آتی ہے لیکن دکنی اردو میں جنس میں مطابقت کے علاوہ جمع مونث کی صورت میں علامتِ اضافت کی بھی جمع بنائی جاتی ہے۔ جیسے: "انوکیاں انکھیاں"، "محبت کیاں چار باتاں" "جیو کیاں پیاریاں" "نازکیاں باتاں" (س ر)

[1] دکنی زبان (مشمولہ اردوئے معلی جلد سوم، شمارہ ۴، ۵): عبدالقادر سروری

www.taemeernews.com

(۷) جمع موصوف کے ساتھ صفت اشاری واحد استعمال ہوتی ہے، جیسے:
"اس لوکاں کا کیا جاتا" "اس باتاں سوں ہمنا کیا کام" "اس مستیاں کوں کیا کنا" (س۔ر)

(تشریح: جمع مونث کا اثر صفت اور فعل پر شمالی ہند کی قدیم اردو میں بھی پایا جاتا ہے لیکن علامت اضافت کی جمع کی کوئی مثال شمال کی اردو میں نہیں ملتی۔ یہ غالباً دکنی اردو میں بھی بہت جلد متروک ہوگئی تھی۔ سب رس تک میں وجہی نے بعض اوقات اس سے انحراف کیا ہے: مثلاً
"نظر کی انکھیاں باندیا" (بجائے نظر کیاں انکھیاں باندیا)
اردو کے عہد بعہد کے نحوی ارتقا کی تشکیل حسب ذیل جملے میں تبدیلیوں کے ساتھ دکھائی جا سکتی ہے:

(۱) جواہرات کیاں رنگ برنگیاں کوٹھریاں بھریاں تھیاں (دکنی اردو)
(۲) جواہرات کی رنگ برنگیاں کوٹھریاں بھریاں تھیاں (سترھویں صدی کی اردو)
(۳) جواہرات کی رنگ برنگی کوٹھریاں بھریاں تھیں (اٹھارویں صدی کی اردو)
(۴) جواہرات کی رنگ برنگی کوٹھریاں بھریں تھیں (انیسویں صدی کی اردو)
(۵) جواہرات کی رنگ برنگی کوٹھریاں بھری تھیں (جدید اردو)

www.taemeernews.com

شمالی ہند میں اُردو (۱۷۰۰ تا ۱۸۵۷ء)

شمالی ہند میں ۱۷۰۰ء تک 'ریختہ' کی شکل میں کھڑی بولی کا ادبی ارتقا ہو چکا تھا لیکن برج بھاشا کی ادبی حیثیت ابھی تک مسلّم تھی۔ شاہ جہاں کی آگرے سے دہلی واپسی (۱۶۴۸ء) کے بعد ممکن ہے زبانِ دہلی کو اورنگ زیب اور مہمیز ملتی اگر اورنگ زیب ۱۷۸۲ء کے قریب دکن جا کر وہیں کا نہ ہو رہتا۔ درحقیقت شاہ جہاں آباد ابھی مکمل طور پر ادبی و لسانی مرکز بننے بھی نہیں پایا تھا کہ اورنگ آباد آباد ہو گیا۔ ۱۶۸۶ء اور ۱۶۸۷ء میں اورنگ زیب کی فتح بیجاپور اور گولکنڈہ کے بعد شمال و دکن کے تہذیبی باب پھر کھل گئے۔ اس زمانے میں شعراء، ادباء اور اہلِ علم کی جس قدر آمد و رفت دہلی اور دکن کے درمیان رہی ہے اس کی نظیر کسی اور زمانے میں نہیں ملتی۔

۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب حکمرانی کی ایک طویل مدت ختم کرنے کے بعد راہی ملک عدم ہوتا ہے۔ بادشاہت پھر لال قلعہ اور دہلی کو لوٹ آتی ہے۔ اس وقت 'زبانِ دہلی' تخلیق کے لیے تیار تھی۔ لوگ فارسی سے ادب چکے تھے۔ اسی زمانے میں (۱۷۲۰ء) ولی کا دیوان دہلی پہنچا تو وہاں کے کوچہ و بازار میں ایک ہل چل سی مچ گئی۔ جوشِ تتبع میں دہلی کے شعرا نے نہ صرف ولی کے اسلوب شعر کی پیروی کی بلکہ اکثر ولی کی زبان کے ایسے متروک الفاظ تک استعمال کر گئے جو "بموافق محاورۂ شاہ جہاں آباد" نہ تھے۔ مثلاً کم از کم ایک شاعر نے دکنی اردو کے کلیدی لفظ نکو (حرفِ تخصیص) کو اپنی غزلوں میں جگہ دی جس سے

www.taemeernews.com

زبانِ دہلی بالکل ناآشنا تھی، اس لیے کہ دکنی میں یہ مراٹھی سے مستعار آیا ہے۔

کیوں صحبتِ بداں میں نکو روئے بیٹھ کر
بدلے ہے طور غم ستی یکرو کا جی گھٹا

مجھ کوں واعظ نکو نصیحت کر یار جس سے ملے بتا دو فن (یکرو)

شمالی ہند کے پہلے صاحب دیوان شاعر جمیل جالبی[1] کے مطابق شاہ مبارک آبرو (۱۷۳۳-۱۲۸۴ء) ہیں نہ کہ نواب صدرالدین فائز۔ وہ اٹھارویں صدی کے آغاز کی زبانِ دہلوی کے پہلے نمائندے ہیں۔ اس سے قبل جن شعرا کی زبان سے ہم نے بحث کی ہے (محمد افضل افضل اور روشن علی) ان کا تعلق نواحِ دہلی سے تھا۔ ایک کا نارنول (ہریانہ) اور دوسرے کا، سہارن پور، سے۔ اسی لیے ان کی زبان غیر متعین اور غیر معیاری ہے۔ لیکن آبرو کی زبان کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا اس لیے کہ وہ دہلوی تھم دہلوی ہیں۔ ہر چند یہ زبان شاعری کی زبان ہے جو بول چال کی زبان سے کافی مختلف ہوتی ہے لیکن تمام زبانوں کے عہد بعہد ارتقا کی داستان کی بنیاد بہرحال ان کا تحریری ادب ہی ہوتا ہے۔ جمیل جالبی کا یہ خیال کہ "آبرو کی زبان اور دکنی اردو میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں"[2] صحیح نہیں۔ اگر دکنی اردو سے ان کی مراد ولی کی زبان ہے تو ان کا یہ بیان کسی حد تک صحیح ہے لیکن اگر اس سے مراد محمد قلی قطب شاہ اور نصرتی کی زبان ہے تو دونوں کے محاورے اور قواعد میں اسی قدر فرق

---

[1] تاریخ ادب اردو، ص ۲۰۷
[2] تاریخ ادب اردو، جلد اول، ص ۲۳۲

www.taemeernews.com

ہے جس قدر کسی زبان کے ارتقا کے تین سو سال میں ہونا چاہیئے۔ اورنگ آبادی اردو (خصوصاً دلّی اور سراج کی زبان) تو درحقیقت عالم گیر کے عہد کی "شاہ جہاں آبادی"، ہی کی ایک شکل ہے جس میں وجہی اور نصرتی کی زبان کی صرف باقیات مل جاتی ہیں۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول کی زبان (جس کے آبرو پہلے نمائندے ہیں) اس صدی کے نصف دوم کی زبان دہلی اور دکنی اردو کے اورنگ آبادی روپ کے درمیان کی کڑی کہی جا سکتی ہے۔ حسب ذیل اسکی لسانی خصوصیات ہیں۔

صوتیاتی خصوصیات

(۱) تخفیفِ مصوتہ اس کی بھی خصوصیت ہے لیکن اس حد تک نہیں جس حد تک ہم دکنی اردو میں مطالعہ کرتے آئے ہیں۔ اسی نسبت سے اس میں مشدد الفاظ بھی اس کثرت سے نہیں ملتے جس قدر محمد قلی قطب شاہ، وجہی، نصرتی یا شمال میں روشن علی کی زبان میں پائے جاتے ہیں۔ ڈیڑھ سو سال تک (۱۵۰۴ تا ۱۶۴۸) آگرہ دارالسلطنت رہنے کی وجہ سے اردو میں تخفیفِ مصوتہ اور نتیجتاً مشدد الفاظ کے استعمال میں کمی آجاتی ہے۔ نوادرالالفاظ (۱۷۵۱ء) میں خانِ آرزو کا جو ردِّ عمل ہریانوی عبدالواسع ہانسوی کے تلفظ کے خلاف ملتا ہے وہ اسی کی نشان دہی کرتا ہے۔ تاہم تخفیفِ مصوتہ کی خاصی مثالیں اس عہد کے شعراء و مصنفین کے یہاں مل جاتی ہیں[1]:

---

[1] اس عہد کی اردو کی مثالوں اور حوالوں کے لیے مرزا خلیل احمد بیگ کے گراں قدر پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے "شمالی ہند کی اردو کی تاریخ قواعد (۱۶۰۰ تا ۱۸۰۰ء)" (انگریزی) سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے ابھی تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔

www.taemeernews.com

(۱) چندنی (چاندنی، دف)، جگہ (ق م د) (اس عہد کے دیگر تمام مصنفین کے یہاں "جاگہ" ہے)، چدریں (ق م د)، گل (= گال، دف) سُرج (= سورج، دف)، چُٹ (= چوٹ، ک م) توں توں (= یتوں یتوں، ک م)

(۲) اس کے برعکس مختصر مصوتوں کو طویل مصوتوں میں بدل دینے کا رجحان بھی جاری رہا ہے۔

جاگہ (دآ، ک م)، پھیر (= پھر، ک ز، دآ، اح، دن، ک م)، ناہیں (دف)، باتی (ک ز) پاتی (دف، ق م د) لوہو (دآ، اح، ک م) راکھنا (دف، اح)، ہانسی (= ہنسی، ق م د) پات (دف، ق م د)، پھاندا (دف)، پھاٹنا (دن) لاگا (دف، دن، ک م)، ماٹی (یہ لفظ دکنی اردو سے لے کر اٹھارویں صدی کے تمام مصنفین کے یہاں اسی تلفظ کے ساتھ ملتا ہے۔ اسکا 'مٹّی' تلفظ بہت بعد کا ہے۔) آنکھیاں (دح)

ع سبزی یہ پشتِ لب کی تری آنکھیاں سوں دیکھ (دیوان قدیم: حاتم)

دیوان زادہ (۱۷۵۵ء) میں حاتم نے یہ مصرع بدل کر یوں کر دیا ہے۔

ع سبزے میں پشتِ لب کے ترے عکسِ رنگ پاں [۱]

(۳) مصوتوں کو انفیانے کا رجحان اب تک بہت عام تھا:

لچھمیں (= لچھمی، ک ز)، ملّاں (دآ)، کرناں (دآ) کوں (ک ز، دآ، دن، اح)، نیں (= نے، دا، ق م د، ن ط م)، سیں (= سے، دآ، اح، دف، دن، ق م د) تکوں (= تو، دا، اح، ن ط م تقریباً سب

---

[۱] انتخاب حاتم: مرتبہ عبدالحق: ص ۲۸/۱۲۷

www.taemeernews.com

مصنفین کے یہاں) سانون (= ساون دن، ق م د) ' آگیں (اح) ' تیں (دف، ق م د) ' پریں (= پڑی، ق م د) ' مرناں (دا) ' پہلیں (اح، ق م د) ' کونچ (ک ک) پینیے (= پیسے، ک ک) ' نانک (ق م د) ' نانچ (ق م د) ہوناں (ق م د) ' تیریں (ق م د) میریں (ق م د) ' سپناں (ق م د) جاماں (اح) - اعداد میں بھی یہ انفیت ملتی ہے ۔ کربل کتھا میں یہ اعداد آئے ہیں: گیارنہ (گیاراں) ' بارنہ (باراں) ' تیرنہ (تیراں) چودنہ (چوداں) ' سترنہ (ستراں) ' اٹھارنہ (اٹھاراں) (جو آج بھی اہل دہلی کے تلفظ کی خصوصیت ہے۔ ان میں غنہ ہائے مختفی = (-اں)

(۴) اس کے برعکس غنہ کو حذف کر دینے کی مثالیں بھی اس عہد میں مل جاتی ہیں - یہ خصوصیت دکنی اردو میں بھی پائی جاتی ہے ۔

نید (= نیند، ک ک، ق م د) ' قیچی (= قینچی، ق م د) مگانا (ق م د) ' کوا[1] (ق م د) ' لیڈی (= لینڈی، ق م د) ما (= ماں، ق م د اور دیگر مصنفین کے یہاں بھی - باغ و بہار میں "ماباپ" ہے[2]) مہدی (مینہدی، ق م د) مُدنا (= مندنا، ق م د)

(۵) ساکن کو متحرک بنا دینا' یہ رجحان روشن علی جیسے قصباتی شاعروں کی حد تک تو نہیں لیکن "فصحائے دہلی" بھی عوامی تلفظ کے دباؤ پر اس سے نہیں بچ سکے ہیں ۔

---

[1] ماخذ: ہریانوی (بانگرو کی توضیحی قواعد: جگ دیو سنگھ، ص ۲۵۳)
[2] ماخذ: ہریانوی (ایضاً ص ۲۳۲)

www.taemeernews.com

نَبضَ (اح) ، نَذَر ع دل کو نَذَر کرو تب اوس اوپر نظر کرو (اح) ۔
گَرَم (اح ۔) نَیَن ، رَیَن ، حُسَن دف)

(۶) متحرک کو ساکن بنانے کی خصوصیت پنجاب میں عام ہے اس کی چھوٹ کبھی کبھی "مرزایانِ دہلی" تک پہنچ جاتی ہے ۔

مَرَض ع اب تک یہ مَرَض عشق کا پایا نہیں ہنوز (اح)
پَلک ، ہرَن ، کِرَن (دف)

(۷) درمیانی (ہ) اور نفسی (ھ) کو حذف کر دینا دکنی اردو کی عام خصوصیت رہی ہے ۔ دہلی اور اس کے نواح کی بولیوں میں بھی تلفظ کا یہ عمل شدت سے ملتا ہے ، جو بول چال کی اردو میں آج بھی موجود ہے ۔ قدمائے دہلی اسے شعر میں بھی باندھ دیتے تھے ۔

نیَں (= نہیں ـــ حاتم ، ناجی بلکہ تمام شعرائے متقدمین اور فضلی اور عیسوی بخاں کے یہاں یہ تلفظ موجود ہے ۔) راک (= راکھ ، دف) کاچن (= کاچھن دف) ، پنکڑی (= پنکھڑی ، دف) تجُ ، مجُ ، سانجَ (ک ک)

(۸) اس کا الٹا رجحان یعنی ہائے مخلوط (ھ) کا اضافہ بھی کر دیا جاتا ہے ، جیسا کہ ہم دکنی اردو میں دیکھتے آئے ہیں ۔ یہ پنجابی ، ہریانوی اور برج بولیوں کی بھی خصوصیت ہے ۔

گھیو (= گیہوں ، ک ز) ، بگھوے (= بگوے ، د ا) تڑپھنا (= تڑپنا د ا ، اح ، ک م) چیلھ (= چیل ، نوادر) ـــــــ پرگھنا (= پرگنہ ، دف) ، جھوٹھ جھوٹھا (ک ک) ہونٹھ (= ہوں ، ق م د) کلھ (= کل دف ، ک ک ،

www.taemeernews.com

ق م د) بھابھی (نوادر)، دھوکھا (نوادر)، ہوٹھ (ک م) بھیکھ (ک م) مچھلکا (ک م)، بھل (= بل ک م)،

(۹) دکنی اردو میں "ق" کا تلفظ "خ" کیا جاتا ہے۔ یہ خصوصیت شمالی ہند کی قدیم وجدید زبان میں گاہ گاہ مل جاتی ہے:

مذاخ (= مذاق، دا، ق م د، ب ب)

ع عاشق ستاونے کو سمجھتا ہے کیا مذاخ (آبرو)

دہلی اور اس کے نواح میں عوام آج بھی وَخَت (وقت)، صندوخ (صندوق)، بندوخ (بندوق) اور اتفّاخ (اتفاق) بولتے ہیں۔

(۱۰) 'عربیت' کے زیر اثر کبھی کبھی 'ک' کا تلفظ 'ق' بھی کر لیا جاتا ہے:

گاھق (= گاہک) ع گاھق جو اس بازار میں کے ہیں (آبرو)

(دہلی کی کرخنداری اور عوامی بولی میں کبوتر کو "قبوتر" کہہ لیتے ہیں)

(۱۱) (ڑ) پر (ڈ) کو ترجیح۔ برج بھاشا کے زیر اثر اردو کا صوتی سفر (ڈ) سے (ڑ اور ر) کی جانب ہوا ہے۔ جیسے ٹھڈّی سے ٹھوڑی، گڈی سے گاڑی، گڈھا سے گڑھا، پھلواڑی سے پھلواری، کڑوڑ سے کرور

لیکن قدیم اردو میں (ڈ) کی نمایاں حیثیت قائم تھی:

کاڈھ (کاڑھ) (دا) بڈھاؤنا (= بڑھانا، نوادر)

بڈھئی (بڑھئی، ک ک)، بڈھیا (= بڑھیا، ک ک) بوڈھا (= بوڑھا ک ک)، بڈھاؤں (= بڑھاؤں ک ک) بڈبس (= بڑبس — نوادر) پاڈہ (= پاڑہ — نوادر)، ڈیوڈھی

www.taemeernews.com

(= ڈیوڑھی ـــــ نوادر) ماڈھی (= ماڑھی ـــــ نوادر)

'ڑ' کا 'ر' میں تبدیل ہو جانا

جھری (= جھڑی) لال بادل کی تجھ جھری ہے یاد (فائز) (قافیہ پری' سرسری وغیرہ)

صرفی خصوصیات[1]

جنس

تذکیر و تانیث کے نقطۂ نظر سے اس عہد کی اردو موجودہ اردو سے حسب ذیل الفاظ میں مختلف ہے :

مذکر : بہار (دف) ' جان (دا ، اح ، ک ک ، ک م)

(یہ لفظ دکنی اردو سے مسلسل مذکر استعمال کیا گیا ہے ۔ دکنی اردو میں اس کا مترادف 'روح' بھی کلمۃ الحقائق میں مذکر استعمال ہوا ہے)

' سوگند (ک ک) غرض (ک ک) ' اصل (ک ک) ' آیت (ک ک) راہ (ک ک) ' دحی (ک ک) ' پرواز (ک ک) کمر (ک ک) سیر (ک م) شام (ک م) '

---

[1] "چند بے قاعدگیوں اور شاعرانہ آزادیوں کو چھوڑ کر اُن کی (فائز کی) زبان اور موجودہ اردو میں صرف و نحو کے اعتبار سے کوئی خاص فرق نہیں ہے " مسعود حسن رضوی ("فائز دہلوی اور دیوان فائز" میں ص ۱۴۴)

" یہ بیان صحیح نہیں جیسا کہ صرف فائز بلکہ اسکے معاصرین کی زبان کے تجزیے سے بعث ثابت ہوتا ہے "

مسعود حسین خاں

www.taemeernews.com

تعداد

اردو میں مختلف حالتوں میں جمع کے لیے مختلف علامتیں لگائی جاتی ہیں۔ لیکن ان میں سب سے اہم تبدیلیاں وہ ہیں جو جمع کی حالت میں حرفِ ربط آنے سے پیدا ہوتی ہیں۔

مذکر اسماء میں جمع کے لیے آخر میں (-وں) بڑھا دیا جاتا ہے۔ جمع کی یہ شکل اٹھارویں صدی میں ابتدا سے زبان میں رائج نظر آتی ہے۔ یہ کھڑی بولی کی معیاری شکل ہے جس کا بھرپور استعمال ہمیں روشن علی کے عاشورنامہ میں ملتا ہے جو ۱۶۸۸ء کی تصنیف ہے۔ اس دور کے شعراء مصنفین نے ہریانوی (-اں) کی علامتِ جمع کے ساتھ ساتھ اس کا بکثرت استعمال کیا ہے۔ یہ ایسے الفاظ میں جن کے آخر میں (ا) یا (ہ) ہوتی ہے، حرفِ ربط آنے سے جمع میں اِن کا الف یا (ہ) گر جاتا ہے جیسے لڑکا سے لڑکوں، پردہ سے پردوں۔ جمع مونث کا (اں) یا (ی ں) بھی (-وں) سے بدل جاتا ہے، جیسے لڑکیوں نے، دھوبنوں نے۔ جن الفاظ کے آخر میں (واو) ہوتی ہے، خواہ وہ مذکر ہوں یا مؤنث حرفِ ربط کے آنے سے ان کی جمع دونوں صورتوں میں ایک ہی ہوتی ہے، یعنی آخر میں (-وں) بڑھا دیا جاتا ہے جیسے جوروؤں، آرزوؤں، ہندوؤں۔ اٹھارویں صدی سے (وں) کی جمع کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں:

انکھیوں (دا)، رقیبوں (دا) آرزوؤں (دا) محبتوں (دا) دشمنوں (دا) چھپتیوں کے کواڑ (= چھاتیوں کے کواڑ — دا)، کاندھوں (دا)

۱۔ قواعد اردو: عبدالحق

www.taemeernews.com

گردنوں (د ا)

شاہ حاتم کے دیوانِ قدیم میں (- وں) کی جمع پر مشتمل قافیہ میں ایک مکمل غزل موجود ہے۔ جس کا مطلب صاف ہے کہ ۲۹، ۱۷۲۸ء سے قبل (جو حاتم کے دیوانِ قدیم کی تکمیل کی تاریخ ہے) دہلی کا شاعر (وں) کی جمع کا عام طور پر استعمال کرنے لگا تھا

؎ دل کیا ٹکڑے نَینَ ابرو کے تلواروں سیتی
کیون اَڑے تھا جاکے یہ ہشیار مے خواروں سیتی [1]

دیگر قوافی یہ ہیں: خاروں، چاروں، ماروں، یاروں ایک اور غزل (ص ۱۲۰) کے قافیے نگاہوں، راہوں، شاہوں، آہوں اور گناہوں میں ایک دوسری غزل میں (ص ۱۹۱) میں انکھیوں، رقیبوں کے ساتھ ساتھ مفرد طور پر غزالاں، عاشقاں اور زلفاں غالباً فارسی کے زیر اثر (یا دکنی اردو کی لسانی روایت کے مطابق) استعمال کیا ہے۔ ایک دوسری غزل (ص ۱۸۴) میں فوجاں اور کماناں کے ساتھ ہندی بھنواں استعمال کیا ہے۔ (وں) کی جمع کس طرح (اں) کی جگہ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں لے رہی تھی اسکا بہترین مظہر حاتم کے دیوان زادہ (۱۷۵۵ء) کی اصلاحیں ہیں۔ دیوانِ قدیم (۱۷۲۸/۲۹ء) کی غزل کے ایک مصرعے کی اصلاح اس طرح کی گئی ہے:

دیوانِ قدیم: ع شوخ کی انکھیاں گلابی آج ہیں مثلِ شراب

---

[1] انتخاب حاتم (دیوانِ قدیم): مرتبہ عبدالحق۔

www.taemeernews.com

دیوان زادہ: ع شوخ کی آنکھیں گلابی آج ہیں مثلِ شراب (ص ۱۰۶)[1]
ایک دوسری غزل میں "انجھواں" کو بدل کر "آنسو" کر دیا ہے (ص ۱۰۰)
مزید الفاظ: خطروں (حاتم (قدیم)، عاشقوں (حاتم (قدیم)،
ایک ہی قدیم غزل میں چشموں اور بھنواں (ص ۱۱۹)
شعر کی زبان عموماً روایت پسند ہوتی ہے۔ پھر دہلی کے متقدمین شعرا کے سروں پر ولی کا سحر سوار تھا لیکن اسی عہد کے نثر نگار فضلی نے کربل کتھا (۱۷۲۲/۲۳ء) کی زبان میں اس بات کا مکمل ثبوت دیا ہے کہ اردو کی مسلّم جمع کا قاعدہ (وں) کا ہے نہ کہ (اں) کی علامت کا۔ فضلی کے یہاں صرف دو ہندی نژاد الفاظ ایسے ہیں جن کی جمع (اں) کی علامت سے بنائی گئی ہے: اونٹاں (۲۱۸) اور گھاواں (جمع گھاؤ — "گھاواں بے شمار — ص ۱۱۳)

ان کے برعکس فضلی کا صیغۂ جمع ہمیشہ (وں) کا ہوتا ہے: رخساروں ۴۷، جنوں ۴۷، مصیبتوں ۴۷، آنکھوں ۴۸ فرزندوں ۴۹، دشمنوں ۵۱، یتیموں ۱۲۶، گھروں ۴۷ لڑکوں ۶۰، اصحابوں (جمع الجمع جو بار بار آیا ہے) ۶۲، مردوں ۶۵ عورتوں (عموماً عورات استعمال کیا ہے) ۶۶، مومنوں ۶۷

ان الفاظ میں ہندی، فارسی یا عربی الفاظ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے جیسا کہ بعض اس دور کے شعرا کے یہاں مل جاتی ہے۔
قصہ مہر افروز و دلبر (تقریباً ۱۷۵۴ء) میں جمع کی بیشتر شکلیں (وں) سے

---

[1] انتخاب حاتم (دیوان قدیم): عبدالحق۔

www.taemeernews.com

مرکب ہیں۔ البتہ ایک آدھ (اں) کی جیسے بھواں اور برج بھاشا کے تتبع میں ایک آدھ (ن) کی بھی مل جاتی ہیں جیسے: آنکھن (= آنکھوں) (ص ۱۱۹)۔
(وں) کی جمع کی بعض مثالیں:

بادشاہوں ، امیروں، پتلیوں، جھولوں، پانوؤں، نادانوں، محلوں، خواروں، درختوں، پھلوں ، پھولوں ، پریوں، نصیبوں، دیوؤں، بنگلوں، پیاروں، بھالوں، پھاگروں، حوضوں، نقاروں۔

ان میں ہندی، فارسی یا عربی الفاظ کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔

فائز کی زبان کے سلسلے میں مسعود حسن رضوی نے یہ خیال ظاہر کیا ہے —

"فارسی اور عربی لفظوں کی جمع فارسی قاعدے کے مطابق بغیر فارسی ترکیب کے بھی استعمال کی گئی ہے مثلاً زلفاں، حوراں، نظراں ، اس سے بڑھ کر یہ کہ ہندی لفظوں کی جمع اکثر فارسی قاعدے کے مطابق بنائی گئی ہے"

میرے خیال میں یہ لسانی توجیہہ صحیح نہیں۔ دراصل "اں" کی جمع کا قاعدہ فارسی تک محدود نہیں۔ یہ پنجابی اور ہریانوی تک میں رائج ہے اور اس کا رشتہ قدیم پراکرت سے ملتا ہے۔ یہ محض اتفاق ہے کہ اس اعتبار سے فارسی اور ہندوستان کی مذکورہ بالا بولیوں میں اشتراک پایا جاتا ہے۔ دکن کے بعض محققین نے بھی، ہند آریائی زبانوں کے ارتقا کی تفصیلات پیشِ نظر نہ ہونے کی وجہ سے اسی قسم کا اظہار خیال کیا ہے، حالاں کہ جمع کی علامت (-اں) کی تفصیل ہند آریائی زبان کے ایک ماہر نے یہ بتائی ہے۔

"اَے آں - مذکر (اَ) خاتمے والے الفاظ کے ساتھ جب جمع

www.taemeernews.com

میں، حالت کی جمع آتی ہے تو آخری (آ) ' (آں) میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ سنسکرتی مصوتے کے خاتمے والے الفاظ کے ساتھ حالتِ اضافی کی جمع میں حالت کی علامت استعمال ہوتی ہے۔ پراکرت میں (آنام) (آنم) بنتا ہے۔ پراکرتوں میں حالتِ اضافی کی علامت کا استعمال دوسری حالتوں میں بھی کیا جاتا تھا۔ اپ بھرنش کے زمانے میں حالتِ اضافی کا استعمال دوسری حالتوں میں زیادہ ہونے لگا۔ سنسکرت کی حالتِ اضافی کی جمع کے لاحقے کو جدید ہند آریائی کی حالت کی جمع میں محفوظ رکھا گیا ہے ..... دکھنی میں حالتِ فاعلی کے علاوہ دوسری حالتوں میں (-اں) کی علامتوں کی جمع میں حالتِ اضافی کی جمع کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ سنسکرت (آم) یا (آنام) پراکرتوں میں (آنم) بنتا ہے، اور ہندی میں (آنم) (اؤں) یا (اوں) کی شکل اختیار کرتا ہے۔ کچھ بولیوں میں یہ (آنم) (آں) میں تبدیل ہوتا ہے۔"[1]

دوسرے الفاظ میں اردو کے (وں ، اؤں) اور (آں) جمع کی دونوں علامتوں کا ماخذ پراکرت کا (آنم) ہے۔ مختلف بولیوں نے مختلف علامتوں اپنا لیا۔ دکھنی، ہریانوی اور پنجابی میں یہ (اں) کی شکل میں ہے، قدیم اردو میں اٹھارویں صدی کے وسط تک اس کی دونوں شکلیں رائج رہیں، بالآخر کھڑی بولی کے (اوں ، وں) کی فتح ہوتی ہے اور اس صدی کے آخر تک (آں) کی شکل

---

[1] دکنی زبان کا آغاز اور ارتقا: شری رام شرما (ہندی) مترجمہ غلام رسول، ص ۲۱۳

www.taemeernews.com

اردو سے غائب ہوجاتی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ (اں) کے رجحان کو فارسی سے بھی تائید ملی ہوگی جب کہ بعض شعرا نے اکثر فارسی الاصل الفاظ کی جمع میں یہی علامت استعمال کی ہے۔

ع لگا ہے جان لباں کو مرے دہن تجھ بِن (آبرو)

لیکن اس بارے میں کوئی کلیہ نہیں بنایا جا سکتا۔ فارسی تراکیب میں تو یقیناً یہ فارسی کے زیر اثر کہی جائے گی لیکن فارسی کے مفرد الفاظ میں (اں) کی جمع کا مآخذ فارسی بھی کہا جا سکتا ہے اور ہندی بھی مثلاً حاتم کے قدیم دیوان میں زلفاں (ص ۱۳۴) بھی ملتا ہے اور زلفوں (ص ۱۴۹) بھی۔ زنجیرِ زلفاں (ص ۱۰۳) کی کی ترکیب بھی ملتی ہے۔ فائز کا ایک مصرع ہے۔

ع بھواں تیری شمشیر و زلفاں کمند (ص ۱۱۵)۔ یہاں یہ بتانا مشکل ہے کہ زلفاں میں (اں) علامت جمع فارسی کی ہے یا ہندی کی۔

(اں) کی جمع

مذکورہ بالا سطور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ (اں) کی جمع دکنی اردو کا غالب و نمایاں طریقۂ جمع ہے۔ اٹھارویں صدی کے نصف اول میں ابتدا میں آبرو، فائز، حاتم وغیرہ نے (وں) کی جمع کے ساتھ اسے بھی بکثرت استعمال کیا ہے۔

بھواں (دا، اح، دف)، زلفاں (دا، اح)، لٹاں (دف) ہونٹاں، ہاتاں، باتاں، دانتاں (دف)، انکھیاں کی ردیف میں آبرو کے دیوان میں چار غزلیں ہیں (ص ۱۲۳)، انجھواں (اح)

ان شعرا کے برعکس اس عہد کے نثر نگاروں فضلی اور عیسوی خاں نے (اں)

www.taemeernews.com

کی جمع کو صرف گاہ گاہ استعمال کیا ہے۔ کربل کتھا میں صرف 'حاضراں' اور "گھاوانِ بے شمار" میں 'گھاؤ' کی جمع لکھی ہے۔ قصہ مہر افروز و دلبر میں صرف 'بھواں' ملتی ہے۔ رفتہ رفتہ شعرا بھی اسے "بموافق محاورۂ شاہ جہاں آباد" نہ سمجھ کر اس سے اجتناب کرنے لگے۔ چنانچہ سوداؔ و میرؔ کے یہاں اس کا استعمال باقیات کے طور پر صرف فارسی اسما یا صفات ضمائر اور حروف میں جھلک آتا ہے:

ع جفائیں دیکھ لیاں بے وفائیاں دیکھیں (میر)

ع اس چرخ نے کیاں ہیں ہم سے بہت ادائیں (میر)

ع مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں (میر)

ع روتے گزرتیاں ہیں ہمیں راتیں ساریاں (میر) [1]

اسمائے ضمیر

اٹھارویں صدی کے نصف اوّل میں دلیؔ کے اسلوبِ سخن کے زیر اثر دہلی کے شعرا اسمائے ضمیر کے استعمال میں بھی زیادہ محتاط نہیں دکھائی دیتے۔ لیکن یہ صورتِ حال زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہی اور بہت جلد اس صدی کے نصف آخر سے ان میں استحکام آتا گیا۔

اس صدی کے نصف اوّل کے ضمائر کی جدول اس طور پر تیار کی جا سکتی:

ضمیر متکلم:

	واحد	جمع
فاعلی حالت	میں، ہم	ہم

[1] بحوالہ: تاریخ ادب اردو، جمیل جالبی، جلد دوم، حصہ اول، ص ۶۱۵

www.taemeernews.com

	واحد	جمع
مفعولی حالت	مج، مجھ، ہم	ہم، ہمن، ہمنا
اضافی حالت	میرا، مرا (۔ری[1]، رے) ہم، ہمارا (۔ری، رے)	ہمارا (۔ری، ۔رے) ہمن، ہماروں
	مجھ، مج	

تشریحات

مجھ (= میرے) : "مجھ دل کو بہت ہے امید" (دف)، مجھ آشیانے کا (ک م)

ہمن (= ہم) ع کہ جس کی نگہ کے بندھے ہیں ہمن (دا)

ع دوری نہ کرو ہمن سے اس حد (دف)

ہمن (= ہمارے) ع ایک دم مہر کر ہمن حق میں (دف)

ہمنا (= ہم) "بولتا تھا ہمنا سیں" (دا)

ہماروں (ہمارے کی جمع) "پس قائم رکھو حکم ہماروں کو (ک ک ص ۵۴)

(نہایت شاذ استعمال ہے جو کسی اور جگہ نہیں ملتا)

ہم (= میں) کے لیے موجودہ اردو کی طرح اس دور میں بھی پایا جاتا ہے۔

ہم (= ہمارے) ع محبت میں اگر ہم پاس آؤگے تو کیا ہوگا (اح)

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں، نصف اول کی دو ضمائر متروک ہوجاتی ہیں "ہمن" اور "ہمنا"۔ ان کی جگہ جدید شکلیں "ہم" اور

---

[1] "مرا" کو اردو میں ضرورت شعری کہا جاتا ہے۔ ایسا نہیں۔ یہ کھڑی بولی کا تلفظ ہے۔ "میرا" ہریانوی کا تلفظ ہے۔

www.taemeernews.com

"ہمارا" کلی طور پر لے لیتی ہیں :

ضمیر حاضر

	واحد	جمع
فاعلی حالت :	تو، توں، تیَں، تم تمن	تم
مفعولی حالت :	تج، تجھ، تم، تمنا	تم، تمن
اضافی حالت :	تیرا، ترا[1] (۔ری، رے) تمہارا (۔ری، رے) تمن، تجھ	تمہارا (۔ری، رے)

تشریحات

توں (= تو) 'تو' کی یہ انفی شکل اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں متروک ہوتی گئی ہے قائم عیسوی، فضلی، اور تحسین کے یہاں خال خال ملتی ہے۔

تیَں (= تو) : یہ ضمیر متکلم اس دور میں کمتر پائی جاتی ہے لیکن موجود ہے فضلی کے علاوہ دیگر تمام شعرا و مصنفین کے یہاں۔ شلاً عیسوی خاں کے یہاں مسلسل اور سودا اور میر کے یہاں خال خال ملتی ہے۔

"تیَں اس میں کردیا" (سودا)، (کلیاتِ میر فرہنگ)

(نوٹ: بلیٹس نے اپنی قواعد تک میں (۱۸۸۴ء) اسے متکلم اسمائے ضمیر

---

[1] 'ترا' کو ضرورتِ شعری کہا جاتا رہا ہے۔ ایسا نہیں۔ یہ کھڑی بولی کا تلفظ ہے۔ ہریانوی میں 'تیرا' کہتے ہیں۔

www.taemeernews.com

میں شامل کیا ہے، اس نوٹ کے ساتھ کہ اب یہ اردو میں متروک ہے) [1]

تمن (= تم کو، تمھیں) ع یہ نصیحت تمن ہماری ہے (فائز)

تم (= تمھارا) (فائز)

تمھاروں (ضمیر متکلم جمع)، 'ہماروں' کی طرح صرف کربل کتھا میں آئی ہے۔

تمن (= تیرے) "تمن پاس" (دف)، تجھ (= تیرے) "تجھ حکم" (ک ک)، "تجھ لباں" (دا)، "تجھ قد" (دن) تجھ لب (دف)، تجھ پاس (ک م)، "تجھ انکھیاں" (اح) تمنا (= تم) (دا)

ضمہ غائب

	واحد	جمع
حالت فاعلی:	وہ، اُن نے، وو، اُو	وہ۔ وے
حالت مفعولی:	اس، اُنھوں، اُن	اُن، اُنھوں، دِن، تِن دِس، دِسے
حالت اضافی:	اِس کا، دِس کا، تِس کا	ان کا، ان کی

وے (= وہ جمع) — جمع کی یہ ضمیر حاتم، فائز، عیسوی، تحسین، سودا، میر، سب کے یہاں ملتی ہے۔ "وے وے کام سرانجام پائے" (ن طم)

دِس (= اُس) فضلی، عیسوی اور مراثی ریختہ میں ملتا ہے۔ دہلی کی بولی کا عوامی تلفظ ہے۔

دِسے (= اُسے): عیسوی خاں

---

[1] اے گرامر آف ہندوستانی آر اردو لینگویج: جان پلیٹس ۱۸۸۴ء

www.taemeernews.com

اُن نے (= وہ) "اُن نے بھی ہنس دیا" (ن ط م)
تِس کی (= اُس کی) "تِس کی دعا سے تیریں اولاد بھی ہوگی اور جیوے گی بھی"
(ق م د)
تِن (= اُن) "تِن سبھوں کو سرکار سے بادلہ پوش کر دیو (ق م د)

ضمیر موصولہ

	واحد	جمع
فاعلی حالت:	جو	جو
مفعولی حالت:	جس، جن (تعظیماً)	جن، جنہوں، جنھیں
اضافی حالت:	جس کا	جن کا
	جس کی	جن کی

تشریحات

جن (بغیر 'نے' فاعلی) : "جن کیا" (مراثی ریختہ) ' "جن سکھایا" (دف)

ضمائر استفہامیہ

	واحد	جمع
حالتِ فاعلی:	کون	کون
حالت مفعولی:	کس، کِن	کن
حالت اضافی:	کس کا	کن کا

ضمائر تنکر

مفعولی حالت میں 'کسی' کے ساتھ "کسو" کا استعمال قابل توجہ ہے یہ مسلسل

www.taemeernews.com

آیا ہے، فضلی، عیسوی خاں تاثیر اور غالب سب نے استعمال کیا ہے :

"کسو پر نہ کیا (ک ک) ' ع ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا (میر)

ضمیرِ اشارہ (قریب)

	واحد	جمع
حالت فاعلی :	یہ - یو	یہ ' یے
حالت مفعولی :	اس، اِن	اِن ، انھوں ، انو
	اِسے، اِنھیں	اِنھیں
حالت اضافی :	اس کا، ان کا	اِن کا

یے (یہ جمع) (دا) "یے بھی روتے ہیں" (ق م د)

یو[1] (یہ) : ع یو رخسار کے مطلعِ نور پر (دا)

"یو دیکھ" (ق م د) (دف) (ک ک)

ضمیرِ اشارہ (بعید)

	واحد	جمع
حالت فاعلی :	وہ ، وو ، اُو	وہ ، وے ، وو
حالت مفعولی :	اُس ، وِس ،	اُن ، وِن ، انھوں، اُناں
	اُن ، انھوں	

وے (جمع وہ) (اح) (ق م د) ' "وے وے کام انجام پائے" (ن ط م ۱۰۳)

(لیکن فضلی کے یہاں نہیں ملتا) اس کے بعد سودا اور میر کے پھر موجود ہے۔

---

[1] ماخذ : کھڑی

www.taemeernews.com

اُناں (اُن جمع) "اُناں میں ایک تھی" (د ف)

وِس (= اُس) "وِس سے کہتی ہے" (ق م د)

اُنھوں (= اس (تعظیماً) "میں نے کہاں انھوں سے" (سودا)

افعال

مصدر

موجودہ اردو میں علامت مصدر "نا" ہے لیکن قدیم اردو اور اٹھارویں صدی تک کی اردو میں بعض دیگر طریقوں سے بھی مصدر کی تشکیل ہوتی تھی۔ ایسے مادّے جو مصوتوں پر ختم ہوتے ہیں اکثر "نا" سے قبل ان میں ایک (د) کا اضافہ کر دیا جاتا تھا مثلاً

جادنا (ک ک۔ ۱۳۲) ' پیونا (ک ک۔ ۱۸۹) کھادنا (ک ک۔ ۲۲۲)'

گادنا (ق م د۔ ۲۹) آدنا (ق م د۔ ۶۱)

اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں یہ شکلیں غائب ہو جاتی ہیں۔ مصدر کا "نا" اکثر انفی شکل بھی اختیار کر لیتا ہے :

مارناں (ق م د۔ ۵۲) ' نکالناں (ق م د۔ ۳۲۷)

حالیہ تمام

معیاری اردو میں یہ مادّے کے آخر میں (۔تا) لگانے سے بنتا ہے لیکن اٹھارویں صدی تک کی اردو میں (۔تا) سے قبل ایک (د) کا اضافہ بھی کر دیا جاتا تھا۔

پادتا (دا، ص ۵۷) رودتا (ق م د، ص ۲۰۲) ' جلادتا (ق م د، ص ۲۰۵)

www.taemeernews.com

حالیہ تمام کے جمع مونث صیغے میں چند شکلیں اس لحاظ سے قابلِ توجہ ہیں کہ موجودہ اردو میں وہ متروک ہوچکی ہیں مثلاً مادہ "جا" اور "بول" سے:

جاتیں، جاوتیں، جاوتیاں، بولتیں، بولتیاں

روتیاں (ک ک ۱۶۴)، کہتیاں (ک ک - ۸۸)

جاتیاں (ک ک ۲۴۰) (س - ب ۲۷) ہلتیاں (ک ک - ۵۶۶)، بھاگیاں (ک ک ۲۱۷) دیکھیاں (ک م ۲۲۱)، جلتیاں (ک م - ۵۶۶)، آئیاں (ک م - ۲۱۷) چلیاں، دیکھیاں (ک م - ۲۲۱) آتیاں (س ب - ۲۷)

ماضی مطلق

موجودہ اردو میں ماضی مطلق کی تشکیل کے لیے مادّے میں (-ا) کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اٹھارویں صدی میں کھڑی بولی کی یہ شکل ابتدا سے مستعمل رہی ہے۔ دکنی اردو میں ماضی مطلق (-یا) کے اضافے سے بنتا ہے جو نواحِ دہلی کی بولیوں میں ہریانوی کی خصوصیت ہے۔ شمالی ہند کی اردو میں اسکی مثالیں صرف اسمٰعیل امروہوی کی "اُردو کی دو قدیم مثنویاں" میں ملتی ہیں[1]

بھریا (۱۰۴، ۱۰۹)، پڑھیا (۱۰۵)، کہیا (۱۰۶، ۱۱۹)، لیا (۱۱۰)، دیکھیا (۱۱۲، ۱۴۴، ۱۱۹)، رہیا (۱۱۵)۔ لیکن اسمٰعیل کی زبان میں دکنی اردو کی پٹ کافی مل جاتی ہے اس لئے کہ اس کی عمر کا بڑا حصّہ عالمگیر کے عہد میں نواحِ اورنگ آباد میں گزرا تھا۔ وہ شمالی ہند کا واحد مصنف ہے جو دکنی اردو کی (یج) تخصیصی کو بھی استعمال کر جاتا ہے۔ اس کے یہاں دکنی اردو کی یہ شکلیں بھی مل جاتی ہیں:

---

[1] مرتبہ نائب حسین نقوی : لکھنؤ

www.taemeernews.com

بائیا (دق م- ۱۲۵)، آئیا (دق م- ۱۵۸)، لائیا (دق م- ۱۵۸)، وہ واحد مصنف ہے جو امدادی افعال کے طور پر اتھا (تھا) اور اتھے (تھے) کو استعمال کرتا ہے۔ شمالی ہند کی اٹھارویں صدی کی اردو میں یہ ناپید ہیں، حالاں کہ عاشور نامہ (۱۶۸۸ء) میں ان کا استعمال پایا جاتا ہے۔

صیغۂ امر

صیغۂ امر میں خاص اختلاف (و) کے اضافے کا ہے جب مادّہ کا خاتمہ مصوتے پر ہو، جیسے:

"بھُلا دوں نہیں" (حرف - ۲۴۷)

ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ امر کا تعظیمی صیغہ آیئے وغیرہ "آپ" کے علاوہ تَیں (تو) کے ساتھ بھی استعمال کیا جاتا تھا، جیسے:

"کلھ تَیں نہ آیئے" (ق م د- ۸۹)

"تَیں تب آیئے" (ق م د- ۸۹)

اسی طرح اگر مادّہ کا خاتمہ مصمتے پر ہو تو اس کے آخر میں (یو) اور مصوتے پر ہو تو آخر میں (ایو) لگا دیا جاتا ہے۔

رلیو (ک ک- ۲۷۶)، کہیو (ک ک- ۱۱۵)، جییو (ک ک- ۶۵)، دیجیو (ک ک- ۳۶)، ہوجیۓ (ک ک- ۱۴۳)، ہویئے کے بجائے کر بل کتھا تا غالب مستعمل رہا ہے۔

ع نہ کھڑے ہوجیۓ خوبانِ دل آزار کے پاس (غالب)

ان افعال کی مختصر شکلیں بھی مستعمل رہی ہیں۔

www.taemeernews.com

دیکھے (ق م د- ۳۶) کیجے (ق م د- ۳)

مضارع

متداول شکلوں کے علاوہ (و) کے اضافے سے بھی رائج رہی ہیں:

ہووے (ک ک- ۶۰)، دیوے (ک ک- ۱۰۲)، چھپاوے (ق م د- ۳۳۱)، لیوے (ق م د- ۳۲۹)

اردو میں صیغۂ حال کی علامت (-تا) کی مختلف شکلیں ہیں۔ اِس اعتبار سے اردو (کھڑی) ہریانوی سے بالکل مختلف ہے جہاں (سوں۔ساں۔سو) کے ہیر پھیر سے حال بنتا ہے۔ حال کی یہ شکل اردو نے اپنے ارتقا میں کبھی نہیں اپنائی۔ اسے دکنی اردو کے (س) سے مرکب مستقبل سے خلط ملط نہیں کرنا چاہیئے۔

مستقبل[1]

اس دَور کی اردو میں مستقبل کی سب سے دلچسپ شکل جمع مؤنث میں ملتی ہے، جہاں دیگر زبانوں کی طرح علامتِ مستقبل بھی اسی کے مطابق آتی ہے۔

"ہم بغیر تیرے دنیا میں کیوں کر پھریں گیاں"۔ (ک ک- ۸۹)

"بغیر تیرے دیدار کے کیوں کر زندگی کریں گیاں"۔ (ک ک- ۸۹)

(-گیاں) کی یہ شکل کربل کتھا سے مخصوص ہے۔

مستقبل کے صیغے مضارع کے مانند (و) زائدہ کے ساتھ بھی آتے ہیں۔ بتلاوے گی (ق م د- ۱۰۹)، جیوگی (ق م د- ۱۳۱)، ہوویگا (ک ک- ۷۵) جاویں گے

---

[1] مستقبل کے لئے -گ سے مرکب شکلوں کی تائید ہریانوی اور کھڑی دونوں سے ہوتی ہے۔

www.taemeernews.com

(ک ک۔ ۱۳۹)، آوے گی (ک م۔ ۴۰۰)

مستقبل کی علامت (۔گا) سے کبھی کبھی زمانۂ حال کا بھی کام کیا جاتا ہے یہ عام طور پر امدادی افعال کے آگے لگا دیا جاتا ہے، جیسے:

"ہم جاتے ہیں گے اپنے گھر" (ک ک۔ ۱۴۱) "آگے جاتا ہوں گا" (ک ک۔ ۱۰۶)

فعل کی یہ شکل میر تقی میرؔ بلکہ ان کے بعد تک معیاری سمجھی جاتی تھی۔ اب بعض علاقوں میں صرف بول چال میں رہ گئی ہے۔ پلیٹس نے اپنی قواعد (۱۸۸۴ء) تک میں اس کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ "ہے" کے مقابلہ میں "ہیگا" میں زیادہ زور اور تاکید پائی جاتی ہے[1]

ماضی مطلق

سب سے قابلِ توجہ شکل جمع مونث کی ہے جہاں فعل دیگر زمانوں کی طرح فاعل کے مطابق آتا ہے۔ "کئی عورتیں نکلیاں" (ک ک۔ ۸۱)، "خیموں سے باہر بھاگیاں" (ک ک۔ ۲۱۷)

میر تقی میرؔ نے تو اس قواعدی شکل کو ردیف بنا کر ایک غزل لکھی ہے:

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں — طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں
عشق میں ایذائیں سب سے پائیاں — رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں
اُس مژہ برہم زدہ نے بارہا — عاشقوں میں برچھیاں چلوائیاں

اس غزل کے مزید قوافی یہ ہیں: مرجھائیاں، جھمکائیاں، ٹھہرائیاں، کھائیاں، بتلائیاں، دلوائیاں، (ک۔ میر ۵/۱۰۴۔ نولکشور)

انیسویں صدی آتے آتے یہ صیغہ متروک ہو جاتا ہے اور ان کے بجائے: آئیں، دکھلائیں، چلوائیں وغیرہ مستند مانے جانے لگے۔

---

[1] جان پلیٹس: قواعد ص۔ ۲۵۔

www.taemeernews.com

متعلق فعل

اُس دَور کے حسبِ ذیل متعلق فعل خصوصیت رکھتے ہیں :

یاں : "غم بہت ہے یاں" (ک م - ۲۲۶)

تہاں : (= وہاں) "تہاں یہ رہی تھی" (ق م د - ۸۸)

ایدھر : (= اِدھر) "نہ ایدھر گزر کیا" (د د - ۱۱۳)

جدھر تدھر : "پھرتے تو ہو ... جدھر تدھر (د د - ۱۴۰)

دوں : (= اس طرح) "دوں ہی ندائے الٰہی ہوئی" (ک ک - ۶۱)

اودھر : (= اُدھر - ک ک)

تدھر : (= وہاں) ع جدھر دیکھا تدھر تیرا ہی رُو تھا (ک م - ۱۳۳)

پھیر[1] : (= پھر) (ک ک - ص ۹۰)

کلّھ : (= کل) "کلّھ تو تَیں نہ آئے" (ق م د - ۸۹)

آگوں : (= آگے) "آگوں اس کے ایک حوض ہے" (ق م د - ۲۲)

آنگو : (= آگے) "تب آنگو تو روپے لٹتے جاتے تھے" (ق م د - ۸)

تُرَت : (= جلدی)

نیٹ : (= بہت) "ایک ۔ باغ نیٹ خوبی کا تیار کیا" (ق م د - ۵۱)

دَھک : (= اچانک) "دھک جا کے اس کی بانہہ کو پکڑا" (دف - ۲۰۸)

نئیں : (= نہیں)

ناہیں : (= نہیں) ع شہر دلّی میں ثانی اب ناہیں (دف - ۱۹۸)

---

[1] ماخذ : ہریانوی اور کھڑی۔

www.taemeernews.com

('نہیں' کا استعمال کم تر رہا ہے)

ہمیش : (= ہمیشہ) "ہمیش آرزومند مرگ کا تھا" (ک ک - ۸۳)

اب لگ : (= اب تک) "اب لگ توں کہاں تھا" (ک ک - ۱۲۳)

جد : (= جب) "اور جد تیرے بیٹا ہوئے" (ق م د - ۷)

تَولَوں : (= تب تک) "تَولَوں اس عورت نے کہا" (ق م د - ۶۹)

کدھو : (= کبھی) "انھوں نے کدھو نہیں دیکھے تھے" (ق م د - ۱۹)

کد[1] : (= کب) "اس شہر بیچ کد ہے عید اور شادی، نہ معلوم ہوتی تھی" (ق م د - ۱)

اینا : (= اتنا) "بادشاہ زادہ اینا خوبصورت ہے" (ق م د - ۱۱)

تلیں : (= تلے) "اُس پانی کے تلیں..." (ق م د - ۲۳)

سامنھے (= سامنے) "سامنھے پہاڑ کے اوپر..." (ق م د - ۲۴)

حروف

سیں : (= سے، ف)

سیتی : (= سے) ع سر ہاتھ دھر، کیوں کر نہ روؤں، دھو ہاتھ بیٹھی تجھ سیتی (ک ک - ۱۹۱)

سوں : (= سے) "اُس ہاتھ سوں" (ف - ۲۴۰)

تے : (= سے)

نیں : (= نے) "کیا ہے فتح ہم نیں" (د آ - ۱۴۱)

---

[1] کد: کھڑی

www.taemeernews.com

لک، لگ: (= تک) "جب لگ توں مجھے مارے" (ک ک۔ ۲۳۱)

لوُں، لوَں: (= تک) "تب لوَں" (ق م د)

کو، کوں: 'کوں' کثرت سے، دیوانِ آبرو۔ دیوانِ حاتم۔

دیوانِ فائز اور قصۂ مہر افروز و دلبر میں استعمال ہوا ہے۔

قصہ مہر افروز و دلبر میں 'کو' اور 'کوں'، دونوں شکلیں ملتی ہیں۔

کےَ: (= کو) "اور اس سوداگر کےَ رخصت کرتا" (ق م د۔ ۶۳)

("کے" قصہ سے مخصوص ہے۔) بار بار آیا ہے۔ برج کا لفظ ہے)

موں: (= میں) "دل موں میرے" (ک ک۔ ۱۹۲)

منے: (= میں، د ف)

بی: (= بھی) دیوان فائز میں اکثر غیر نفسی 'بھی' کے طور پر آتا ہے۔

لیئیں: (= تک) "پر ناز کی گوشت لیئیں ہے" (ق م د۔ ۴۴)

(اس کا استعمال قصہ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتا۔ بولی کا لفظ ہے)

نحوی خصوصیات

اٹھارویں صدی کی اردو کا بیشتر مواد شاعری پر مشتمل ہے۔ آبرو، حاتم، فائز سے لے کر سودا و میر تک بے انتہا اور بیش بہا شعری سرمایہ جمع ہو گیا ہے۔ لیکن ایک تو شعر کی زبان محدود و مخصوص ہوتی ہے۔ دوسرے نحوی ساخت کے اعتبار اس میں الفاظ کی ترتیب ضرورتِ شعری کے اعتبار سے الٹ پلٹ کی جا سکتی ہے۔

جہاں تک اس صدی کی نثر کا سرمایہ ہے ہمارے پیشِ نظر چار اہم تصانیف

www.taemeernews.com

رہی ہیں۔ (۱) فضلی کی کربل کتھا (۱۷۳۳ء) عیسوی خاں کا قصۂ مہر افروز و دلبر (تقریباً ۱۷۵۴ء)، تحسین کی نوطرز مرصّع (۱۷۷۵ء) اور میر امن کی باغ و بہار (۱۸۰۲ء)۔

ان میں کربل کتھا ایک آزاد ترجمے اور تلخیص کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس کے جملوں میں الفاظ کی ترتیب پر فارسی کی نحوی ساخت کا گہرا اثر ملتا ہے۔

"ناگاہ داخل ہوئے اس محل میں پانچ مرد" (ک۔ک۔ ۲۶۳)

تحسین "مرصع رقم" تھے اور انھوں نے "مرصّع ہندی زبان" جنرل اسمتھ کی دلبستگی کے لئے لکھی ہے جس کا مآخذ فارسی کا "چہار درویش" کا قصّہ ہے۔ تحسین نے اس قصّے کو بطور "انشا" رقم کیا ہے جیسا کہ اس کے ایک معروف نام "انشاء نوطرزِ مرصّع" سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ گلکرسٹ نے میر امن کے باغ و بہار کے اپنے دیباچے بزبان انگریزی میں لکھا ہے۔

"عطا حسین خاں نے ابتدا اصل فارسی سے اس کا ترجمہ شائع کیا گیا مگر چونکہ اس کی زبان بوجہ کثرتِ تراکیب، محاورہ، فارسی و عربی مغلق اور قابلِ اعتراض مانی گئی تھی اس لئے اِس نقص کو رفع کرنے کی غرض سے کالج کے ملازمین میں سے میر امن دہلوی نے مذکورہ بالا ترجمہ سے موجودہ متن تیار کیا ہے۔" [1]

ایک لحاظ سے نحوی ساخت کے تجزیے کے لئے سب سے مستند مآخذ

---

[1] تحسین: نوطرز مرصع مرتبہ نورالحسن ہاشمی، ص ۴۲

www.taemeernews.com

عیسوی خاں کا قصّہ مہرافروز و دلبر ہے جو ۱۷۵۴ء کے قریب کی زبان کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسری میرامن دہلوی کی باغ و بہار ہے جو ۱۸۰۲ء کی تصنیف ہے جس میں انھوں نے تحسین کی "مرصّع ہندی" کو "اردوئے معلّیٰ" کی زبان میں باغ و بہار بنایا۔

(الف) جملے میں الفاظ کی ترتیب۔

اردو جملے میں فاعل فعل سے پہلے آتا ہے اگر فعل لازم ہو، لیکن اگر جملے میں فعل متعدی ہو تو پہلے فاعل، اس کے بعد مفعول اور اس کے بعد فعل ہوتا ہے۔

اٹھارویں صدی کی اردو میں فارسی عربی نحوی ساخت کے زیرِ اثر یہ ترتیب اکثر بدل جاتی ہے:

(۱) "ناگاہ داخل ہوئے اُس محل میں پانچ مرد" (ک ک - ۲۶۳)

(۲) "باغبانِ قضا و قدر کے نے بیچ روزِ ازل کے" (ن طم - ۶۷)

(۳) "گلِ عشرت اس کے کا" (ن طم - ۶۵)

(۴) "اور کہا کہ بیچ غسلِ صحت اس کی کے جس قدر جلدی کرے گا موردِ عنایاتِ بے غایات ہوگا" (ن طم - ۲۷۳)

(۵) "اسباب تجارت کا بہت سا لایا" (ب ب - ۱۱۶)

(۶) "اگر تھوڑا سا احوال اس کا مفصّل بیان کرو" (ب ب - ۷۲)

نحوی ترکیب کا یہ گنجلک اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے جب جملہ طویل ہوتا ہے اور اس میں کئی تابع جملے ہوتے ہیں، جیسے:

www.taemeernews.com

"یہ غریب مسافتِ بعید سے معشوقہ اپنی کو، کہ مدار زندگی میری
کا اوپر مشاہدۂ جمال مہر تمثال اس کے ہے، ساتھ لئے بہ
تہیۂ روزگار تجارت پیشگی کے اس طرف کو آتا تھا جب ..."

(ان طام)

نوطرز مرصع (۱۷۷۵ء) اور باغ و بہار (۱۸۰۲) کی مذکورہ بالا مثالوں کے برعکس قصہ مہر افروز و دلبر (۱۷۵۴ء) کے جملوں کی نحوی ساخت عام بول چال کی اردو سے قریب تر ہے۔ صرف کہیں کہیں حروفِ ربط کا کا استعمال فارسی نحو کا اثر لئے ہوئے ہیں۔ (ص ۱)

"اقلیم ہندوستان کی میں ایک شہر تھا کہ تس کا ناؤں عشق آباد تھا، تس میں حکم روا اُس جگہ" کا عادل شاہ بادشاہ تھا۔ ہفت اقلیم کے جو ہر ایک بادشاہ تھے سو پیش کش اور نوکری اس کی کے میں سب حاضر رہتے تھے۔ اطاعت اس کی مانتے تھے۔ جہاں تک کہ ملک اس کا تھا، سو عدالت و انصاف اور بخشش و انعامات سے کوئی ایسا نہ تھا کہ کسی بات سے محتاج ہوئے۔ اور اور اس شہر کے بیچ میں کدہے عید اور شادی، نہ معلوم ہوتی تھی، کیوں کہ عید اور شادی رات دن رہتی تھی، اور چھوٹا بڑا جو اس شہر میں رہتا تھا سو سوائے راگ اور ناچ، عیش و عشرت کے اور دوسری بات نہ جانتا تھا...."

مذکورہ بالا تمام مثالوں میں حروفِ اضافت (کا، کے، کی) کا استعمال فارسی نحوی قاعدے کے مطابق ہوا ہے۔ اس سے سفر میسوی خاں

www.taemeernews.com

مصنفؔ قصہ مہر افروز و دلبر' کو بھی نہ تھا۔

"اور نوکری اس کی کے ہیں سب حاضر رہتے تھے"

جو اردو کے قاعدے کے مطابق "اور اس کی نوکری میں سب حاضر رہتے تھے" ہونا چاہئے تھا۔ مزید مثالیں

"چھوٹی بیٹی امام کی ہے" (ک ک۔ ۲۱۷)

"شبستانِ عمر و دولت اس کے کا" (ن ط م۔ ۶۵)

"لائق میری نذر کے" (ب ب۔ ۱۱۶)

(ب) ترتیبِ کلام

(۱) فاعلی 'نے' کے حذف سے اس صدی میں ترتیبِ کلام میں فرق پڑجاتا تھا۔ یعنی متعدی فعل ایسی صورت میں اپنے فاعل کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے نہ کہ مفعول کے ساتھ:

۱۔ "وہ دونوں بات سنے" (یعنی ان دونوں نے بات سنی) (ک ک۔ ۱۲۵)

۲۔ "وہ جواب نہ دی" (یعنی اس نے جواب نہ دیا) (ک ک۔ ۱۲۴)

۳۔ "تب عباس کہے" (یعنی تب عباس نے کہا) (ک ک۔ ۱۶۶)

(۲) فاعل جمع مونث ہو تو اس کا فعل بھی اس کے تابع آئے گا۔

۱۔ "کشتیاں سر بہ مہر بیچ نظر مبارک ملکہ ماہ سیما کے گزارنیاں" (ن ط م۔ ۹۳)

۲۔ ع نگاہوں سے نگاہیں سامنے ہوتے ہی جب لڑیاں (ن ط م۔ ۸۵)

۳۔ "یہ باتیں ہوتیاں تھیں کہ ..." (ب ب۔ ۱۱۱)

۴۔ "رنگ بہ رنگ کی پوشاکیں پہنے ہوئے سینکڑوں پری پیکریں جھولتیاں

www.taemeernews.com

ہیں۔" (آم۔افسوس)

۵۔ بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں　　طالعوں نے صبح کر دکھلائیاں
عشق میں ایذائیں سب سے پائیاں　　رہ گئے آنسو تو آنکھیں آئیاں

(میر)

(۳) فاعل جمع مونث ہو تو صفت بھی جمع کی شکل اختیار کرے گی۔

ع نہ میں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں۔ (سودا)

(۴) اردو نحو کا عام قاعدہ ہے کہ صفت اسم یا ضمیر سے پہلے آتی ہے لیکن اکثر فارسی قواعد کے زیرِ اثر اس عہد میں یہ ترتیب اُلٹ جاتی ہے۔

ا۔ "باپ ہمارے نے" (ک ک۔ ۱۲۴)

۲۔ "اور جانور اقسام اقسام طرح کے خوشرنگ بیٹھے ہیں۔" (ق م د۔ ۱۶)

اختتامیہ

انیسویں صدی کے آغاز تک اردو زبان اپنی صوتیات، صرف و نحو اور کسی حد تک لفظیات کے نقطۂ نظر سے ایک ایسی شکل اختیار کر چکی تھی کہ دہلی اور اس کے باہر کے شعرا اور ادیب اس کا تتبع کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ۱۷۹۳ء میں مرزا جان طپش دہلوی نے ڈھاکہ میں بیٹھ کر وہاں کے نواب کے حکم سے ایک مختصر سی لغت "شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان" مقامی شاعروں کی رہنمائی کے لئے لکھی۔ سید انشاء اللہ خاں انشاؔ نے ۱۸۰۸ء میں اردو صرف و نحو پر ایک "جامع اور بے مثل" کتاب لکھی کہ "اردو زبان کے قواعد

www.taemeernews.com

محاورات اور روزمرّہ کے متعلق اس سے پہلے کوئی ایسی مستند اور محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی تھی[1] انشا کی اس تصنیف سے اِس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں فصیح اور غیر فصیح کا معیار کیا تھا۔ ان کے خیال میں اگرچہ شاہ جہاں آباد (دہلی) کی زبان مستند اور فصیح ہے لیکن یہ بھی محلّہ بہ محلّہ بدلتی رہتی ہے مثلاً انشا کے بقول دہلی ہی میں مغلپورہ کے رہنے والے "باتیں" کے بجائے "باتاں"، "تلواریں" کے بجائے "تلواراں"، "لگائیں" کے بجائے "لگائیاں"، "تھیں" کے بجائے "تھیاں"، "میرے تئیں" کے بجائے "مجھ تئیں" (کہ فصیح اس کو "مجھے" بولتے ہیں)، "تیرے تئیں" کے بجائے "تجھ تئیں" (کہ فصیح اس کو "تجھے" بولتے ہیں)، ہمارے تئیں کے بجائے "ہم تئیں" (کہ فصیح اس موقع پر "ہمیں" بولتے ہیں) استعمال کرتے ہیں اور اِسی طرح "اس طرف" "مجھ طرف"، "آپ طرف" کی بجائے "اس کی طرف" "میری طرف"، "آپ کی طرف" استعمال کرتے ہیں۔ اور اسی طرح یہ لوگ "کی" کہ علامتِ اضافت ہے، ہمیشہ حذف کر دیتے ہیں۔ دریائے لطافت میں انشاءاللہ خاں نے نہایت احترام کے ساتھ میر تقی میر کے "لہجہ اکبرآباد و شمولِ الفاظِ برج و گوالیار در وقتِ تکلّم" کی شہادت دی ہے[2]

غرضکہ دہلی ہی میں زبان کی نوک پلک درست ہونے کا عمل شروع ہوگیا تھا۔ کم از کم فصحائے دہلی اس سے باخبر تھے لیکن شیخ امام بخش ناسخ

---

[1] دیباچہ "دریائے لطافت" مرتبہ عبدالحق ۱۹۳۵ء

[2] دریائے لطافت۔ ص ۵۹

www.taemeernews.com

(م : ۱۸۳۸ء) اوران کے متبعین کے یہاں زبان کے غیر معیاری ہونے کا شعور تیز تر ہوگیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں حسب ذیل اصلاحات قابلِ توجہ ہیں۔

(۱) مضارع کے لئے (۔تا) اوراس کی شکلیں مستحکم ہوجاتی ہیں۔ (جاتا ہے۔ کھاتا ہے۔ چلتا ہے اور جائے ہے۔ کھائے ہے۔ مارے ہے۔ متروک ہوجاتے ہیں۔ (حالاں کہ غالب نے اپنی مشہور غزل اسی ترکیب سے لکھی ہے۔ ع کھینچتا ہوں جس قدر مجھ سے وہ کھنچتا جائے ہے)۔ بعض علاقوں کی بول چال کی اردو میں یہ تا حال مروج ہے۔

(۲) (و) زائدہ سے مرکب افعال کی مختلف شکلیں متروک ہونے لگتی ہیں، جیسے دیوے۔ لیوے۔ ہووے۔ ہووےگا۔ دیویں گے۔ لے لیویں گے۔

(۳) علامت (گا۔ گی۔ گے) کا مضارع کے لئے استعمال قطعاً متروک ہوگیا۔ ہے گا (= ہے) ہیں گے (= ہیں) (ہر چند بعض علاقوں کی عوامی بولی میں یہ آج بھی شمالی ہند میں سننے میں آتی ہیں)

(۴) مونث جمع اسم سے فعل کا متاثر ہونا جو میر امن، شیر علی افسوس اور اس عہد کے دوسرے مصنفین کے یہاں مستعمل رہا ہے، متروک ہوجاتا ہے: "بہتیاں ہیں" کے بجائے "بہتی ہیں" "گھٹائیں چھائیاں" کے بجائے "گھٹائیں چھائیں"

(۵) کریئے کے بجائے "کیجئے"، "ہوجے" کے بجائے "ہوجیئے" اور پھر "ہویئے"، "کیجو" کے بجائے "کریو"

www.taemeernews.com

(۶) اسمائے ضمائر میں حسب ذیل متروک ہو جاتے ہیں :

تئیں (تو) ، اُن نے (اس نے) ، تجھ بن (بے تیرے)، جن نے (جس نے)، تجھ تیغ (تیری تیغ)، تس پر (اس پر)، تجھ (تجھ کو)، مجھ (میرے)، میں (میں نے) ، تس (اس) ہم ہی نے (ہمیں نے)، کسو (= کسی)، وے (= وہ، جمع)، یے (= یہ، جمع)

(۷) حروف میں حسب ذیل متروک ہو گئے :

"آگو" (= آگے) ، سیتی (= سے)، کبھو (= کبھی)، بیچ (= میں)، اُپر (= اوپر)، لیک (= لیکن)، ندان (= ہمیشہ)، جوں (= مثل)، تد (= تب)، نت (= ہمیشہ)، پرے (= الگ)، بِن (= بغیر)، تدھر (= اُدھر)، ایدھر (= اِدھر)، مت (= نہ)، نت (= ہمیشہ)، سمیت (= ساتھ)

(۸) اسماء میں مخصوص اسماء جو عرصۂ دراز سے مستعمل تھے متروک قرار پائے:

دِوانہ (= دیوانہ)، جگ (= دنیا)، پَوَن (= ہوا)، پات (= پتا)، سجن (= صنم)، کھوج (= نشان)، جاگہ (= جگہ)، ماٹی (= مٹی)، دارو (= دوا۔شراب)، شورشرابا (= شوروغل)، پرواہ (= پروا)، نشہ (= نشّہ)، لوہو (= لہو)، پتنگ (= پتنگا، پروانہ)، جائے (= جگہ، جا)، پھتروں (= پتھروں) [1]

دہلی میں غالب اور لکھنؤ میں میر انیس نے زبان کی اس اصلاح کا ہمیشہ

---

[1] تذکرہ جلوۂ خضر حصہ اول ۶۹، ۷۲، ۸۲۔

www.taemeernews.com

تتبع نہیں کیا ہے۔ غالب نے کسو (ع یاں تو کوئی سنتا نہیں فریاد کسو کی) موجے باندھے ہیں۔ اور 'جائے ہے' کی ردیف میں ایک غزل کہی ہے۔ ان کے خطوط میں 'بوڑھا' 'گاڑی' اور 'سوبچ' بھی ملتے ہیں۔ اسی طرح میرانیس نے خاندانی محاورے کا پاس کرتے ہوئے 'آئیاں، جائیاں، بجائیاں' باندھا ہے اور "جگہ" کے بجائے "جاگہ" لکھتے رہے[1] لیکن اصلاحِ زبان کے اثر سے بالآخر یہ دونوں بھی دامن نہ بچاسکے۔ مرزا غالب نے جابجا لکھنؤ اور رجب علی بیگ سرور لکھنوی کی زبان دانی کا اعتراف کیا ہے۔

لیکن یہ حقیقت ہے کہ سرسید کے زمانے تک قواعدِ زبان کی پابندی سختی سے نہیں کی جاتی تھی۔ "الفاظ کی بے ترتیبی عام تھی، اردو فقروں پر اکثر دھوکا ہوتا تھا کہ فارسی کا ترجمہ ہیں۔ مضاف الیہ کو اکثر مضاف کے بعد لکھتے اور بولتے تھے، متعلقاتِ فعل کو فعل کے بعد رکھ دیتے تھے۔"[2] فارسی محاورات کے ترجمے اب تک مستعمل تھے۔ سرسید نے "وے" (جمع وہ) کا استعمال روا رکھا اور 'کر کے' کے بجائے 'کر کر' آخر وقت تک لکھتے رہے۔ انھیں سے بدعت انگریزی الفاظ کے استعمال کی چلی۔ ان کے معاصرین جو انگریزی میں بس شُد بُد رکھتے تھے؛ اس کے الفاظ بے دھڑک استعمال کرنے لگے۔ صحافت نے اِس رجحان کو مزید تقویت دی۔

---

[1] انیس نے اپنے ایک مرثیہ میں اپنے خاندان کی لسانی روایت پر یوں فخر کیا ہے:

حق ہے سنا نہیں کبھی اس حسن کا بیاں — گویا کہ یہ خلیق کی ہے سر بسر زباں
سچ ہے کہ اس زباں کو کوئی جانتا نہیں — جو جانتا ہے اور کو وہ مانتا نہیں

[2] داستانِ تاریخ اردو: حامد حسن قادری ص ۲۸۰ (طبع ثانی)

www.taemeernews.com

انیسویں صدی کے ربع آخر تک اردو قواعد کی نوک پلک کی درستی ہوتی رہی اور ایک کل ہند معیار قبولیتِ عام حاصل کرتا گیا۔ اس کام میں نذیر احمد، الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی اور شرر کا بڑا ہاتھ رہا۔ یہی زمانہ ہے جب امیر مینائی نے امیر اللغات کے کچھ حصص مرتب کئے اور سید احمد دہلوی کی فرہنگ آصفیہ مکمل ہوئی (۱۸۹۲ء)۔ فرہنگِ آصفیہ نے اردو زبان کے معیارات کے تعین میں بڑی مدد کی، ہرچند داغ دہلوی اسے مشتبہ نظروں سے دیکھتے تھے۔ بالآخر ۱۹۱۴ء میں مولوی عبدالحق نے اپنی مشہور اردو قواعد کا پہلا ایڈیشن شائع کرکے اس زبان کو ایک نیا قواعدی چوکھٹا عطا کیا۔

لفظیات کے نقطۂ نظر سے اردو میں بیسویں صدی کے ربع اوّل میں بہت توسیع ہوئی ہے۔ ابوالکلام اور اقبال نے اس کا دامن عربی فارسی کی جانب کھینچا تو پریم چند جیسے ادیبوں نے اس کے ڈانڈے ہندی سے ملادیئے۔ جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ نے اصطلاحاتِ علمیہ کے ذریعہ عربی زبان کا دہانہ اس میں کھول دیا اور اسے اس لائق بنادیا کہ یہ اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنائی جاسکے۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو اردو کے سر پر آرے چل گئے۔ مثلِ دکن، وطن سے دُور ایک بار پھر اس کو اپنا گھر بسانا پڑا۔

ع آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

○

www.taemeernews.com

چوتھا باب

اُردو کی ابتدا: لسانی نظریات

اُردو اور برج بھاشا

ہمارے یہاں لسانی تحقیق کے مردِ میدان آزاد ہیں جنھوں نے سب سے پہلے آبِ حیات میں اردو زبان کی تاریخ کو سلسلہ وار بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ آزاد شمالی ہند کی بولیوں کے باریک اختلافات سے ناواقف تھے۔ اس لیے انھوں نے اردو کا ماخذ اپنے پیش رووں چرنجی لال وغیرہ کی طرح برج بھاشا کو بتایا۔ آبِ حیات کا پہلا جملہ یہ ہے۔

"اتنی بات ہر شخص جانتا ہے کہ ہماری اردو زبان برج بھاشا سے نکلی ہے اور برج بھاشا خاص ہندوستانی زبان ہے۔" برج بھاشا جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے شورسینی اَپ بھرنش کی سچی جانشین ہے۔ لیکن وہ کھڑی بولی کی ماں نہیں بہن ہے۔ زبان کے معنوں میں لفظ برج (سنسکرت: وزج = جانوروں کا باڑا یا چراگاہ) بہت بعد کو استعمال ہوا ہے۔ بقول ڈاکٹر دھیریندر ورما سب سے

www.taemeernews.com

پہلے بھکاری داس نے "کادیہ نرینئے" (سمبت ۱۸۰۳) میں استعمال کیا ہے [1]

اردو کا ڈھانچہ برج بھاشا پر تیار نہیں کیا گیا ہے۔ قدیم اردو کھڑی بولی اور جمنا پار کی ہریانوی بولی سے قریب تر ہے۔ جدید اردو اپنے صرف و نحو کے اعتبار سے مراد آباد اور رام پور کے اضلاع کی بولی سے قریب ترین ہے۔ برج بھاشا نے بعد کو اردو معیاری لب و لہجہ متعین کرنے میں مدد ضرور دی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سکندر لودھی کے عہد سے لے کر شاہ جہاں کے زمانہ (۱۶۴۸ء) تک آگرہ ہندوستان کا پایہ تخت رہا ہے۔

(۱) اردو اور برج بھاشا (قدیم و جدید دونوں میں) بعض صوتی اختلافات پائے جاتے ہیں۔ مغربی ہندی کی پانچ بولیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(الف) [اُو یا اَو] والی بولیاں = برج بھاشا، قنوجی اور بندیلی

(ب) (اَ) والی بولیاں = کھڑی بولی اور ہریانی۔

برج بھاشا میں اسی لیئے اسماء، افعال اور اسمائے صفت کا اختتام عموماً (او) پر ہوتا ہے۔ مثلاً اَپنو (اپنا) چلیو (چلا) گھورو (گھوڑا) بڑو (بڑا)

(۲) مغربی ہندی کی نمبر (ب) بولیاں (اِے) اور (اُو) حروفِ علت کو ترجیح دیتی ہیں۔ برج بھاشا میں (اَے) اور (اَو) آتے ہیں۔ جدید اردو کا معیاری لہجہ برج بھاشا کا تتبع کرتا ہے۔ مثلاً کھڑی بولی (دیہات) پیسہ۔ برج بھاشا

---

[1] برج بھاشا دیا کرن صفحہ ۱۰۔ لیکن ڈاکٹر موصوف کی یہ تحقیق صرف ہندی ادبیات تک محدود ہے۔ خان آرزو اپنی تصنیف غرائب اللغات ہندی اور مرزا خاں اپنی تحفۃ الہند میں فقط "برج" ایک مخصوص زبان کے معنوں ہی میں استعمال کرتے ہیں۔ مرزا خاں کی تحفۃ الہند (۱۶۷۵ء) برج بھاشا کی پہلی قواعد ہے جو پروفیسر ضیاء الدین نے مرتب کر کے شانتی نکیتن بنگال سے شائع کی ہے۔

www.taemeernews.com

اور اردو: پیسہ - اسی طرح ہے اور ہتے ہیں (واحد متکلم) اور ہیں۔

(۳) ہریانوی کھڑی بولی اور پنجابی میں (ڑ) اور (ڑھ) آوازوں پر (ڈ) اور (ڈھ) آوازوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ پنجابی میں (ڑھ) کی آواز معدوم ہے۔[1] قدیم اردو اور دکنی اس اعتبار سے ہریانوی کی پیروی کرتی ہیں۔

آج بھی ہریانہ اور کھڑی بولی کے علاقوں میں گڈی (سہارن پور) (بڈا) (کرنال) جھاڈ (ضلع دہلی) چڈھنا (ضلع دہلی) بولے جاتے ہیں۔ (ڈ) اور (ڈھ) آوازوں کے متعلق یہ حکم لگانا کہ یہ پنجابی سے لی گئی ہیں، ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں کے ارتقا سے متعلق ناواقفیت کا ثبوت دینا ہے۔ (ڑ) اور (ڑھ) کی آوازیں دراصل (ڈ) اور (ڈھ) کی آوازوں ہی کی ارتقائی شکلیں ہیں۔ یہ ارتقا عہد پراکرت میں ہوا ہے۔ یہ آوازیں جب کسی لفظ کے اندر واقع ہوتی ہیں تو عام طور سے (ڑ) اور (ڑھ) میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ دکنی کے مذکورہ بالا الفاظ (بڈا۔ چڈھنا وغیرہ) میں اسی پراکرتی رجحان سے انحراف ملتا ہے جو موجودہ پنجابی، ہریانوی اور کھڑی بولی تک میں پایا جاتا ہے۔ لیکن لسانی ارتقا کے اصولوں کے زور پر رفتہ رفتہ (ڈ) اور (ڈھ) کی آوازیں زیادہ شستہ خیال کی جانے لگیں۔ اسی لیے برج بھاشا کی طرح جدید اردو اور ہندی میں (ڈ اور ڈھ) جب لفظ کے درمیان آتے ہیں تو عام طور سے (ڑ اور ڑھ) میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً

اردو اور برج	دکنی	ہریانوی اور کھڑی بولی
بڑھانا	بڈھانا (قطب مشتری)	بڈھانا

---

[1] پنجابی اور ہندی کا بھاشا وگیان: دونی چند، ص ۷۴۔

www.taemeernews.com

اردو اور برج	دکنی	ہریانوی اور کھڑی بولی
بڑائی	بڈائی	بڈائی (نمونہ محبوب عالم پنجاب میں اردو)
پڑھنا	پڈھنا	پڈھنا (" " ")
چڑھنا	چڈھنا	چڈھنا (" " ")
چھوڑا		چھاڈا (چوم چھاڈا بھاری پتھر محاورہ زٹلی از پنجاب میں اردو ص ۱۹۸)

لیکن دکنی میں پڑنا (پڑھنا) اور چڑنا (چڑھنا) (دیکھیے. فرہنگ شہ پارے) بھی آیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ دکنی میں (ڑھ) کی آواز پنجابی کی طرح کا معدم نہیں بلکہ ہریانوی زبان کے مانند گاہ گاہ پائی جاتی ہے۔

اس کے بعد پروفیسر شیرانی کے اس قسم کے لسانی نوٹ کس قدر بے سرو پا معلوم ہوتے ہیں کہ:-

" اردو کی " ڑ " ہریانوی میں " ڈ " سے بدل جاتی ہے " (پنجاب میں اردو ص۱۹۱)

جدید اردو میں (ڈ)، (ڈھ)، (ڈ مشدّد) اور نڈ (غنہ کے ساتھ) اور (ڑ)، (ڑھ) ڑ (مشدّد) اور نڑ (غنہ کے ساتھ) کا استعمال حسب ذیل جدول کے مطابق پایا جاتا ہے۔

	لفظ کی ابتدا	لفظ کے درمیان	لفظ کے آخر میں
ڈ	✓	×	×
ڈھ	✓	×	×

www.taemeernews.com

	لفظ کی ابتدا	لفظ کے درمیان	لفظ کے آخر میں
ڈّ (مشدد)	×	✓	×
نڈ (غنہ کے ساتھ)	×	✓	✓
ڑ	×	✓	✓
ڑھ	×	✓	✓
ڑّ (مشدد)	×	×	×
نڑ (غنہ کے ساتھ)	×	×	✓

اشارے: (۱) [ڈ] صرف لفظوں کے شروع میں ملتا ہے اور [ڑ] سے کوئی لفظ شروع نہیں ہوتا۔

(۲) لفظ کے درمیان میں [ڈّ] صرف "گڈریا" میں پایا جاتا ہے۔ بولیوں میں یہ بھی بدل کر "گڑریا" ہو جاتا ہے۔

(۳) لفظ کے درمیان میں [ڈ] صرف مرکب الفاظ میں ملتا ہے۔ مثلاً نِڈر (نِ + ڈر) سڈول، ڈانواڈول۔ ڈبڈبائی (ڈب + ڈبائی)

(۴) لفظ کے آخر میں [ڈ] ہمیشہ غنہ کے ساتھ آتا ہے۔ مثلاً رانڈ، سانڈ، البتہ انگریزی کے مستعار الفاظ (مثلاً روڈ، بورڈ، کارڈ وغیرہ) اس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کے علاوہ پراکرت کے کچھ ایسے الفاظ بھی ہیں جو درحقیقت مشدد "ڈ" رکھتے ہیں، لیکن جو اردو والے غیر مشدد طور پر استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً کھڈ، اجڈ، لاڈ (جو لاڑ بھی بولا جاتا ہے)

(۵) ڈھ صرف الفاظ کے شروع میں ملتا ہے۔ درمیان میں یہ ہمیشہ ڈ کے ساتھ

www.taemeernews.com

مشدد آتا ہے۔ مثلاً بُڈّھا (بُ + ڈ + ڈھ + ا) لفظ کے آخر میں یہ (ڑھ) بن جاتا ہے (علی گڈھ کی بہ نسبت علی گڑھ فصیح تر ہے)

(۶) - [ڑ] اور [ڑھ] الفاظ کے شروع میں کبھی نہیں آتے۔

(۷) مشدد (ڈ) یا (ڈھ) کا فصیح تر تلفظ [ڑ] یا [ڑھ] کی شکل میں اکثر کیا جاتا ہے۔

بڈّھا	←	بوڑھا
گڈّھا	←	گڑھا
ٹھڈّی	←	ٹھوڑی

ان آوازوں کے لحاظ سے اردو برج بھاشا اور ہریانوی کا نہایت لطیف امتزاج پیش کرتی ہے اور اس کا یہ رجحان ابتدا سے رہا ہے۔

اردو اور برج کے صرفی ونحوی اختلافات

ضمائر:-

(۱) متکلم واحد برج بھاشا میں (مَیں) اور (ہَوں) دونوں مستعمل ہیں۔ جدید ادبیات میں دونوں کا استعمال قریب قریب برابر ملتا ہے ـــــ قدیم میں "ہوں" زیادہ مستعمل[1] تھا اردو میں معدوم ہے۔ البتہ دکنی میں قلی قطب شاہ کی "ریختی" میں مل جاتا ہے ؎

ص ۶۲ پیارے نہ کر کھیج ، ہَوں تو پہ واری

ص ۶۳ ہَوں تِل تِل تمن پر تھے واری ہو پیارنی

---

[1] برج بھاشا دیاکرن ۔ دھریندر ورما ص ۶۴

www.taemeernews.com

ص ۶۲ کر تن من جوبن آپ ہَوں تو پہ واری

یہ بڑی دل چسپ بات ہے کہ کلیات میں "ہَوں" صرف ریختی میں آیا ہے اس سے اس بات پر روشنی پڑتی ہے کہ یہ اس وقت تک متروک ہو چکا تھا لیکن چونکہ زنان خانے کی زبان بہت آہستہ بدلتی ہے اس لیے عورتوں کی زبان پر اس وقت تک جاری تھا۔ اس شعر میں "تو پہ" (تجھ پہ) بھی قابل ذکر ہے جو خالص برج ہے۔

"ہَوں" پنجابی قدیم و جدید میں بھی ملتا ہے۔ لیکن "مَیں" کے مقابلہ میں کم تر گجراتی میں یہ "ہُوں" ہے۔

(۲) برج بھاشا کا "مو" اور "موہِں" دکنی کا "مجھ" اور اردو کا "مجھے" ہے لیکن قلی قطب شاہ کی ریختیوں میں مو (میرا) اور مجھ کے معنوں میں بھی آیا ہے (دیکھئے ریختی ص ۶۱، ۶۲۔ کلیات)

(۳) مخاطب واحد اور جمع : برج بھاشا میں "تو" اور "توں" کے ساتھ "تَیں" اور "تَیں" بھی مستعمل ہیں جو جدید اردو میں نہیں ملتے۔ لیکن "عاشور نامہ" میں موجود ہیں۔ برج بھاشا کے ضمائر مخاطب کے اندر مذکر و مونث کا بھی لحاظ رکھا جاتا ہے۔ "تیرا" اور "تمھارا" (جو برج بھاشا میں "تیرو" اور "تمھارو" ہو جاتے ہیں) کے علاوہ ایک اور شکل "تہارو" بھی ملتی ہے جو راجستھانی کے زیر اثر برج نے قبول کی ہے۔ دکنی اور اردو میں یہ نہیں ملتی۔ البتہ دہلی کی موجودہ زبان کے محاورات میں مل جاتی ہے۔

* جیسے "تہارا مال سو ہمارا مال ہمارا مال سو ہیں ہیں"

www.taemeernews.com

یعنی اپنے موقع پر" ہِں ہِں" کر کے ٹال جانا ۔

ضمائر کی مزید شکلیں جو برج بھاشا سے مخصوص ہیں حسبِ ذیل ہیں۔تا ہیں۔ توہی ۔ توہے ۔ تیراؤں ۔ تمھوں تمھائیں ۔ موہی موئے ۔ میراؤ ۔ ہماؤں ، ہمن (قدیم اردو میں ملتا ہے) ۔ ہمائیں، وہ (وہ کے لئے "وو" دکنی میں ملتا ہے ۔) وِس ۔ دا ، داہی ، دائے ، دِے (قدیم اردو (دکنی) میں جمع کے طور پر آیا ہے)۔ اُنی ۔ اُن ۔ اُنہاؤں، وِنی ۔ دِن (دہلی اور میرٹھ کے اطراف میں بھی اِن کے لئے آتا ہے) اِنہائیں، دِنہائیں ۔

جوں ، جاسو ، تاسو ۔ جنھائیں ۔ تنھائیں ۔ کو (کون) کاہی

(۴) برج بھاشا کے صوتی اصولوں کا ضمائر پر بھی اثر پڑا ہے مثلاً :۔

اردو :	تمہیں	برج	تمھو
"	ہمارا	"	ہمارو
"	میرا	"	میرو

(۵) اسماء کی جمع بنانے کے لئے اردو میں " وں " اور پنجابی میں " اں" لگاتے ہیں ۔ برج بھاشا میں صرف " ن " کا اضافہ کرتے ہیں ۔

اردو : گھوڑوں ۔ پنجابی : گھوڑاں ۔ دکنی : گھوڑاں

ہریانوی : گھوڑاں برج بھاشا : گھورَن

برج بھاشا کے (ن) جمع کی مثالیں البتہ دکنی کے "نوسرہار" میں مل جاتی ہیں ۔

ع ڈھونڈن لاگے کدھر سے ٹھار (۵۶۷)

www.taemeernews.com

ع رُدوَن لاگا کس کس دھات (۱۳۱۹) [1]

دکنی اردو کی جمع کا عام طریقہ "اں" کا ہے۔

افعال :-

(۱) اردو میں مادّہ کے اندر "تا" کا اضافہ کر کے فعل مضارع بنایا جاتا ہے۔ برج بھاشا میں "ت" لگایا جاتا ہے۔ مثلاً کرت، پرت۔ جات وغیرہ اس کے علاوہ مذکر کے لئے "تو" اور مونث کے لئے "اتی" کی شکلیں بھی لائی جاتی ہیں مثلاً "جاتو" ہے نہارتی (دیکھتی) ہے [2]۔

افضل کے "بارہ ماسہ" اور شیخ محبوب عالم کی ہریانی تالیفات میں مضارع کی یہ شکلیں عام طور سے ملتی ہیں [3]۔ لیکن دکنی میں نہیں ملتیں۔

(۲) اپنے (اَو) والے صوتی اصول کو برقرار رکھتے ہوئے برج بھاشا میں ماضی "مارا" یا "مارِیا" نہیں ہوتا بلکہ "مارِیو" یا "مارو" ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض نے اشارہ کیا ہے۔ مارِیا، یا مارو ایک دوسرے سے ماخوذ نہیں۔

(۳) مستقبل، برج بھاشا میں (گ) یا (ہ) کی مختلف شکلوں سے بنتا ہے جن میں (گو) کی بہ نسبت (ہ) کی شکل زیادہ عام ہے [4]۔ مثالیں۔

چلوں گی   چلی ہُوں

---

[1] نوسرہار : مرتبہ افسر میرٹھی ص ل، کراچی ۱۹۸۲
[2] برج بھاشا دیاکرن : دھریندرورما۔
[3] دیکھئے منونہ پنجاب میں اردو صفحہ ۱۸۶ اور خلیل کا مع میگزین نومبر ۱۹۳۱ء "ہریانی زبان میں تالیفات" شیرانی۔
[4] گریرسن لسانیاتی جائزہ ہند : جلد نہم حصہ اول ص ۷۰۔

www.taemeernews.com

نوٹ :- عام طور سے (ہ) پوری ادا نہیں کی جاتی اس لیے چلی ہوں محض "چلیوں" بن جاتا ہے۔

شیرانی کا یہ خیال صحیح نہیں کہ "گو" کی علامتِ مستقبل برج بھاشا نے پنجابی یا اردو سے لی ہے۔ برج بھاشا کے قدیم ترین نمونوں میں ہمیں "گو" کی شکلیں ملتی ہیں۔ ہوں چلوں گا (صفحہ ۱۶/۷) دیوں گو (صفحہ ۲/۹) راکھیں گے (صفحہ ۲۳/۱۴)، ہوئے گو (صفحہ ۲۴/۷) (ازچوراسی ویشنوں کی وارتا : گوگل ناتھ : الہ آباد ۱۹۲۶ء)

(ٹ) سے بنا ہوا مستقبل قدیم و جدید اردو میں کہیں نظر نہیں آتا۔

(۴) برج بھاشا کا مصدر بھی اس سے مختلف ہے۔ برج میں مصدر "بو" "وو" یا "نو" کے اضافے سے بنتا ہے۔ ہوبَو۔ بوجھبَو۔ چلنوَ وغیرہ۔

(۵) افعال امدادی میں دونوں زبانوں کا اختلاف اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ زمانۂ حال میں (ٹ) کی مختلف شکلیں لگائی جاتی ہیں جو دونوں زبانوں میں مشترک ہیں۔ صرف "ہوں" کا تلفظ برج میں "ہوْں" ہو جاتا ہے[۱]۔ لیکن زمانۂ ماضی میں فعل امدادی کی شکل بالکل مختلف ہے۔ اردو میں "تھا" کی مختلف شکلیں مستعمل ہیں۔ برج بھاشا میں "ہو" اور "ہتو" کی مختلف شکلیں آتی ہیں جو تاریخ اردو میں کسی عہد میں مستعمل نہیں ہوئیں۔ اسی وجہ سے برج بھاشا کے حال اور مستقبل میں بہت کم فرق رہ جاتا ہے۔

حروف :-

(۱) حروف میں کو سے۔ میں اوپر دی ہوئی صوتی خصوصیات کے تحت کو۔

---

[۱] پنجاب میں اردو ص ۱۰۷ [۲] ضمیمہ گرامر ہندی : دھریندر ورما : ص ۱۱۹

www.taemeernews.com

سے - میَں - بن جاتے ہیں - ہریانوی اور پنجابی میں "کو" کی بجائے "نوں" ملتا ہے۔
کھڑی بولی کے بعض اضلاع - میرٹھ، سہارنپور - وغیرہ میں بھی یہ سننے میں آتا ہے۔
لیکن دکنی اور برج میں "کو" ہی مختلف تلفظ (کُو - کوُ - کوُں) کے ساتھ لکھا
جاتا ہے - برج بھاشا کے قدیم ادبی نمونوں میں، ہیں، سوں، نیں، پے
اور مانجھ - پاچھیں - (پیچھے) سنگ، سَم (طرح) بھی ملتے ہیں جو قدیم اردو میں بھی
مستعمل تھے - لیکن بعض حروف ایسے بھی ہیں جنھیں اردو نے کبھی منہ نہیں لگایا۔
مثلاً نکٹ (نزدیک) سَہت (ساتھ) ہَت (لیے) لَوں (دکنی میں لگ ملتا ہے)۔
یہ تمام حروف برج بھاشا میں قدیم زمانے سے مستعمل تھے[۱]

لیکن اردو اور برج کے مذکورہ بالا اختلافات کے باوجود سکندر لودھی کے
زمانے سے لے کر شاہ جہاں کی تبدیلی دارالسلطنت (۱۶۴۸ء) تک اردو کے
ارتقا میں اس کا بڑا ہاتھ رہا ہے - اردو زبان کی تاریخ میں دہلی سے آگرہ کو
دارالسلطنت کے انتقال اور اس کے اثرات کا مطلق ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ
ہمارے خیال میں قدیم اردو کی اکثر گتھیاں اس تاریخی حقیقت کو سامنے رکھنے
سے کھل جائیں گی - تقریباً دو سو سال تک ہندوستان کا دارالسلطنت برج بھاشا
کے علاقہ میں آگرہ رہا ہے - تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے یہ دو سو سال ازمنہ وسطی
کی تاریخ میں اہم ترین ہیں - چنانچہ اردو ادبیات میں اس کی بے شمار مثالیں مل
جاتی ہیں کہ معیار زبان کے لئے دارالسلطنت کی زبان کی طرف لوگ رجوع کرتے
تھے - یہ کبھی برج اور کبھی "گوالیاری" کے نام سے سامنے آتی ہے - اس کی قدیم

---

[۱] برج بھاشا ویاکرن: دھریندر ورما۔ صفحہ ۱۲۲

www.taemeernews.com

ترین مثال" گوالیر کے چاتران" کی زبان ہے جس کے دوہے اور کہاوتیں ملا وجہی کی سب رس تک (۱۶۳۵ء) میں مل جاتے ہیں۔ دکن کے مصنفین بھی اس کے دائرہ اثر سے باہر نہیں تھے۔ اگر شیرانی کی تحقیقات کے مطابق خالق باری (۱۶۲۱ء) کو عہدِ جہاں گیری کے ایک بزرگ ضیاء الدین خسرو کی تصنیف مان لیا جائے تو وجہی سے قبل برج کے بارے میں یہ عبارت ملتی ہے

"خیر خواہ شعرائے شیریں گو ضیاء الدین خسرو باستدعائے
عزیز الفواد بابا اسحاق قناد چند الفاظ عربی و پارسی را بزبانِ
ہندی گوالیاری کہ ارباب روز مرہ را ناگزیر است ترجمہ
نمودہ و در بحور مختلفہ بطریق ریختہ نظم آوردہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اقتباس بالا سے ظاہر ہے کہ عہدِ جہاں گیری میں "ہندی گوالیاری" "ارباب روز مرہ" کے لئے ناگزیر تھی۔

یہ "ہندی گوالیاری" اکبر، جہاں گیر، شاہ جہاں اور عالمگیر کے عہد تک مستند زبان سمجھی جاتی تھی۔ شاہ جہاں کا دہلی کو دوبارہ پایۂ تخت بنانے سے کھڑی بولی یا زبان دہلوی کی حیات ثانیہ شروع ہو جاتی ہے۔ زبان دہلی کے نشاۃ الثانیہ میں تقریباً نصف صدی لگ گئی اور محمد شاہ کے عہد میں برج پر اس کا محاورہ اور تلفظ غالب آگیا۔ شاہجہاں کے عہد کے ایک مصنفِ موسیقی ابنِ سید علی مرزا بیگ اپنے رسالہ "زمزمۂ وحدت" میں "بزبان فصیح و بلیغ گوالیار" کا ذکر کرتے ہیں۔ ع در کام خلق وصف دبیان از لب توہست

شیریں و خوش لساں چو زبانِ گوالیار

www.taemeernews.com

عالمگیر کے زمانے میں "زبان گوالیاری" سے "بنوالی المتخلص بہ ولی بہ امداد بھوانی داس" گوالیاری سے فارسی میں ایک کتاب "گلزار حال" ترجمہ کرتے ہیں۔

اس سے قبل مرزا خاں کی تحفۃ الہند (۱۶۷۵ء) کا ذکر ہو چکا ہے جو شاہزادوں کی تعلیم کے سلسلے میں برج بھاشا کی پہلی قواعد فارسی میں لکھی گئی ہے۔

خان آرزو "نوادرالالفاظ" میں زبان گوالیار (یا برج) کو اکثر جگہ "افصح زبان ہائے ہند" لکھتے ہیں۔ انیسویں صدی کے اواخر میں چرنجی لال اور کئی دوسرے مصنفین اردو کا ماخذ برج ہی کو بتاتے ہیں۔ چنانچہ اسی خیال پر محمد حسین آزاد نے آبِ حیات میں یہ فقرہ لکھا ہوگا۔

"اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ اردو برج بھاشا سے نکلی ہے"

ہمارا خیال ہے کہ خسرو کی "زبان دہلی" کے ارتقا کا شمالی ہند میں یک لخت رک جانے کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ پایۂ تخت دہلی سے منتقل ہو کر آگرہ چلا گیا تھا۔ اورنگ زیب کے زمانہ سے (بالخصوص جب وہ اپنی فتوحات دکن کے سلسلے میں اورنگ آبادی اردو سے دوچار ہوتا ہے) زبان دہلوی کا باقاعدہ ارتقا پھر شروع ہوتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ ادبیات کی گوں کی سمجھی جانے لگی۔ اس وقت فارسی اور برج دونوں کا افسوں ٹوٹ چکا تھا اور دہلوی زبان پر پنجابی کے اثرات زائل ہو کر اس کی اپنی مستقل شکل متعین ہو چکی تھی۔ گو اردو کے پہلے بڑے ماہر لسانیات خاں آرزو "زبان اردو" یا "زبان اردو شاہی" کے مقابلے میں سند "گوالیاری" سے لینا پسند کرتے تھے۔ لیکن خاں آرزو آخری شاعر اور عالم تھے جنھوں نے گوالیاری کو مستند جانا ہے۔ محمد شاہ کے دور سے دہلوی

www.taemeernews.com

سماج کے اعلیٰ طبقات کا محاورہ افصح اور بلیغ سمجھا جانے لگا۔ خان آرزو کی گوالیاری پسندی کی شاید ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے پیشِ نظر عبدالواسع کی غرائب اللغات ہندی تھی۔ عبدالواسع کا وطن علاقہ ہریانہ میں "ہانسی" تھا اور چونکہ ان کے پیشِ نظر عوامی محاورہ تھا، اس لیے انھوں نے ثقات کے نقطۂ نظر سے غلط لکھا ہے۔ ایک دوسری وجہ یہ تھی کہ خان آرزو کا آگرہ اور گوالیار سے گہرا تعلق تھا اور ظاہر ہے کہ مادری زبان کی حیثیت سے انھوں نے برج ہی کا محاورہ سیکھا ہوگا۔ لیکن چونکہ خان آرزو نے اپنی نوادرالالفاظ دہلی میں بیٹھ کر لکھی تھی اس لیے "الفاظ" کی بہت سی مکتوبی اور ملفوظی شکلیں وہی ہیں جو غرائب اللغات میں موجود ہیں۔ اگرچہ خان آرزو ہانسوی کے بہت سے الفاظ ٹکسال باہر قرار دیتے ہیں مگر بہت سے ایسے الفاظ کو قبول بھی کر لیتے ہیں جنھیں بعد کے مصلحین زبان اردو نے مکروہ اور گنوارو قرار دے کر زبان سے خارج کر دیا۔[لہ]

اُردو اور پنجابی

پروفیسر شیرانی نے اپنی تصنیف "پنجاب میں اردو" میں بعض تاریخی مفروضات کی بناء پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کھڑی اور ہریانوی پنجابی مسلمانوں کے داخلۂ دہلی کے بعد ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ اس کا تاریخی جائزہ پچھلے صفحات میں لیا جا چکا ہے۔ پروفیسر مرحوم کے نظریہ کا دوسرا پہلو خالص لسانیاتی ہے۔ قدیم اردو (دکنی) اور پنجابی صرف و نحو کی مشترک خصوصیات کا ذکر کر کے انھوں نے بعض

لہ مقدمہ "نوادرالالفاظ" (خان آرزو) مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ ۱۹۵۱ء۔ برج بھاشا کا شمار اردو کے ساتھ ۱۸۰۳ء تک ہوتا رہا جبکہ للو لال جی نے "پریم ساگر" کی زبان کو "دلی آگرے کی کھڑی بولی" کے نام سے یاد کیا ہے۔ (ص ۱)

www.taemeernews.com

اہم لسانی نتائج اخذ کیے ہیں۔ لسانی استدلال کے اس طریق پر ذیل میں تنقید کی جائے گی۔

پروفیسر شیرانی نے "پنجاب میں اردو" لکھتے وقت اس لسانی حقیقت کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے کہ راجستھانی اور گجراتی کی طرح پنجابی کا تعلق بھی کسی زمانے میں زبانوں کی بیرونی شاخ سے تھا جس کے اثرات کی نشاندہی آج بھی کی جا سکتی ہے۔ بعد کو (شاید شورسینی اَپ بھرنش کے عہدِ عروج میں) اس پر اندرونی زبان، مدھیہ دیش کی زبان کا، جس کی نمائندہ بولیاں برج اور کھڑی ہیں، اس قدر گہرا اثر پڑا کہ اس کی صورت بدل گئی۔ اس کا ثبوت اس بات سے ملتا ہے کہ مغربی اور مشرقی پنجابی کے درمیان خطِ فاصل قائم کرنا دشوار ہے۔ یہ دونوں زبانیں اس غیر محسوس طریقہ پر گھل مِل جاتی ہیں کہ گریرسن کے خیال میں کسی زمانے میں سارے پنجاب پر لہندا چھائی ہوئی تھی، جسے بعد کو دوآبہ کی بولیوں نے پیچھے ڈھکیلنا شروع کیا اور رچنا دوآب تک ہٹا دیا۔ دوآبہ کی زبان کے نشانات سندھ ساگر دوآب تک کی لہندا میں پائے جاتے ہیں[1]۔ جوں جوں مشرق کی سمت آیئے اس کا رنگ اور گہرا ہو جاتا ہے۔ اسی لیئے راجستھانی اور گجراتی کی طرح پنجابی کو "ملواں" زبانوں کی صف میں جگہ دی گئی ہے۔

ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں کی پیدائش کے سلسلے میں ہر قسم کا مطالعہ اور تنقید بے سود ثابت ہوگی جب تک کہ :-

(الف) ہند آریائی زبان کے ارتقا کی عہدِ قدیم سے نشان دہی نہ کی جائے

---

[1] ۔ لسانیات ہند : جلد نہم حصہ اول : صفحہ ۱۶۴

www.taemeernews.com

بالخصوص جب تک کہ عہدِ اَپ بھرنش کی ادبیات کا لسانی جائزہ نہ لیا جائے۔

(ب) جب تک کہ تقابلی مطالعہ تمام ہمسایہ بولیوں کے ساتھ نہ کیا جائے۔

شیرانی نے اپنی تصنیف میں نمبر (الف) کو نظرانداز کرکے اپنے لسانی نظریہ کو بے بنیاد کر دیا ہے۔ نمبر (ب) کا خیال نہ رکھنے کی وجہ سے وہ بعض یکطرفہ لسانی نتائج مرتب کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ہر دو ہمسایہ بولیوں میں کچھ نہ کچھ مشترک خصوصیات ضرور ہوتی ہیں۔ چنانچہ اردو اگر ایک طرف اپنی قواعد کے اعتبار سے پنجابی سے ملتی جلتی ہے تو دوسری طرف ہریانوی سے بھی مماثلت رکھتی ہے۔ آج کا کی معیاری اردو رام پور اور مراد آباد کے اضلاع کی بولی سے قریب تر ہے۔ لیکن اپنے ارتقا کے ابتدائی مدارج میں یہ دوآبہ کی کھڑی اور جمنا پار کی ہٹرانوی بولی سے زیادہ قریب تھی۔ قدیم دکنی میں بعض اثرات پنجابی کے بھی جھلکتے ہیں۔ اس لئے تقابلی مطالعہ کا میدان ذرا وسیع ہونا چاہیئے اور جہاں تک ہو سکے پنجابی، اردو، ہٹرانوی اور برج بھاشا کی ادبیات کے قدیم ترین نمونوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔

(ا) شیرانی نے پنجابی اور اردو کی ایک اہم مشترک خصوصیت علامتِ مصدر "نا" بتائی ہے۔ اس سلسلہ میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ "نا" کی علامت مصدر پنجابی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ قدیم زمانے (دیکھئے نمونہ محبوب عالم' پنجاب میں اردو) سے ہٹرانوی میں "ن" کے ساتھ "نا" بھی ملتا ہے۔ علاوہ ازیں خود پنجابی میں "نا" کے ساتھ ساتھ "ن" بھی بطور علامت مصدر ملتا ہے۔ مثلاً "گھالنا" اور "گھالن" (بھیجنا[1]) جہاں تک اختتام پر نون غنہ "ناں" کا تعلق ہے یہ بھی پنجابی

---

[1] گریرسن: لسانیاتی جائزہ ہند: پنجابی گرامر کا خاکہ: جلد نہم حصہ اوّل صفحہ ۹۲۔

www.taemeernews.com

سے مخصوص نہیں۔ دہلی کے آس پاس کی بولیوں میں قدیم زمانے سے یہ خصوصیت ملتی ہے۔ دہلی والے آج بھی دہی کو دہیں (خالق باری دہیں، سب رس = دہیں) باراں، ستراں وغیرہ بولتے ہیں۔ نون غنہ کا سلسلہ اَپ بھرنش سے ملایا جا سکتا ہے۔ جس میں حروفِ علّت عام طور سے انفی ہو جاتے ہیں۔ دکنی چوں کہ اکثر اَپ بھرنشی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس لیے اس میں اس کی بے شمار مثالیں پائی جاتی ہیں مثلاً کوں پچھنتا (سنتا تا دستا نا) آدمیں (آدمی)۔ برسانت، دکھلائینگا، جائینگا ان کے علاوہ سیں، کوں، توں وغیرہ تو ہر صفحہ پر مل جائیں گے۔ غنہ آواز کی پیدائش جدید آریائی زبانوں کی مشترک عالم گیر خصوصیت ہے۔ توں (تو) پنجابی سے لے کر دکنی، ہریانوی، کھڑی بولی، راجستھانی اور برج بھاشا تک میں یکساں طور پر قدیم زمانے سے مستعمل ہے۔ خیر المجالس اور "مکتوبات قدسیہ" کے ہندی فقروں میں بیک وقت (تو) اور (توں) ملتا ہے۔

(۲) اردو (اَ) گروہ سے تعلق رکھنے والی زبان ہے یعنی اس میں اعلام و اسماء اور اسمائے صفات الف پر ختم ہوتے ہیں۔ جب کہ برج بھاشا بندیلی اور قنوجی میں "آو" پر۔ اس سلسلہ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اردو پنجابی سے متاثر ہے جس کی نمایاں خصوصیت (اَ) ہے۔ یہاں یہ ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ (اَ) اور (اَو) دونوں شکلیں ازمنہ وسطیٰ کی پراکرتوں سے ظہور پذیر ہوئی ہیں۔ مغربی ہندی کی تین بولیوں نے (اَو) کی شکل کو اپنایا۔ لیکن باقی ماندہ دو بولیوں (کھڑی اور ہریانی) میں (اَ) ہی کی شکل ملتی ہے۔ یہ امر اب مسلمہ ہے کہ قدیم دکنی شمالی ہند کی کسی ایسی بولی پر مبنی ہے جس کی بنیاد (اَ) پر ہے یعنی

www.taemeernews.com

اس میں اسمائے اسمائے صفات اور اعلام کا اختتام "الف" پر ہوتا ہے۔ چنانچہ دکنی ادبیات میں (اَو) کی شکل کہیں نہیں ملتی۔ اس کی مزید توضیح اردو کے ایک دیہاتی نام یعنی کھڑی بولی سے ہو جاتی ہے۔

لفظ کھڑی بولی سے متعلق اب تک عجیب وغریب قیاس آرائیاں ہوتی آئی ہیں۔

(۱) پنڈت چندر دھر شرما گلیری کا خیال تھا کہ "بدیسی مسلمانوں نے آگرہ، دلی، سہارن پور اور میرٹھ کی کسی پڑی بھاشا کو کھڑی بنا کر اپنے لشکر اور سماج کے قابل بنا دیا۔"[1]

(۲) کھڑی بولی کی تشریح میں اس قسم کی غلط فہمی مولوی عبدالحق کو بھی ہوئی ہے۔ وہ لکھتے ہیں "کھڑی بولی" کے معنیٰ عام طور سے ہندوستان میں گنواری بولی کے ہیں جسے ہندوستان کا بچہ بچہ جانتا ہے۔ وہ نہ کوئی خاص زبان ہے اور نہ زبان کی کوئی شاخ۔"[2]

دراصل کھڑی بولی کے تصور کے لئے برج بھاشا کا پس منظر ضروری ہے۔ ایک کا تعلق (اَ) گروہ کی زبانوں سے ہے اور دوسری کا (اَو) گروہ والیوں سے۔ اگر یہ کہا جائے کہ برج بھاشا کے مقابلہ میں یہ بولی کھڑی لگتی ہے تو بات ذرا عقلیات کے دائرہ سے نکل کر حسیات میں آجاتی ہے لیکن اس کا عقلی اور لسانی جواز ہم بیان کر چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بندیل کھنڈ میں اسے "ٹھار"

---

[1] - انگریزی پرچارنی پتر کا سمبت ۱۹۷۸ء : صفحہ ۲۴۲ - ۲۴۴
[2] - رسالہ اردو - جولائی ۱۹۳۳ء : صفحہ ۵۹

www.taemeernews.com

بولی اور مارواڑ میں اسے "ٹھاٹھ" بولی کہتے ہیں۔ "ٹھار" اور "ٹھاٹھ" دونوں کا مفہوم "کھڑا" ہوتا ہے۔ زبان کا یہی کھڑا لہجہ پوربی اور برج بھاشا کے مقابلے میں معیاری سمجھا جاتا ہے۔

یہی کھڑا لہجہ ہریانے کے علاقے اور جاٹوں کی زبان میں "اکھڑ" بن جاتا ہے جو درمیانی حروفِ علّت بلا استثنار دبا دیتے ہیں۔ گدّی، بدّل، اُلّٹا، اُرّٹی وغیرہ۔ قدیم دکنی میں یہ بھی رجحان پایا جاتا ہے۔

اسمار وصفات کے سلسلے میں ذیل کی مشترک خصوصیات پر پروفیسر شیرانی نے زور دیا ہے۔

(۳) اسمار وصفات تذکیر و تانیث اور جمع واحد میں اپنے موصوف کی حالت کے مطابق ہوتے ہیں۔

اردو :- بڑا لڑکا۔ بڑے لڑکے۔ چھوٹی لڑکی۔ چھوٹی لڑکیاں۔

پنجابی :- وَڈّا مُنڈا۔ وَڈّے مُنڈے۔ نکّی کُڑی۔ نکیاں کُڑیاں۔

میر و سودا سے پہلے کی اردو اور دکنی میں چھوٹی لڑکیاں کی بجائے "چھوٹیاں لڑکیاں" ہی کہا جاتا ہے۔ شیرانی کے خیال میں یہ بے ضابطگی میر و سودا کے عہد سے شروع ہوتی ہے۔

(۴) خبر تذکیر و تانیث، واحد، جمع میں اپنے مبتدا کے موافق آتی ہے۔

جدید اردو:	یہ بات بھلی نہیں	یہ باتیں بھلی نہیں
پنجابی:	ایہ گل چنگی نہیں	ایہ گلاں چنگیاں نہیں
قدیم اردو دکنی:-	----------	باتاں بھلیاں نہیں

www.taemeernews.com

سوداؔ۔ ع سے نہ میں کہتا تھا اے ظالم کہ یہ باتیں نہیں بھلیاں۔

(۵) فعل تذکیر و تانیث اور واحد جمع میں اپنے فعل کے مطابق آتا ہے۔

اردو :	عورت آئی	عورتیں آئیں
پنجابی :	بڈھی آئی	بڈھیاں آئیاں
قدیم اردو (دکنی)	----------	عورتاں آئیاں

حاتم سے جب سے تری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں
تب سے جہاں میں تو نے دھومیں مچائیاں ہیں

سوداؔ ع۔ یہ انکھیاں کیوں مرے جی کے گلے کا ہار ہو پڑیاں

(۶) اضافت بھی اپنے فاعل کی تذکیر و تانیث اور واحد و جمع کے مطابق آتی ہے۔

اردو: اس میں کوٹھریاں رنگ برنگی ہیں بعض چاندی کی ---- وغیرہ

پنجابی: اوہ وے وِچ کوٹھریاں رنگ برنگیاں بعضیاں چاندی دیاں ---- وغیرہ

دکنی: اس میں کوٹھریاں رنگ برنگ کیاں، بعض چاندی کیاں ---------- وغیرہ۔ (ہزار مسائل)

دکنی: یوں نود ہزار باتاں اللہ ہور محمدؐ کیاں ---- (معراج العاشقین)

مذکورہ بالا لسانی خصوصیات کے متعلق یہ کہنا کہ اردوئے قدیم یا دکنی نے پنجابی سے لی ہوں گی، محض بے بنیاد قیاس آرائی ہوگی۔ یہی صرفی خصوصیات دہلی کے قرب و جوار کی بولیوں میں آج بھی پائی جاتی ہے انبالہ کی کھڑی بولی

www.taemeernews.com

اور ہریانہ کے علاقوں کے قدیم ترین مصنفوں محمد افضل اور عبدی، شیخ محبوب عالم، ساکن جھجھر وغیرہ کے یہاں ملتی ہیں۔ مثلاً دن کی جمع دناں، کھیت کی جمع کھیتاں، گھر کی جمع گھراں وغیرہ۔ آج بھی ہریانہ کے علاقہ میں بولی جاتی ہیں[۱]۔ شیخ محبوب عالم کے محشر نامہ میں اسی نہج پر ٹکراں۔ غریباں، جھوٹاں، اوٹاں وغیرہ ملتی ہیں[۲]۔

ع لب پہ کلی کے مہر کرے اس لباں کا رنگ (حاتم)

اسی طرح سے آئیاں، جائیاں وغیرہ، حاتم، میر اور سودا سے لے کر لکھنؤ میں میر انیس اور دہلی میں داغ تک نے باندھا ہے۔ راقم السطور نے خود دہلی کی بڑھیوں کی زبان سے اس قسم کے صیغے سنے ہیں۔ شاہی زمانہ تک لال قلعہ کی یہی زبان تھی۔ اس کی لسانی وجہ ہمارے خیال میں یہ ہے کہ اس وقت تک جدید آریائی زبانوں میں "نے" علامت فاعلی کی شکل میں جڑ نہیں پکڑی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اردوئے قدیم میں "نے" کا جتنی بے ضابطگی کے ساتھ استعمال ملتا ہے اس کی نظیر نہیں ملتی۔ قدیم اردو یا ہندی ادب میں "نے" علامتِ فاعلی کے طور پر استعمال ہونے لگا ہے۔ افعال کا مفعول کی بجائے فاعل کے مطابق آنے کی یہی وجہ ہے۔ دکنی میں دونوں صورتوں میں بہ کثرت ملتا ہے۔ لیکن دکنی میں "نے" کے استعمال میں بے قاعدگی ملتی ہے۔ اس میں یہ

۱۔ گریرسن: لسانیاتی جائزہ ہند جلد نہم حصہ اوّل صفحہ ۲۰۷ اور گرامر ہندی صفحہ ۳۶ دھریندر ورما۔

۲۔ اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۰ء: ہریانی میں تالیفات شیرانی۔

www.taemeernews.com

فاعل، مفعول دونوں کے لیے آتا ہے جیسا کہ برج بھاشا کا دستور ہے لیکن فاعلی علامت ہونے کی حالت میں اردو کے برخلاف فعل اپنے فاعل کا تابع رہتا ہے۔

(۱) فاعلی: (۱) ۔غمزے نے نظر کو اپنے گھر لے کر گیا۔

(سب رس ص ۹۰)

(۲) رقیب نے، روسیاہ نے، بے نصیب نے بولیا

(سب رس ص ۷۱)

(۳) مفعولی (۱) آدمی برا اچھے تو شراب نے کیا کرنا

(سب رس ص ۳۴)

(۲) بے نمک کھاتے آدمی نے کیا سواد پانا

(سب رس ص ۲۸)

میر و سودا کے زمانہ تک اس کے استعمال میں قاعدہ کی پابندی نہیں برتی جاتی تھی۔ ع۔ گل کو محبوب ہم قیاس کیا (میر)۔ حاتم نے بعض اوقات "نے" فاعلی استعمال کی ہے۔ لیکن ان کا عام رجحان یہی ہے کہ وہ اسے حذف کر دیتے ہیں۔ مثلاً ان کی یہ غزل جس کی ردیف 'ہم' ہے (دیکھے ہیں ہم، پیتے ہیں ہم) میں "نے" فاعلی نہیں ملتی۔ مزید مثالیں "میں دیکھا" (انتخاب حاتم ص ۲) ہم سیر کو جو دیکھا" ایضاً ص ۱۴۱ ع۔ رات ہم خواب میں اس زلف کو پیچاں دیکھا۔ (ایضاً ص ۲) لیکن "نے" فاعلی کی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔ ع کہ جیسا ہم نے کھینچا آن کر آزار دنیا میں" (ایضاً ص ۲۹) مزید صفحہ ۲۹" اور صفحہ ۲۵ پر۔

www.taemeernews.com

آج بھی ہریانوی میں بحیثیت علامت فاعل اور مفعول ایک ہی جملہ میں اسس طرح استعمال ہوتا ہے۔

من نے صاحب نے ماریا = مجھے صاحب نے مارا

حرفِ عطف میں "ہور" جو دکنی سے بھی مخصوص ہے پنجابی کی نمایاں خصوصیت نہیں بلکہ مغربی ہندی کی اکثر بولیوں اور راجستھانی میں مشترک ہے۔ مغربی روہیلکھنڈ اور شمالی دوآبہ میں یہ "اور" "آر" یا "ہر" ہو جاتا ہے بلکہ دہرہ دون اور سہارنپور کے اضلاع میں یہ صاف "ہور" سنائی دیتا ہے۔

افعال :۔

(۷) فعل امر کے متعلق شیرانی لکھتے ہیں "امر کا قاعدہ اردو پنجابی میں بالکل ایک ہے" یعنی علامت مصدر گرادی جائے تو امر باقی رہ جاتا ہے مثلاً چلنا (چل) کرنا (کر) - پروفیسر مرحوم کا یہ بیان بالکل صحیح ہے لیکن اس کے ساتھ ہمارا یہ دعویٰ بھی بالکل صحیح ہوگا کہ امر کا قاعدہ اردو اور بنگالی اردو اور گجراتی، اردو اور مرہٹی میں بالکل یکساں ہے۔ دراصل امر کا یہ قاعدہ پنجابی یا اردو کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ہندوستان کی تمام جدید آریائی زبانوں میں امر اسی طرح بنتا ہے۔ چل، کر وغیرہ آج پنجاب سے لے کر بنگال اور دکن تک بعینہٖ مستعمل ہیں۔ اس قسم کے ایک طرفہ بیانات عام طور سے اپنے دعویٰ کی حجت کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

(۸) لفظ "تھا" کے متعلق پروفیسر موصوف نے ایک نئے نظریہ کا استخراج کیا ہے اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ ملتانی زبان کے مصدر "تھیونا"

www.taemeernews.com

(بمعنی ہونا) سے نکلا ہے۔ لکھتے ہیں :۔

"تھا۔ اس غریب کو لغات نگاروں نے مصدر "ہونا" کا پسر خواندہ بنا دیا ہے ان کا بیان ہے کہ یہ ہونا کی ماضی ہے۔۔۔۔ سنسکرت اور پراکرت کی آڑ میں خدا جانے ہم سے کیا کیا قبلوایا جا رہا ہے۔ لیکن ایک موٹی سی بات یہ ہے۔ کہ کیا یہ ضروری ہے کہ لفظ سنسکرت کے ماخذ سے نکالا جائے۔ اب میں بجائے اس کے کہ "تھا" کو "ہونا" کے سر باندھوں اور پھر ہونا کو سنسکرت کے "بھو" سے استخراج کروں یہ زیادہ موزوں سمجھتا ہوں کہ اس کو ملتانی زبان کے مصدر (تھیونا) بمعنی 'ہونا' کی ماضی مان لوں "تھیونا" کی ماضی "تھیا" آتی ہے۔ اردو والوں نے اسے یائے اشمام سمجھ کر اڑا دیا اور "تھا" بنا لیا۔ "تھیا" اس قدر قدیم ہے کہ ہندی کا سب سے قدیم جملہ جو ہمیں تاریخ میں ملتا ہے اس میں یہ موجود ہے۔"

"برکت شیخ "تھیا" اک مُوا اک نہا" (تاریخ فیروز شاہی عفیف ص ۳۲۱)

اردو کے استخراج کے متعلق پروفیسر موصوف کا تاریخی اور لسانی استدلال تقریباً ہر جگہ اسی قسم کا ہے۔ ہندی اردو کے فعل امدادی (ماضی) "تھا" کا تعلق سنسکرت کے "بھو" سے نہیں "ستھ" स्थ سے ہے۔

اردو : تھا پراکرت تھائی، ٹھائی : سنسکرت استھت (स्थित) یہ ہے "تھا" کی لسانی تاریخ۔ دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ "تھیونا" اور "تھیا" ملتانی

www.taemeernews.com

میں مصدر اور فعل ماضی کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن 'تھیا' پنجابی اور ملتانی میں فعل امدادی ماضی کے طور پر مستعمل نہیں۔ پنجابی کی ماضی میں فعل امدادی۔ سان۔ سی اور سوں آتے ہیں[1]۔

جہاں تک برکتِ شیخ تھیا'۔ ۔ ۔ ۔ ۔" والے جملے کا تعلق ہے۔ ہمیں اس میں بھی اختلاف ہے۔ یہ شیخ تھیا" نہیں ہے بلکہ" برکتِ شیخ تھپا (یا تھبا) ۔ ۔ ۔ ۔ ۔" ہے۔ شیخ تھپا سندھ میں اس عہد کے ایک بڑے بزرگ گذرے ہیں۔

(۹) پنجابی میں گا۔ گی۔ گے کے علاوہ مستقبل "سی" کی تصریف سے بھی بنتا ہے جس کا تعلق لہندا زبان سے ہے۔ دکنی میں اس قسم کے مستقبل کی مثالیں مل جاتی ہیں۔

(۱) واحد غائب = اس کتاب بغیر کوئی اپنا وقت بہلا سی نا۔

(سب رس ص ۱۱۰)

(۲) جمع غائب = انو کے دلاں پر ایسے خطرے ہرگز نہ آسیں

(سب رس ص ۱۰۵)

(۳) واحد حاضر = جو لگن تو سب تے بے طمع نہ ہوسی۔

(سب رس ص ۲۲)

(۴) واحد متکلم = میں ایسی نئیں ہوں، تو پو بے بچھیں تدبیر کرنا سوں

(سب رس ص ۲۱۵)

لیکن یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ باقی صیغے یعنی جمع حاضر اور جمع متکلم سب

---

[1] پنجابی گرامر۔ بیلی ص ۳۲۳ (کلکتہ)

www.taemeernews.com

رس میں نہیں ملتے۔ سب رس میں "سی" اس قدر کمی کے ساتھ ملتا ہے کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں یہ متروک ہو رہا تھا۔ لیکن اس "سی" کا تعلق محض لہندا سے نہیں۔ مغربی حلقہ کی جتنی بھی زبانیں ہیں ان کی یہ علامتِ مخصوص ہے۔ راجستھانی کی اکثر بولیوں میں (گا) کے ساتھ ساتھ "سی" کا بھی استعمال ہوتا ہے۔ میواتیوں کا دہلی کے بازاروں میں قدیم زمانے سے زور رہا ہے۔ میواتی راجستھانی ہی کی ایک بولی ہے۔

(۱۰) غیر زبان کے الفاظ کے آخر میں یائے زائدہ کا اضافہ بھی پنجابی کی تنہا خصوصیت نہیں۔ برج بھاشا، قنوجی اور اودھی بولیوں میں یہ عام طور سے پائی جاتی ہے۔ کانپور کی قنوجی میں 'بعد کو" بعدی" کہا جاتا ہے۔

(۱۱) مانگا۔ تانگا۔ چپ چپاتے۔ ہلنا جلنا وغیرہ الفاظ کو شیرانی نے پنجابی صرف اس لیے بتایا ہے کہ اس میں دوسرا لفظ بے معنی ہے اور لغت نگاروں نے غلطی سے مہمل کہا ہے پنجابی میں ایک مستقل لفظ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس قسم کے دوہرے اسماء گھوڑا دوڑا، لوٹا اوٹا، میں تو عام طور سے دوسرا لفظ تابع مہمل ہوتا ہے۔ لیکن افعال میں عام طور سے ہم معنیٰ لفظ یکجا کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ خصوصیت ہندوستان کی تمام نئی آریائی زبانوں میں ملتی ہے جس کا تعلق براہِ راست پراکرت سے ملایا جا سکتا ہے۔

حالتِ مجروری میں "وں" کا اضافہ بھی پنجابی سے مخصوص نہیں اردو میں آنکھوں دیکھا، بمعنی آنکھوں سے دیکھا اب بھی مستعمل ہے۔

(۱۲) مغربی ہندی اور اس کی بولیوں کھڑی، برج اور ہریانوی وغیرہ کی ایک عام

www.taemeernews.com

خصوصیت یہ ہے کہ اس میں (د) ہمیشہ (ب) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً۔
سنسکرت: وِچار = بچار (برج) دکنی، ہریانوی، کھڑی)
س: وِش = بِس (برج)، کھڑی، ہریانوی وغیرہ)
دینا = بین (برج، کھڑی، ہریانوی، دکنی وغیرہ)

اسی طرح بیج، بات، برن، بید، وغیرہ مغربی ہندی کے علاقے میں عام طور سے بولے جاتے ہیں۔ قدیم دکنی ادبیات سے حسبِ ذیل الفاظ اس رجحان کی تائید کرتے ہیں۔

جوبن (س = یوَن = ق - ق - ۲۴۲) برن (س = ورن = ف - ش - پ) بچن (س = وچن - ف - ش - پ) بات (س = وارتا ف - ش - پ) بَست (س = وَستو (چیز، ف - ش - پ) بِس (س = وِش - ف - ق - م) بجر (س وَجر (پتھر) ف - ق - م) وغیرہ۔

مغربی ہندی کے اس اٹل صوتی اصول کے سامنے خود عربی فارسی کے الفاظ نہ ٹک سکے۔ چنانچہ دوآبہ کے دیہاتوں میں "وکیل" کا "بکیل" "ولایت" کا "بلایت" وغیرہ اکثر سننے میں آتا ہے۔ اس کے برخلاف پنجابی میں بیشتر (د) کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ مثلاً وِچ (بیچ) وال (بال) وَڈائی (بڑائی) ویر (بیر) وچار (بچار) وگاڑ (بگاڑ) وِش (بِس) ورف (برف) وغیرہ۔

اشارات: ق - ق - کلیات قلی قطب شاہ، ف - ش - ر - فرہنگ شہ پارے، پ - ...، م - فرہنگ قطب مشتری۔

www.taemeernews.com

قدیم پنجابی گرو گرنتھ صاحب[1] سے اس دعویٰ کی تائید (وچ صفحہ ۲ سطر ۱۲) - (وڈیائی صفحہ ۳۹۵) (وچارنا صفحہ ۱۴ پر بار بار آیا ہے) - وِسارنا (بسرنا، صفحہ ۲۵)

پنجابی کی طرح سندھی، لہندا اور گجراتی میں بھی یہ خصوصیت پائی جاتی ہے۔

گجراتی	اردو	گجراتی	اردو
دینا	بِین	وِچار	بچار
پرَوَت	پربت	وِش	بِس

پروفیسر شیرانی مذکورہ بالا صوتی اصول کی تعبیر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"پنجابی اور اردو میں بعض الفاظ آپس میں تبدیل ہو جایا کرتے ہیں۔ مثلاً پنجابی کی واؤ اردو میں (ب) سے تبدیل ہو جاتی ہے")

لیکن اگر پروفیسر موصوف کی نظر آریائی السنۂ ہند کی تبدیلی صوت کے اصولوں پر ہوتی تو وہ شاید اردو، پنجابی کا رشتہ اس طور پر قائم نہ کرتے۔

(۱۴) پنجابی زبان کی ایک دوسری خصوصیت شیرانی یہ بتاتے ہیں کہ :-

"تمام ایسے الفاظ جن میں ثانی حرفِ علت ہو بہ تخفیف حرفِ علت تلفظ کیا جاتا ہے"

مثلاً کان، ناک، بات اور رات پنجابی لہجہ میں کَن، نَک۔ ہَت اور رَت بن جاتے ہیں یا یوں کہنا چاہیئے کہ ایسے الفاظ میں برج بھاشا میں پہلے حرف کے بعد حرفِ علت اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] - اردو ایڈیشن، نول کشور پریس ۱۸۷۱ء

www.taemeernews.com

مثلاً پنجابی "پگ" برج بھاشا میں جاکر "پاگ" بن گئی۔ اردو میں
جو پنجابی اور برج بھاشا کے بین بین ہے اس قاعدہ کا اثر بہت
نمایاں ہے اور وہ دونوں کی مقلد ہے۔ کبھی برج کی تقلید کرتی
ہے، کبھی پنجابی کی اور کبھی دونوں کی۔ مثلاً اردو میں "جگنا" بھی
بولتے ہیں اور "جاگنا" بھی۔ لیکن اکثر موقعوں پر دیکھا جاتا ہے کہ
اردو کا میلان زیادہ تر پنجابی قاعدہ کی طرف ہے۔"

پروفیسر شیرانی کے اس خیال کے متعلق ہمیں پھر کہنا پڑتا ہے کہ وہ جدید زبانوں کے مسائل پر بحث کرتے وقت پراکرت اور اَپ بھرنش کے لسانی اصولوں کو بالکل نظرانداز کر جاتے ہیں۔ آخری دور کی پراکرتوں کی یہ ایک نمایاں خصوصیت تھی کہ ان میں ایسے الفاظ بکثرت ملتے تھے جن میں ایک حرفِ علّت سے پہلے مشدّد حرفِ صحیح ہوتا تھا۔ مثلاً کھکّو (کھڑگ = تلوار) مکھنّم (مکھن) وغیرہ۔ چنانچہ اس قسم کے الفاظ سہل اس طرح بنائے جاتے تھے کہ مشدّد حرف کو سادہ تلفظ کرتے تھے اور اس سے پہلے آنے والے حرفِ علّت کو کھینچ کر ادا کرتے تھے۔ سہل بنانے کا یہ اصول شورسینی پراکرت میں کم رائج تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اَپ بھرنش عہد کا اُدب ثقیل اور کرخت معلوم ہوتا ہے۔ برج بھاشا میں البتہ مشدّد الفاظ کو آسان بنا لیا جاتا ہے۔ مثلاً اردو کا 'مکھن' برج بھاشا میں 'ماکھن' ہو جاتا ہے۔ ع

میا میں نہیں کھائیو ماکھن روٹی۔ (سورداس)

جوں جوں ہم راجستھانی، مرہٹی، گجراتی زبانوں کے علاقے کی طرف آئیں

www.taemeernews.com

یہ رجحان بڑھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ گجراتی اور مرہٹی کا یہ عام اصول بن جاتا ہے۔ ان دونوں میں مکھن ہمیشہ ماکھن کہا جائے گا۔[1] مزید مثالیں۔

اردو	مرہٹی	اردو	گجراتی
منش	مانوس	مکھن	ماکھن

لیکن جدید اردو کا لہجہ کافی بدل گیا ہے اور اکثر الفاظ میں وہ برج کی مقلد بن گئی ہے۔

اردو	برج بھاشا	پنجابی
مانگتا	مانگتا	منگتا
مونگ	مونگ	مُنگ
بادل	بادل	بدّل
بیچ	بیچ	وِچ
چاول	چاول	چَول
اونچا	اونچا	اُچّا
لاکھ	لاکھ	لکھ

---

[1] ۔ حرف علت کو دبا دینے یا گرا دینے کا رجحان جدید ہند آریائی زبانوں ہی میں پایا جاتا ہے۔ قدیم زبان میں یہ ناممکن تھا۔ اردو شاعری میں جو حروفِ علت کے گرا دینے کا رجحان پایا جاتا ہے وہ اسی نئے عہد کی یادگار ہے۔ ہندی پنگل میں یہ بالکل جائز نہیں۔ لکھنوی شعرا نے لکھنوی لہجہ کا (جو یقیناً اودھی سے متاثر تھا) احترام کرتے ہوئے اس کے خلاف ہمیشہ احتجاج کیا ہے۔ اودھی اور برج بھاشا میں یہ میلان نہیں ملتا۔ بلکہ اس میں عام طور سے حروفِ علت کو کھینچ دیا جاتا ہے۔

www.taemeernews.com

دکنی میں عام طور سے الفاظ کا تلفظ بہ تخفیفِ حرفِ علت ہوتا ہے۔
مثلاً سجن۔ سُرج (سورج) اگے (آگے) ٹُٹنا (ٹوٹنا) ڈُب (ڈوب) چند (چاند) بُند (بوند) کُئی (کوئی) جُکئی (جوکوئی) بدل (بادل) ہتی (ہاتھی) گُنگے (گھونگے) اُپر (اوپر) بغیر (بغیر) دُسرا (دوسرا) تسرا (تیسرا) گدُ (گودا) گھنگھٹ (گھونگھٹ) پرم (پریم) پرت (پریت) سُنگنا (سونگنا) منگنا (مانگنا) دھنڈنا (ڈھونڈنا) اَسمان (آسمان) غیب (غائب)

لیکن اکثر ایسا نہیں بھی ہوتا۔

چلی سے کے چھپ سوں پکڑ ہت میں ہاتھ

(گلشنِ عشق صفحہ ۲۲۹ : نصرتی)

اسی طریقہ سے مانگ کر (ق۔ ق صفحہ ۱۴۹ حالانکہ منگ کر زیادہ ملتا ہے۔)
بولانا۔ چھوپاتی۔ چھوپاکر (س۔ ر صفحہ ۲۳) سودتی (ف یش۔ پ) موٹی (مُٹھی) بلبُول (بلبل) جاگا (س۔ ر صفحہ ۱۹) چاند (س۔ ر۔ صفحہ ۲۴) راکھے (صفحہ س۔ ر۔ صفحہ ۲۱۲) بوند (س۔ ر۔ صفحہ ۲۱۴)۔

کھڑی بولی کے اکثر اضلاع (مثلاً مشرقی انبالہ۔ سہارن پور، میرٹھ، مظفر نگر) میں مشدّد الفاظ کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں اور ہریانوی کی تو یہ عام خصوصیت ہے۔

اس سلسلے میں یہ دلچسپ بات ہے کہ قدیم اردو اور دکنی میں مشدّد الفاظ شائستگی کی علامت سمجھے جاتے تھے۔ لہجہ جتنا کھڑا ہوتا تھا اتنا ہی کھرا سمجھا جاتا تھا۔ اب یہ لہجہ کسی قدر گنوار دخیال کیا جاتا ہے۔ خان آرزو دہلوی زبان کے

www.taemeernews.com

ارتقاء کے ابتدائی مدارج ہی میں عبدالواسع ہانسوی کے ہریانوی تلفظ پر معترض تھے اور اسے گنوار خیال کرتے تھے۔ چنانچہ فصاحت کے اعتبار سے "جگنے" پر "جاگنے" "متھے" پر "ماتھے"، "ہت" پر "ہاتھ"۔ "لکھ" پر "لاکھ"۔ "پچھے" پر "پیچھے" کو زیادہ فصیح سمجھا جاتا ہے۔ اہلِ لکھنؤ دہلی والوں کی زبان کو کسی قدر کرخت سمجھتے رہے۔ لاہور والے آج تک یوپی والوں کی زبان کو بریک (باریک) زبان کہتے ہیں۔ دہلوی اور روہلکھنڈی لہجہ میں ایک طرح صدیوں سے اردو کے تلفظ کا معیار متعین ہوگیا ہے۔ ان کے کھڑے اندازِ گفتگو کے مردانہ حُسن کو آج بھی سراہا جاتا ہے۔

تخفیفِ حروفِ علت کے لحاظ سے اردو برج اور پنجابی کے درمیان ڈولتی ہے۔ قدیم اردو اور دکنی میں یہ تخفیف عام طور سے پائی جاتی ہے۔ اس کا اصل سبب پنجابی نہیں بلکہ باستثناء برج بھاشا نواح دہلی کی تمام بولیوں (کھڑی بولی۔ میواتی اور ہریانوی) کی یہ عام خصوصیت ہے۔ جس کا سلسلہ شورسینی اَپ بھرنش سے ملتا ہے۔

جدید اردو	برج بھاشا	پنجابی	دکنی
آٹھ	آٹھ	اَٹھ	
آگ	آگ۔آگی	اَگّ	
آدھا	آدھا	آدھ	آدھ (سب رس)
آنکھ	آنکھ۔آنکھی	اَکھ	
آگے	آگے	اَگّے	انگے (سب رس)

www.taemeernews.com

جدید اردو	برج بھاشا	پنجابی	دکنی
آج	آج	اَجَ	
اوپر	اوپر	اُوپَر	اُپر (شہ پارے)
ایک	ایک	اِکّ	یِیک
بھوکا	بھوکا	بُھکّا۔بُکھا	
پوت	پوت	پُت۔پتّر	
پھول	پھول	پھُلّ	پُھل
چاند	چاند۔چَندَر	چند	چاند۔چَندَر
سات	سات	سَت	
کام	کام	کمّ	
لاکھ	لاکھ	لکھ۔لک	لکھ۔لک (معراج العاشقین)
لاج	لاج	لجّ	
ہاتھ	ہاتھ	ہتھ	ہاتھ۔ہت (نصرتی)
مٹّی	ماٹی	مٹّی/ماٹی	ماٹی (معراج العاشقین)
سچ	سانچ	سچ	سانچ۔سچ
ہاتھی	ہاتھی	ہاتھی	ہتّی (سب رس)
مٹھی	موٹھی	مٹھی	موٹھی (سب رس)
مانگتا	مانگتا	منگدا	منگتا (سب رس)
مُنہ	مُنہ	موں	موں (سب رس)

www.taemeernews.com

جدید اردو	برج بھاشا	پنجابی	دکنی
بتّی	باتی	بتّی	باتی (سب رس)
مچھّر	ماچھر	مچھّر	
پتّہ/پات	پات	پتّہ	پات (شہ پارے)

قدیم اردو اور پنجابی کے اختلافات

(۱) - حروف ہجا میں اردو کے ڑھ - جھ - گھ - بھ - اور دھ کا تلفظ پنجابی میں مختلف طریقہ پر ہوتا ہے - ان کے علاوہ (ہ) پنجابی الفاظ کے شروع میں آتی ہے - درمیانی کو اہلِ پنجاب ایک خاص لہجہ میں بدل دیتے ہیں - عام طور سے یہ ہمزہ (مخصوص Tone) کی آواز اختیار کرلیتی ہیں - جیسے شہر = شیئر، لاہور = لواَور یا بھوک = پوکھ - دھیان = دی ان، گھوڑا = کوئڑا، سمجھ = سمج، کچھ = کچ -

اس کے برخلاف کھڑی بولی برج بھاشا وغیرہ میں (ہ) کا تلفظ واضح طور سے ادا کیا جاتا ہے - مثلاً بارہ آنے، ڈھول، جھاڑ - پڑھنا - دھونا - بھائی -

(ہ) کو (ر) میں بدل دینے کے رجحان کو نو وارد ترکوں اور پٹھانوں نے مزید تقویت دی - فارسی اور ترکی میں یہ آوازیں مفقود ہیں -

لیکن پنجابی میں افعال کے آخر میں عام طور سے لہجہ کو بلند بنانے کے لئے اس (ہ) کا بلا ضرورت بھی اضافہ کردیا جاتا ہے مثلاً کرہو، جانہہ = جان، رہائیں = راتیں، اس کی مثالیں قدیم زمانے سے مل جاتی ہیں -

www.taemeernews.com

آدھ گرنتھ صاحب[۱]: ص ۱۲/۱۲ سبھ (سب) ص ۲/۲ بھوکھ (بھوک) ص ۲/۸ گاڈیر (گاویں) ص ۲/۱۲ جایہنہ (جانی ص ۵ اپر)۔

تو دریاؤ، سبھ تجھ ہی ماہنہ تجھ بن دوجا کوئی ناہ

یہ خصوصیت ہمیں کھڑی اور ہریانوی میں بھی ملتی ہے: افضل کے بارہ ماسہ (نمونہ پنجاب میں اردو[۲]) میں پیہہ (پیا) بیکھ (بھیک) پاہی (پانی) جلا ہے (جلائے) چلاہی (چلائی) چراہی (چڑھائی) باجھ (شیخ محبوب عالم کے نمونے میں بھی "باجھ" ملتا ہے۔)

(۲) اردو میں ایک مزید آواز (ڑھ) ہے جو پنجابی میں نہیں ملتی[۳] یہ ایک علٰحدہ اور مستقل آواز ہے جو جدید دکنی میں پائی جاتی ہے[۴]۔ قدیم دکنی میں "ڑھ" کا تلفظ "ڑ" کے مانند کیا جاتا تھا بلکہ بیشتر اس کی قدیم شکل "ڈ" یا "ڈھ" کو برقرار رکھا جاتا تھا۔ مثلاً بڈا، بڈائی۔ چڈا وغیرہ۔

ضمائر:۔

زبان کے کینڈے کو متعین کرنے اور دیگر زبانوں سے اس کے صحیح رشتے کو بتلانے میں ضمائر کو جو اہمیت حاصل ہے اس کو سب قواعد نویسوں نے تسلیم کیا ہے۔ دکنی اور پنجابی کے بنیادی اختلافات ضمائر سے اچھی طرح اجاگر ہوتے

۱۔ بھائی جودھ سنگھ گیانی، نول کشور اردو ایڈیشن ۱۹۰۶ء

۲۔ صفحہ ۱۸۶-۱۸۷

۳۔ پنجابی اور ہندی کا سامانیہ بھاشا گیان۔ دونی چند لاہور۔

۴۔ ہندوستانی صوتیات (انگریزی)، ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور۔ صفحہ ۹۳

اشارات ب= بہی ۔ ر = سب رس × ق = قلی قطب شاہ (دیوان) × ق۔م = قطب مشتری۔

www.taemeernews.com

ہیں۔ مَیں، میرا (س۔ رص ۲۵/۸) توں (ق ۲۱/۹) تیرا (س۔ ر ۲۵/۸) واحد متکلم اور واحد مخاطب ضمائر سے قطع نظر دونوں زبانوں کے بیشتر ضمائر ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

واحد غائب۔ حالتِ فاعلی = پنجابی (ایہہ) دکنی میں عام طور سے یو (س۔ ر ۲۳۰/۲) ملتا ہے۔ موجودہ دکنی میں "یے" اور "یہ" بھی استعمال ہوتے ہیں۔

حالتِ اضافی :۔ واحد ہو یا جمع، پنجابی کی حالت اضافی دکنی سے ہمیشہ مختلف ہوگی۔ پنجابی میں (کا، کی، کے) بجائے (دا، دی، دے) آتے ہیں۔ جس کی ایک بھی مثال باوجود کوشش کے پروفیسر شیرانی کو دکنی ادب میں نہ مل سکی۔

حالتِ مفعولی :۔ یہی حال حالتِ مفعولی کا ہے۔ پنجابی میں یہ "نوں" کے اضافہ سے بنائی جاتی ہے۔ ہریانی میں بھی "نوں" ملتا ہے۔ لیکن اردو ادبیات میں (دکنی ہو یا شمالی ہند کی) اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔

ضمائر کی جمع میں دونوں زبانوں کا اختلاف اور نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہاں دور کی بھی نسبت نہیں معلوم ہوتی۔

فاعلی جمع متکلّم :۔ پنجابی میں "اسی" جو اردو یا دکنی میں کبھی بھی استعمال نہیں ہوا۔ دکنی میں زیادہ تر "ہمیں" آتا ہے۔ مثلاً سب رس صفحہ ۱۴۶ "ہمیں بی عجب مرد ہیں" دیگر صفحہ ۱۸۰ اور صفحہ ۲۵۹ سب رس "ہم" بہت کم ملتا ہے۔

مفعولی جمع متکلّم:۔ دکنی میں زیادہ تر "ہمنا" یا "ہمناکوں" آتا ہے۔ جیسے سب رس ص ۱۱۸، اپنے باطن کی صورت "ہمناکوں" دکھادو۔ س۔ رص۔ ۲۰۰،

www.taemeernews.com

ہمنا یاد کرے گا۔

اضافی جمع متکلم:۔ پنجابی : ساڈا ۔ اساڈا = دکنی = ہمارا۔ ہمن (ق ۱۹/۴)

فاعلی جمع حاضر:۔ پنجابی : تُسیں : دکنی : تم (ق ۲۱/۶)

اضافی جمع حاضر:۔ پنجابی : تو باڈا ، تُساڈا : دکنی : تارا (ق ۱۷/۶) تمن (ق ۱۷/۹)

فاعلی جمع غائب:۔ پنجابی : ایہہ : دکنی : یو جو واحد کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اضافی اور مفعولی حالت غائب میں پنجابی "اوہ" کی بجائے دکنی میں "دو" (ق ۶۲/۲) آتا ہے۔ قلی قطب شاہ (۲۵۵/۲) میں محض (اُ) بھی ملتا ہے ان کے علاوہ اُن (ق ۵۵/۴) اور اُنے (س۔ ر ۵۱/۱۰) بھی ملتے ہیں۔

ضمائر اشارہ میں پنجابی اِتّا (اتنا) اور اُتّا (اتنا) دکنی میں نہیں ملتے۔ اِتّا اور اُتّا آتے ہیں۔ جو شمال میں بھی رائج رہے ہیں۔

ضمائر کے نقطۂ نظر سے قدیم دکنی کا نواحِ دہلی کی بولیوں (کھڑی برج اور ہریانوی) سے گہرا تعلق ہے۔

اعداد :۔

زبانوں کے رشتے اعداد سے بھی متعین کیے جا سکتے ہیں۔ حروف کی طرح یہ بھی کافی حد تک تغیر پذیر نہیں ہوتے۔ عام طور سے ہندوستان کی جدید آریائی زبانوں کے اعداد ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ پنجابی اور دکنی کے اختلافات ذیل سے معلوم ہو جائیں گے۔

www.taemeernews.com

پانچ : پنجابی (جدید و قدیم دونوں) میں پنج (سنسکرت پنچ) مستعمل ہے جو دکنی اور ہریانوی میں نہیں ملتا۔

تین : پنجابی میں پراکرت "ترنی" سے نکلا "ترن" اور سنسکرت[1] "تری نی" سے نکلا "ترائی" دونوں مستعمل ہیں۔ دکنی میں "ترائی" نہیں ملتا۔ پنجابی کا "یاراں" گیارہ بھی قدیم اردو میں معدوم ہے۔ بعض صوفیاء کے ملفوظات میں "اگیارہ" ضرور ملتا ہے۔

بیس :۔ پنجابی : سنسکرت ونشی سے زیادہ قریب ہے۔ دکنی کا بیس پراکرت کی بیسّی سے ماخوذ ہے۔ "س" کو ادا نہ کرنے کا جو رجحان پنجابی میں ملتا ہے۔ دکنی میں مفقود ہے۔ چنانچہ پنجابی میں انیس کا اُنّی، اکیس کا اِکّی، تیس کا تیہہ، اکتیس کا اکتی، پینٹھ کا پینٹھ اور چالیس کا چالی ملتا ہے۔ البتہ وہ اعداد جن کے لیے آخر میں حرف علت آتا ہے غنہ کے ساتھ ادا کیے جاتے ہیں موجودہ دہلی کے باشندوں کی خصوصیت ہے۔ جیسے باراں (۱۲)، تیراں (۱۳)، سولاں (۱۶)، ستراں (۱۷) (پنجابی ستاراں (۱۷)) وغیرہ۔

پچاس :۔ پنجابی میں پنجاہ ہے۔ اس کی نسبت سے اکاون (۵۱) اکونجا وغیرہ ہو جاتے ہیں۔

برج بھاشا اور قدیم و جدید اردو کے اکثر عدد مشترک ہیں۔ مثلاً ایک۔ تین۔ چار۔ پانچ۔ چھ۔ آٹھ۔ نو۔ دس۔ بیس۔ لاکھ۔

(برج بھاشا دیاکرن ص ۶۲ : دھریندر ورما)

---

[1] ہندی بھاشا کا اتی ہاس : دھریندر ورما : ص ۲۰۲۔

افعال :-

جہاں تک افعال کا تعلق ہے دکنی اور پنجابی میں بعض مماثلتیں بھی پائی جاتی ہیں اور بعض اہم اور بنیادی اختلافات بھی۔

(۱) پنجابی میں حالیہ ناتمام مادہ میں (دا) بڑھانے سے بنتا ہے۔ یہ شکل قدیم و جدید اردو میں کبھی بھی استعمال نہیں ہوئی جس کی مخصوص علامت (تا) ہے جو ہریانہ اور کھڑی بولی کے اضلاع میں نمایاں طور سے ملتی ہے برج بھاشا میں یہ محض (ت) بن کر رہ جاتی ہے۔[1]

حالیہ ناتمام دکنی اور اردو	حالیہ ناتمام پنجابی	مادہ
مرتا	مردا	مر
نکلتا۔ نِکستا	نکلدا	نکل
پیتا	پیندا	پی
جیتا	جیوندا	جی
کہتا (دکنی کتا)	کہندا	کہہ

اس سلسلہ میں پنجابی کی یہ خصوصیت بھی قابلِ غور ہے کہ حروف علت پر ختم ہونے والے مادوں میں حالیہ ناتمام بنتے وقت (غنہ) کا اضافہ کردیا جاتا ہے جو اردو اور دکنی میں معدوم ہے۔

(۲) مستقبل میں (گا۔گی۔گے) کے علاوہ جو اردو اور دکنی اور پنجابی میں ۔

---

[1] مزید مثالیں: کیہا (کیسا) جیہا (جیسا) تیہا (تیسا) کہیں (کسی) اوہ (اس) وہ (برس) وریھا ہے (برستا ہے) [illegible] ([illegible]سا) گھاہ (گھاس) سرہوں (سرسوں)۔

www.taemeernews.com

مشترک ہیں (وا) کی علامت بھی استعمال ہوتی ہے[1] جس کی کوئی مثال اردو کی قدیم وجدید ادبیات میں نہیں ملتی جس طرح دکنی میں برج کی علامت (ہ) مفقود ہے - اسی طرح پنجابی کی علامت مستقبل (وا) بھی -

(۳) افعال امدادی میں بلحاظ تلفظ اور صور دونوں زبانوں کا اختلاف اور بھی واضح ہو جاتا ہے -

واحد		جمع	
پنجابی	دکنی	پنجابی	دکنی
میں آں	میں ہوں	اساآں	ہم ہیں
توایں	توں ہے	تُسی اُو	تم ہو
اوہ اے	وہ ہے	اوہ ایں	وہ ہیں

خاص طور سے متکلم واحد کے صیغہ میں "آں" یا "ہاں" کی شکل کہیں نہیں ملتی - ماضی میں بنیادی اختلاف اور اجاگر ہو جاتا ہے - پنجابی میں اس کی مختلف شکلیں ملتی ہیں - دکنی میں "تھا" یا "اتھا" کی -

واحد		جمع	
پنجابی	دکنی	پنجابی	دکنی
میں ساں	میں تھا (اتھا)	اَسی ساں	ہم تھے (اتھے)
توسائیں	توں تھا (اتھا)	تُسِی ساؤں	تم تھے (اتھے)
اوہ سی	وہ تھا (اتھا)	اوسَن	وہ تھے (اتھے)

---

[1] پنجابی مینول اور گرامر : بیلی ص ۳۱۹

www.taemeernews.com

(۴) حالیہ ناتمام اور افعال امدادی کے مختلف ہونے کی صورت میں مرکب افعال مثلاً ماضی ناتمام (میں کرداساں) بھی لازمی طور پر مختلف ہو جاتے ہیں۔

(۵) افعال مرکب : کسی کام کے ختم کر دینے کو پنجابی میں عام طور سے بہنا (بیٹھنا) = رہنا، ہٹنا اور چکنا سے ظاہر کرتے ہیں۔

اردو اور دکنی میں رہنا، بیٹھنا اور بالخصوص ہٹنا اس طرح مستعمل نہیں۔ ان میں چکنا زیادہ فصیح اور بامحاورہ ہے۔ "چکنا" پنجابی میں اردو سے لیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ صرف شہروں میں مستعمل ہے دیہاتوں میں شاذ و نادر سننے میں آتا ہے[۱]۔ ہریانی تک کے علاقے میں "چکنا" کا مفہوم "لیا" سے ادا کیا جاتا ہے۔

ایک اور بڑا اختلاف یہ ہے کہ اردو میں سنسکرت (کتا क्त کا ت त) ہمیشہ حذف ہو جاتا ہے۔ پنجابی میں یہ کبھی نہیں ہوتا۔ جیسے

س = کرتہ	اردو = کیا	پنجابی = کیتا
س = دِتہ	اردو = دیا	پنجابی = دِتّا
س = سپتہ	اردو = سویا	پنجابی = سُتّا

پنجابی میں کیتا، دِتا وغیرہ میں ت = त) کا برقرار رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا تعلق لہندا سے بہت گہرا رہا ہے۔ دکنی میں کہیں کہیں (کیتا) کی شکل نظر آجاتی ہے۔ جیسے کیتا آواز، کیتی عرض۔ (اردو شہ پارے : مثنوی بہرام بانو - امین ص ۲۱۲) لیکن یہ اس میں مستقل صورت نہیں اور بعد کو متروک سمجھی جانے لگی۔ پھر یہ کہ دِتا، سُتا۔ وغیرہ کی مثالیں نہیں ملتیں۔

---

[۱] پنجابی صوتیات اور گرامر : بیلی ص ۳۲۲

www.taemeernews.com

حروف

پنجابی کے بعض عام مستعمل حروف دکنی میں نہیں ملتے۔

نوں = (کو) دکنی میں کو یا کوں مستعمل ہے۔ نوں۔ پانی پت اور کرنال کے اضلاع تک سنائی دیتا ہے۔

وِچ = اردو دکنی "بیچ" یا مِیں، وِچ قدیم و جدید پنجابی کے ساتھ مخصوص ہے (ص ۱۴/۲ آدھ گرنتھ صاحب) گو "مِیں" بھی آدھ گرنتھ صاحب میں پایا جاتا ہے۔

: (ص ۱۴/۲ آدگرنتھ) اردو دکنی کے ساتھ سنگ (ف۔ ق۔ م) کا مترادف ہے۔

توڑی، تاڑی : تک کے معنوں میں آتا ہے۔ دکنی میں "لگ" ہے جو آدگرنتھ ص ۲۵، ۲۷ میں بکثرت ملتا ہے اور لاہور سے کرادرھ تک کے دیہاتی رقبوں میں آج بھی سنا جاتا ہے۔

کول، کولے : پاس کے معنوں میں پنجابی میں مستعمل ہے۔ دکنی میں مفقود ہے۔ وانگوں، وانگر: مثل کے معنوں میں آتا ہے۔ دکنی میں سنسکرت کا سَم (ف۔ ق۔ م) بھی مستعمل تھا۔

نیڑے : نزدیک دکنی (نزدیک۔ ق۔ ق۔ م) یا کَن، کنے۔ (ف۔ ق۔ م) پنجابی سے مخصوص ہے۔

سمت کے اظہار کے لیے پنجابی میں ارے، اُرار، ول، سوا وغیرہ آتے ہیں جو دکنی میں نہیں ملتے۔

www.taemeernews.com

ہمن: دکنی میں اب اتال یا ہیبے (ف۔ق۔م) آیا ہے۔
پنجابی میں مختلف اوقات کے اظہار کے لیے ویلا (بیلا) اضافہ کردیتے ہیں۔ دھمّی ویلا (علی الصباح) یہ شکل دکنی میں نہیں ملتی۔

پنجابی میں بھیتر، کم اور، اندر، زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ دکنی میں، بھیتر کے ساتھ۔ بھترال، (ف۔ق۔م) کی شکل بھی نظر آتی ہے۔

(۷) پنجابی زبان کے بعض عام مستعمل اسماء اور افعال دکنی میں نہیں ملتے۔
اسماء: پیو (باپ) بھرا (بھائی) پُت۔ پتر (بیٹا) وا (ہوا) ویر (بیر) وستُ (س: وَستُ۔ چیز) وہٹی۔ رنّ (بیوی) دِھی۔ کاکی۔ کُڑی (بیٹی۔ لڑکی) کُکڑ (مرغ) وال۔ کیس (بال) روکھ (دکنی، جھاڑ) نِکا (چھوٹا) واج (آواز) ورودھ (دشمنی)

افعال: گھالنا (بمعنیٰ بھیجنا جو جدید پنجابی میں مستعمل ہے (پہنچانا = آد گرنتھ ص ۶/۲۷ [له]) دھیانا (ا۔گ۔ص ۶/۲۷) بھیا۔ بھئے (ہوا۔ ہوئے۔ ا۔گ۔ ص ۱/۲۶) وِسارنا (دکنی بِسرنا۔ ا۔گ ص ۶/۲۵) ویکھنا (دیکھنا ا۔گ۔ص ۴/۶)۔
یہاں یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ صوتی اعتبار سے بمقابلہ پنجابی دکنی "ب" کی آواز کو پسند کرتی ہے۔ پنجابی میں وال (بال) وِچارنا (بچارنا) وِسارنا (بسرنا) وغیرہ آتے ہیں جو مغربی ہندی کے صوتی اصولوں پر ڈھل کر دکنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔

[له] ا۔گ سے مراد "گرو گرنتھ صاحب آد" مطبوعہ نول کشور پریس اردو ایڈیشن ۱۹۱۰ء
۶/۲۷ سے مراد ص ۶، ۲۷ سطر

www.taemeernews.com

مزید مثالیں :۔

پنجابی	دکنی	پنجابی	دکنی
دِس - دِکھ	بِس	دات	بات
واگاں	باگاں (جمع باگ)	وچارنا (بچارنا) (ف - ق - م)	
ویچنا	بیچنا	وسنا	بسنا
دار	بار	وَسْت	بَسْت (ف - س - ر)
وڈھائی	بڈائی (ف - س - ر)	ورت	برت (روزہ)

قدیم دکنی اور پنجابی کے مذکورہ بنیادی اختلافات کے باوجود پروفیسر شیرانی کے اس دعویٰ میں کافی حد تک صداقت ملتی ہے کہ قدیم دکنی پنجابی سے مماثل ہے۔ لیکن صوتیاتی اور صرفی ونحوی لحاظ سے دکنی کے "پنجابی پن" کی توجیہہ نواح دہلی کی دو بولیوں (کھڑی ہریانوی) سے بھی ہو سکتی ہے۔ کھڑی بولی کے ارتقا کے بارے میں خود گریرسن متضاد باتیں لکھ گیا ہے۔ ایک طرف وہ پنجابی زبان کو "ملواں" زبان کی صف میں جگہ دیتا۔ دوسری طرف کھڑی بولی کو وہ برج بھاشا کی ایک ایسی شکل مانتا ہے جو پنجابی میں بتدریج ضم ہوتی چلی گئی ہے۔ تیسری طرف مجموعی حیثیت سے حکم لگاتے ہوئے وہ اور چارلس لائل دونوں کھڑی بولی کو برج بھاشا سے دوسری بولیوں کی بہ نسبت قریب تر کہتے ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ شمالی ہند میں برج بھاشا کھڑی بولی سے بہت پہلے ادبی شکل اختیار کر چکی تھی۔ قدیم اردو پر پنجابی زبان کے بعض اثرات کا تسلیم کرنا بھی

www.taemeernews.com

ناگزیر ہے جس نے "زبان دہلی" کے ارتقاء میں مہمیز لگائی۔ لیکن حقیقت یہ ہے جیسا کہ ڈاکٹر چٹرجی نے اپنی تصنیف میں اشارہ کیا ہے[1]۔ قدیم عہد میں لاہور سے لے کر الہ آباد تک کی زبان میں بہت زیادہ فرق نہ تھا۔ مغربی یوپی اور مشرقی پنجاب کی بولیاں آج بھی ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اس زمانے میں اور قریب تھیں۔ جدید آریائی بولیوں کے طلوع کا زمانہ ۱۰۰۰ء سے پیچھے نہیں لے جایا جا سکتا۔ اس لیے قدیم دکنی کا جواز جدید پنجابی میں نہیں ڈھونڈنا چاہیئے۔ بولی کی حیثیت سے اگر کسی کو قدیم دکنی سے گہری نسبت ہو سکتی ہے تو وہ دہلی کے نواح کی دو بولیاں ہیں۔ یعنی کھڑی اور ہریانوی۔ اس سلسلے میں برج بھاشا کو بھی ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کیونکہ شہر دہلی ان تمام بولیوں کے نقطۂ اتصال پر واقع ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ دکنی کے "پنجابی پن" کی توجیہہ حسب ذیل ضلعوں کی بولیوں سے کی جا سکتی ہے۔

(۱) کھڑی کے اضلاع : سہارنپور، مظفر نگر۔ میرٹھ اور غازی آباد۔

(۲) ہریانوی کے اضلاع : کرنال، رہتک۔

(۳) برج کا ضلع : بلند شہر۔ متھرا۔ آگرہ۔

ان میں دکنی اور قدیم اردو کے نقطۂ نظر سے میرٹھ اور رہتک کے اضلاع کی بولیاں بہت اہم ہیں۔ انھیں علاقوں کے رہنے والوں پر قدیم دہلوی سماج کے وہ مختلف طبقات قائم ہوئے تھے جو کئی قسم کی ملی جلی بولیاں بولتے تھے۔ ان سب پر ترک افغانی سماج کا ٹھپہ تھا۔ ابتداء میں شہر دہلی میں خسرو کی "زبان لاہوری"

---

[1] انڈو ایرین اور ہندی۔ چٹرجی ص ۱۶۷۔

www.taemeernews.com

کا اثر بھی تھا۔

محمود شیرانی اور ڈاکٹر زور دونوں ہی اپنی تحریروں میں یہ بات ثابت کرنے سے قاصر ہیں کہ پنجاب سے کبھی بھی اتنے وسیع پیمانے پر ہجرت ہوئی ہے جس کی مثال موجودہ شہر دہلی ہے۔ آج بھی کئی لاکھ کی آبادی کے ردوبدل کے باوجود قطع نظر شہر دہلی کے آس پاس کے اضلاع کی بولیوں کا اقتدار قائم ہے۔

پروفیسر ژول بلوک نے اپنی تحریروں میں اردو کی ابتدا کے سلسلہ میں صرف ہریانوی زبان پر زور دیا ہے۔ ڈاکٹر زور نے "ہندوستانی لسانیات" میں ہریانوی کے اثرات کا تذکرہ کیا ہے۔ اردو کی ابتدا اور ارتقاء کے سلسلے میں جس نظریہ کا خاکہ ہم نے اس کتاب میں تیار کیا ہے۔ اس میں زور نواح دہلی کی ان تمام بولیوں پر ہے جن کے سنگم پر شہر دہلی واقع ہے۔ دکنی کی غرابت اسی وقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ ہم معیاری اردو سے قطع نظر نواحِ دہلی کی بولیوں کا لسانی جائزہ نہیں لیتے۔ محمود شیرانی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے پنجابی اور دکنی کی مماثلت اپنی تصنیف میں پیش کی۔ جدید تحقیق صرف اس بات کی منتظر تھی کہ دکنی کی ان خصوصیات کو جنھیں پنجابی سے منسوب کیا گیا ہے نواحِ دہلی کی بولیوں سے ثابت کردے۔ کیونکہ پچھلے ابواب میں یہ بات تو مسلم ہوگئی ہے کہ ہریانوی اور کھڑی (نواحِ دہلی کی بولیاں) مسلمانوں کی فتح دہلی کے بعد کا ارتقا نہیں۔

اس تحقیقی کام کے سلسلے میں تاریخی مواد ہم صرف ہریانوی کا فراہم کرسکے ہیں۔ کھڑی کی جدید شکلوں پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں شمالی ہند کی اردو کے قدیم ادبی نمونوں پر بھی نظر رکھی گئی ہے۔

○

www.taemeernews.com

پانچواں باب

"زبانِ دہلی و پیرانش" (خسرو)

اردو کی ابتدا پر تحقیقی کام کرنے کے لیے قدیم ترین مواد دکنی اُردو کے نمونوں میں دستیاب ہے۔ دکن میں یہ زبان شمالی ہند سے پہونچتی ہے۔ اردو کے محققین نے دکن میں اس زبان کی اشاعت کا سلسلہ علاء الدین خلجی کی فتوحاتِ دکن ۱۲۹۶ء تا ۱۳۱۶ء سے قائم کیا ہے۔ زبانِ دہلی کی دوسری بڑی لہر ۱۳۲۷ء میں سلطان محمد بن تغلق کے ساتھ پہونچتی ہے۔ جس نے دولت آباد کو دارالسلطنت قرار دیا۔ ہر چند شمال اور دکن کے تہذیبی و سیاسی روابط اس سے بھی زیادہ قدیم ہیں۔

روایات کے دُھندلکے سے نکل کر تاریخ کی روشنی میں آیئے تو چالوکیہ اور یادو خاندانوں کے عہدِ حکومت میں دکن اور شمالی ہند کے گہرے تعلقات ثابت ہوتے ہیں۔ لیکن اب تک لسانی اثرات کے شواہد بہت کم مل سکے ہیں۔ "دکن کا پدیہ اور گدیہ" کے مصنف نے جو نہہ پا اور آپ بھرنش کے مصنفین کی تحریروں سے دکنی زبان کا آغاز کیا ہے وہ بقول ڈاکٹر چٹرجی صحیح نہیں[1]۔ اس لیے

---

[1] دیکھئے "دکن کا پدیہ اور گدیہ" مرتبہ شری رام شرما کا دیباچہ۔

www.taemeernews.com

لسانی نقطۂ نظر سے دکنی زبان کے قدیم ترین نمونے وہ قرار دیے جائیں گے جو اُردو رسم الخط میں لکھے ہوئے سلطنت بہمنیہ کے قیام کے بعد سے دکن میں دستیاب ہیں۔

"زبانِ دہلی" ترکوں اور افغانوں کی قیادت میں جمنا پار کے جاٹ اور گوجر دکن لے جاتے ہیں۔ شہر دہلی تین بولیوں کے سنگم پر واقع ہے۔ جمنا پار مغرب میں ہریانوی رائج ہے۔ شمال مشرق میں کھڑی اور جنوب میں برج کا علاقہ ہے۔ اردو کے ارتقا میں ان تمام بولیوں کے اثرات مختلف زمانوں میں پڑتے رہے ہیں۔ دکن کی زبان کا محاورہ سلاطینِ دہلی کے عہد کی یادگار ہے جب کہ آگرہ کی برج کے اثرات ہنوز نہیں پڑے تھے[1] دہلی میں بولیوں کی آنکھ مچولی کی داستان تفصیل سے بیان کرنا ناممکن ہے۔ اِس لیے کہ اس عہد کا تحریری مواد تقریباً مفقود ہے۔ البتہ صوفیہ کے اقوال اور ملفوظات میں جو جا بجا "زبان ہندی" یا ہندوی کے بکھرے ہوئے فقرے ملتے ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے کہ جاٹوں اور گوجروں کی زبان کا محاورہ اس زمانہ میں غالب تھا۔ یہی لسانی سطح دکن میں پہونچتی ہے۔ چونکہ ہریانوی اور پنجابی میں بہت سے عناصر مشترک ہیں۔ اس بنا پر پروفیسر شیرانی دکن کے لسانی مواد کا مقابلہ پنجابی سے کر کے سلسلہ اس سے مِلا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خسرو کی زبانِ دہلی میں ایک سے زیادہ بولیوں کا محاورہ لسانی ارتقا کی

---

[1] دکن میں ایک سے زیادہ بولیوں کا محاورہ پہونچتا ہے۔ دکنی نمونوں کی دو رنگی بعض اوقات سہ رنگی کا یہی سبب ہے۔ اس سلسلے میں "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" مرتبہ جمیل جالبی (کراچی) اور ڈاکٹر نذیر احمد کی مرتب کردہ ابراہیم عادل شاہ کی تصنیف "نورس" کا مطالعہ کیجیے۔ پنجابی سے برج تک تمام لسانیاتی سطحات مل جائیں گی۔

www.taemeernews.com

جولاں گاہ میں آنکھ مچولی کھیل رہا تھا۔ دکن میں بھی ایک سے زیادہ بولیاں پہونچتی ہیں اس لیے اردو کی ابتدا کے سلسلے میں نئے نظریے کی تشکیل اس طور پر کی جاسکتی ہے کہ ہم اپنے پہلے زبان شناس امیر خسرو کی زبانِ "دہلی و پیرامنش" سے اشارہ لے کر نواحِ دہلی کی بولیوں کا تقابلی مطالعہ کریں اور دکنی زبان کی خصوصیات کو پنجابی کے بجائے ان میں پہچاننے کی کوشش کریں۔ ایسا کرتے وقت ان بولیوں کے جدید رُوپ ہی پیشِ نظر نہ رہیں بلکہ ان قدیم نمونوں کا بھی جائزہ لیں جو دستیاب ہیں۔ مذکورۂ بالا تقابلی مطالعہ کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ قدیم اردو کی تشکیل براہِ راست دوآبہ کی کھڑی اور جمنا پار کی ہریانوی کے زیرِ اثر ہوئی ہے۔ اور جب سولھویں صدی میں آگرہ دارالسلطنت بن جاتا ہے اور کرشن بھگتی کی تحریک کے ساتھ برج بھاشا عام مقبول زبان ہوجاتی ہے تو سلاطین دہلی کے عہد کی تشکیل شدہ زبان کی نوک پلک برجی محاورے کے ذریعہ درست ہوتی ہے۔ اردو اور برج کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل دی جاچکی ہے۔ فی الحال ہریانوی اور کھڑی سے بحث کی جائیگی۔

اُردو اور ہریانوی

قدیم دکنی زبان کے مطالعہ کے سلسلے میں اب تک ہریانوی کو بالکل نظرانداز کیا گیا ہے۔ حالانکہ یہی زبان ہے جو قطع نظر شہر دہلی، ضلع دہلی میں آج بھی بولی جاتی ہے۔ پروفیسر شیرانی اسے قدیم اردو کی ایک شکل گردانتے ہیں۔ اُردوئے قدیم سے متعلق لسانی تحقیق کے سلسلے میں جو اہمیت اس کو حاصل ہے اس کی

www.taemeernews.com

طرف سب سے پہلے اشارہ پروفیسر ژول بلوک نے اپنے ایک مضمون "ہند آریائی لسانیات کے بعض مسائل" میں کیا ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں[۱]

"اس میں شک نہیں کہ پنجاب پہلا صوبہ ہے جو مسلمانوں کے زیرِ اقتدار آیا اور عرصہ تک رہا۔ اسی لیے پنجابی اور اُردو کی مماثلت یاد رکھیئے لیکن یہ اس قیاس کے مانع نہیں کہ ہندی لشکروں کے جو لوگ پہلے پہل اپنی زبان کو دکن لے گئے پنجاب سے متعلق تھے، بلکہ مشرقی پنجاب کے ضلع انبالا اور شمالی دوآبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مغربی روہیلکھنڈ کے متعلق میں تحقیق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ ان اضلاع کی اُردو نما زبان شاید بعد کے اثرات کی پیداوار ہے۔"

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں :۔

"لہٰذا میرے خیال میں مشرقی پنجاب کے اضلاع کی زبان لشکریوں کے ذریعہ دکن تک پہونچتی ہے جس نے مرورِ ایام سے شستہ ادبی زبان کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ (ص ۷۲۹-۷۳۰- B-SO-S ۱۹۲۸ء - ۱۹۳۰ء)

بعد کو ژول بلوک کی تحریروں ہی سے متاثر ہو کر ہریانوی کی اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر زور اپنی کتاب "ہندوستانی لسانیات" میں یوں رقم طراز ہیں:

یہاں ایک اور بات مدنظر رکھنی چاہیئے کہ اردو پر بانگرو یا ہریانی

---

[۱] بیلٹن اسکول آف اورنٹیل اسٹڈیز: جلد ۵ : صفحہ ۳۰ - ۱۹۲۹ء -

www.taemeernews.com

زبان کا بھی قابلِ لحاظ اثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبانِ دہلی کے شمال مغرب میں انبالہ کے اطراف میں اُس علاقہ میں بولی جاتی ہے جو پنجاب سے دہلی آتے ہوئے راستہ میں واقع ہے اور دہلی پر حملہ کرنے والوں یا وہاں کے حکمرانوں کے ہمراہ اسی علاقہ کے رہنے والے بہیر دبنگاہ کی حیثیت سے دہلی اور اس کے نواح میں آکر آباد ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فاتح و مفتوح کے میل جول سے جو زبان بنتی چلی آرہی تھی اس میں ہریانی عنصر بھی شامل ہوگیا۔"

(صفحہ ۹۰ لسانیات ۱۹۳۲ء حیدرآباد دکن)

ژول بلوک کے مذکورہ بالا اشارات سے لسانیاتی تحقیق کا ایک نیا باب کھُل جاتا ہے لیکن ہریانوی سے متعلق لسانیاتی تحقیق کے سلسلے میں بعض دشواریاں حائل تھیں۔

(۱) قدیم ادبی نمونوں کا فقدان۔

(۲) ہریانوی زبان کی کسی قواعد کا دستیاب نہ ہونا۔

پہلی کمی کو پروفیسر شیرانی کے ان مضامین نے کسی حد تک پورا کر دیا ہے جو اورینٹیل کالج میگزین کے نومبر ۱۹۳۶ء اور فروری ۱۹۳۷ء کی جلدوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اس طرح ہمارے سامنے ہریانوی کے کئی قدیم مصنفوں کے ادبی نمونے آجاتے ہیں جن میں شیخ عبداللہ انصاری، شیخ محبوب عالم ساکن جھجھر، اکرم رہتکی المتخلص بہ قطبی، شاہ عبدالحکیم، شاہ غلام جیلانی رہتکی قابلِ ذکر ہیں۔ مذکورہ بالا مصنفوں کے علاوہ لسانی نقطۂ نظر سے سب سے زیادہ قابلِ قدر تصانیف

www.taemeernews.com

عہدِ عالمگیری کے مشہور فارسی داں میر عبدالواسع بانسوی کی صمد باری اور فرہنگ غرائب اللغات ہیں۔ صمد باری، خالق باری کے طرز پر لکھی ہوئی تین زبانوں کی فرہنگ ہے۔ غرائب اللغات کا اصل نسخہ مفقود ہے۔ البتہ سراج الدین علی خاں آرزو کے تصحیح شدہ نسخے تصحیح "غرائب اللغات ہندی" کے نام سے متعدد کتب خانوں میں ملتے ہیں۔[1] خان آرزو عبدالواسع کی زبان کو معیاری نہیں مانتے۔ ہانسی چوں کہ ہریانہ کے علاقے میں ہے اس لیے ہندی الفاظ کی فصاحت کا معیار عبدالواسع یہیں کی بولی سے متعین کرتے ہیں۔ خان آرزو زبانِ وطن مصنف ہریانی کو فصیح نہ مان کر برج گوالیری کو "افصح السنہ ہند" قرار دیتے ہیں۔[2]

دوسری یعنی قواعد کی کمی کو کسی حد تک ان لسانی نوٹوں سے پورا کیا گیا جو رائم السطور نے دہلی کے اطراف و مضافات سے مختلف ذرائع سے حاصل کیے ہیں۔ گریرسن کے عدیم المثال لسانیاتی جائزۂ ہند میں بھی اس غریب بولی کے متعلق تفصیل سے نہیں لکھا گیا ہے۔ نہ تو اس کی قواعد کا دیگر بولیوں کی طرح خاکہ دیا گیا ہے اور نہ ہی فرہنگ میں اس کے الفاظ کو جگہ دی گئی ہے۔ ہٹرنوی زبان کی جاٹو زبان کے نام سے ایک مختصر سی فرہنگ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال سنہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تھی جس کے مصنف مسٹر ای جوزف آئی سی۔ ایس تھے گریرسن نے اپنے "لسانیاتی جائزۂ ہند" میں اس سے پورا پورا استفادہ کیا ہے۔

---

[1] کتاب مذکور کے دو قلمی نسخے لٹن لائبریری مسلم یونیورسٹی میں بھی محفوظ ہیں۔ اسے ڈاکٹر عبداللہ نے "نوادرالالفاظ" کے نام سے مرتب کرکے انجمن ترقی اردو پاکستان سے شائع کیا ہے۔ (۱۹۵۱ء)

[2] قلمی نسخہ تصحیح غرائب اللغات ہندی۔ (لٹن لائبریری)

اِس سلسلے میں حال کی دو اہم تصانیف کا ذکر ضروری ہے جو مقدمہ تاریخ زبان اُردو کی پچھلی اشاعتوں کے وقت دستیاب نہیں تھیں۔ پہلی ڈاکٹر جگدیو سنگھ کی "بانگڑوں کی توضیحی قواعد" (انگریزی ۱۹۷۰ء) اور دوسری ڈاکٹر رام بلاس شرما کی "بھارت کے پراچین بھاشا پریوار اور ہندی" (ہندی : ۱۹۷۹ء) جس میں ہریانوی کی لسانی اہمیت اور اس کے تاریخی کردار پر نہایت عالمانہ انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۹۸۵ء میں ہریانہ ساہتیہ اکادمی نے "ہریانوی۔ ہندی کوش" شائع کی ہے۔

(۱) ہریانوی اور قدیم دکنی میں بعض صوتی مماثلتیں پائی جاتی ہیں ہریانوی میں اردو کی "ڑ" کی جگہ "ڈ" کا استعمال کثرت سے پایا جاتا ہے۔

مُلّا وجہی نے سب رس اور قطب مشتری میں (دیکھئے فرہنگ) چھوڑ کو چھوڈ، پڑھے کو پڈھے، بڑا کو بڈا، چڑھنا کو چڈھنا لکھا ہے جو بعینہٖ ہمیں ہریانی کے قدیم مصنف شیخ عبدی کے فقۂ ہندی (۱۰۷۲ھ) میں ملتے ہیں[۱]۔ (ڑ) پر (ڈ) کو ترجیح عبدالواسع نے بھی دی ہے۔ مثلاً "اساڑھ" کی بجائے "اساڈھ"۔ "بڑبھس" کی بجائے "بڈبھس" بڑھنا کی بجائے "بڈھنا" بھیڑ کی بجائے "بھیڈ"، پیڑو کی بجائے "پیڈو" جو آج بھی ہریانوی اور کھڑی کے ملحقہ علاقوں میں مستعمل ہے۔

شیخ عبدی کے فقۂ ہندی میں ہمیں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جس میں ہریانوی زبان کے عام اصول کے مطابق حرف کی حرکت سے متاثر ہو کر حرف علّت کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

مثلاً : بُرائی = بورائی   رکھے = راکھے

---

[۱] اورینٹل کالج میگزین نومبر ۱۹۳۶ء : ہریانی زبان میں تالیفات۔ شیرانی۔

www.taemeernews.com

سیج = سانچ　　　　سکھانا = سکھاونا

تیئں = تائیں　　　　ہڈی = ہاڈ

لہو = لوہو

غرائب اللغات

باندھ۔ بجائے بند　　　　باندر۔ بجائے بندر

تھانولا بجائے تھالا　　　　ساتو۔ بجائے ستو

پھونکنی۔ بجائے پھکنی　　　　تاپ۔ بجائے تپ

ان میں اکثر الفاظ قدیم دکنی ادبیات میں اسی تلفظ کے ساتھ مِل جاتے ہیں ۔۔ راکھے۔تائیں۔ ہاڈا اور لوہو کے لئے دیکھئے فرہنگ سب رس۔ مزید مثالیں شہ پارے جلد اوّل کے فرہنگ سے مِل جاتی ہیں۔ بلانا = بولانا، چھپاتی = چھوپاتی۔

شیخ محبوب عالم ساکن جھجھر دوسرے ہریانی مصنّف کے محشر نامہ میں لانگا (لگا) ماٹی (مٹی)، راکھوں (رکھوں) چالیں (چلیں) ہاڈ (ہڈی) وغیرہ مِل جاتے ہیں۔

دکنی میں غنّہ کے کثرتِ استعمال کی توجیہہ کبھی پنجابی سے نہیں ہریانوی سے کی جاسکتی ہے۔

جیسے دکنی ادبیات کے سیں (سے) کوں (کو) توں (تو) یا علامتِ مصدر نا کو ناں بولنا (چلناں، کھاناں، جاناں) یا کونچے، کونچے۔ س، رص ۹۹۔ سنتانا (ستانا ف۔ق۔م) آدمیں (آدمی) ف۔ق۔م) برسانت برسات ف۔ق۔م) وغیرہ براہِ راست ہریانوی سے متاثر نظر آتے ہیں۔

www.taemeernews.com

شیخ محبوب عالم کے محشر نامہ میں ذیل کے الفاظ غنہ کے ساتھ درج ہیں۔

پہلیں (پہلے) ناچیں۔ بیچانیں (بجائے) مانس (ماس) سیں، کوں، تو وغیرہ۔

دہلی کے قدیم باشندوں کی گفتگو میں یہ الفاظ آج بھی سنائی دیتے ہیں۔ خالق باری میں 'ڈہی' کے بجائے 'ڈہیں' ملتا ہے۔ ملا وجہی سب رس میں "ڈہیں" ہی لکھتے ہیں۔ لیکن حضرت امیر خسرو نے اپنے ایک شعر میں "ڈہی" قافیہ کیا ہے ؎

گجری کہ تو در حسن و لطافت چو مہی
ہر گاہ بگوئی کہ "ڈہی لیہو ڈہی"

ہریانی اور قدیم دکنی دونوں میں جھ، بھ، پھ، دھ وغیرہ کا تلفظ سہل اور سادہ ہو جاتا ہے جیسے بھی (بی) مجھ (مج) کچھ (کچ) (دیکھئے سب رس اور ہریانی زبان کے نمونے گریرسن۔ لسانی جائزہ ہند جلد نہم حصہ اول)

(۲) دکنی میں اور ہریانی میں جمع بنانے کا طریقہ بھی مشترک ہے۔ دونوں میں اردو کے معیاری قاعدے "وں" کے اضافے کے برعکس "آں" لگا کر بناتے ہیں۔ اس کی توجیہہ پنجابی سے کی گئی ہے لیکن ہریانی سے بھی ہو سکتی ہے۔ شیخ محبوب عالم کے محشر نامہ میں جمع اس طور ملتی ہے۔

ٹکراں غریباں جھوٹاں اوٹناں

لیکن چونکہ اورنگ زیب کے عہد میں اردو جمع بنانے کا قاعدہ متعین ہو چکا تھا اس لئے "کان" کی جمع "کانوں" اور "گمان" کی جگہ "گمانوں" بل جاتی ہے۔ جدید ہریانی میں[1]

---

[1] جمع بنانے کا یہ طریقہ نہ صرف دکنی، پنجابی اور ہریانی سے مخصوص ہے بلکہ راجستھانی بولیوں کی عام خصوصیت ہے۔ علاوہ ازیں آج بھی یہ کھڑی کے علاقہ ابادی مظفر نگر اور میرٹھ کے اضلاع میں سنائی دیتا ہے

www.taemeernews.com

گھوڑاں۔ دناں ۔ کھیتاں وغیرہ۔

(۳) دکنی میں ماضی قریب و فعل حال میں 'سے' 'سوں' 'سیں' اور 'ساں' مطلق نہیں ملتے جو پنجابی زبان سے مخصوص ہیں۔ موجودہ ہریانوی میں بھی یہ پائے جاتے ہیں۔ لیکن قدیم ہریانوی کے مصنفوں کے یہاں نہیں ملتے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ ہریانہ علاقہ میں یہ بعد کو پنجابی اثرات کے تحت رواج پا گئے ہوں گے۔

(دیکھیے محشرنامہ محبوب عالم)[1]

(۴) اردو کی معیاری فعلیہ شکل کھا کر، جا کر، آ کر کی بجائے شیخ محبوب عالم کے محشرنامہ میں پائے زائدہ کے ساتھ آئے کر، کھلائے کر، اٹھائے کر، اوچائے کر، پروئے کر اور لائے کر ملتے ہیں۔ وجہی کی ایک غزل دیکھیے :

پیوں اپنے کوں تاک آج میں سپنے دیکھی سوئے کر

میں روئے کر، ہوئے کر، کوئے کر، کھوئے کر قافیہ کے طور آئے ہیں۔

(۵) افعال امدادی میں ہریانہ کے "سوں" "سیں" اور "ہوں" ہیں۔ زمانۂ حال میں دونوں شکلیں ملتی ہیں۔ دکنی میں پہلی شکل نہیں ملتی۔ جدید ہریانوی میں یہ پنجابی کے اثر سے آئی ہے۔

موجودہ اردو کا فعل احتمالیہ ہریانوی میں اپنے اصل مفہوم یعنی محض حال کے معنوں میں مستعمل ہے جس کی گردان حسب ذیل ہوگی۔

	واحد	جمع
متکلم :	ماروں۔ ماراں (میں مارتا ہوں)	مارائیں۔ ماریں۔ ماراں

---

[1] پنجاب میں اردو۔

www.taemeernews.com

	واحد	جمع
حاضر:	مارائی ۔ مارے	مارو
غائب:	مارائی ۔ مارے	مارئیں ۔ ماریں

جو دکنی سے قریبی مماثلت رکھتی ہیں۔

(۷) اردو میں ایسے مصادر کے ماضی مطلق جن میں علامتِ مصدر سے قبل (ا) یا (د) نہیں ہوتا۔ اس طرح بنتی ہے کہ امر کے آگے (ا) بڑھا دیتے ہیں۔ لیکن دکنی میں بجائے (ا) کے "یا" لگا دیتے ہیں[۱]۔ مثلاً ماریا، رہیا، چلیا، کہیا، کھلیا، لگیا۔ قدیم و جدید ہریانوی میں یہ بعینہٖ اسی طرح ملتے ہیں۔ صرف رہتک کی زبان میں کہیا کا کہا، لگیا کا لگا اور چلیا کا چلا ہوتا جاتا ہے[۲] جو یقیناً کھڑی بولی کے اثر سے ہے۔

(۸) دکنی کے ضمائر بھی پنجابی کی بہ نسبت ہریانوی سے زیادہ قریب ہیں جن ضمائر کی توجیہہ شیرانی پنجابی سے کسی طرح نہیں کرسکے وہ ہریانوی میں جوں کے توں ملتے ہیں۔ متکلم جمع ہریانی میں ہم اور ہمیں آتا ہے۔ دکنی میں بھی ہم اور ہمیں۔ (ف۔ س۔ ر) مستعمل ہے۔ پنجابی میں اس کے برعکس 'اسی' ملتا ہے جو دکنی میں کبھی استعمال نہیں ہوا۔ حاضر جمع۔ پنجابی تُسی ہے: ہریانی تَم (کھڑی بولی کے علاقے میں بھی اس کا یہی تلفظ ہے) اور تمہیں ہے۔ دونوں دکنی میں ملتے ہیں۔ (تَم کا تلفظ تُم ہو جاتا ہے)۔

۱؎ مقدمہ سب رس : عبدالحق

۲؎ گرامر ہندی۔ دھریندر ورما : ضمیمہ

www.taemeernews.com

دیگر ضمائر بھی دونوں زبانوں کے یکساں ہیں۔

ضمائر اشارہ : اردو : یہ دکنی : یو۔ ہریانی : یو۔ یوہ۔

اُردو = اِس۔ دکنی۔ اِس۔ ہریانی : اِس "پنجابی ایس ہے"

اسی طرح جو۔ جس۔ کون اور کسی بھی مشترک ہیں۔

قدیم ہریانی میں (شیخ محبوب عالم کے مخزن نامہ میں) حسب ذیل ضمائر ملتے ہیں۔ وہ، یہ، اے، وے، اس، ان، یو، تس، تیں، توں، توہ، تجھ، تم، تیرا، تیرے، تیری، میں، مجھ، میرا، میری، ہم، ہمارا۔

جو دکنی اور[1] ہریانوی میں مشترک ہیں۔

ضمائر میں تصرف دکنی کے طرز پر ہے۔ مثلاً ہم سے ہموں، ہمیں۔ تم سے تموں، تمھیں۔ اُن سے اُنہاں، انہوں (دکنی انوں)۔

(۹) ہریانی زبان کے عام مستعمل حروف جو اس کی قدیم تالیفات سے اکٹھے کئے جاسکے ہیں حسب ذیل ہیں۔

شیخ عبداللہ انصاری[2] : مانہہ، میں، سوں، نانہہ (نہیں)، آگوہ (آگے)، پچھوں (پیچھے)۔

شیخ محبوب عالم : کو، بہت، میں، ماں، ماہیں، بیچ، بچ، سیں، کوں، پر، موں، میں، ماں، مانجھ (درمیان) اندر۔

علاوہ ازیں تے، تھے اور سیتی عام مستعمل حروف ہیں جو دکنی اور

---

[1] مقدمہ سب رس : عبدالحق

[2] اورنٹیل کالج میگزین : نومبر ۱۹۳۱ء

www.taemeernews.com

ہریانی دونوں میں مشترک ہیں۔

کھڑی، ہریانوی اور دکنی ایسی زبانیں ہیں جن میں قدیم زمانے سے حروف "نے" علامتِ فاعلی اور مفعول دونوں طرح سے مستعمل ہوتا چلا آیا ہے۔ اردو میں "نے"، صرف فاعل کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور وہ بھی افعال متعدی میں[۱]۔ چونکہ یہ سنسکرت کے مفعول "لگیا" سے نکلا ہے (لگے، لے، نے) اس لئے بیشتر زبانوں میں یہ علامت مفعول ٹھہرایا گیا ہے لیکن اردو میں چونکہ "کو" علامتِ مفعول موجود ہے اس لئے یہ فاعل کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

جدید ہریانی : من نے صاحب نے ماریا (مجھے صاحب نے مارا)
(فاعل، مفعول ایک ساتھ)

قدیم دکنی : فاعل : اس خاطر زلیخا نے کیا کری۔ (سب رس۔ ص ۵۶)
مفعول : آدمی بُرا اچھے تو شراب نے کیا کرنا۔ (سب رس، ص ۳۱)

اردو اور کھڑی بولی

لائل اور گریرسن دونوں نے اردو/ہندی کی بنیاد کھڑی بولی (ورناکلر ہندستانی) کو تسلیم کیا ہے۔ اُن کے بعد اُردو ہندی کے بیشتر محققین تفصیلات پر غور کیے بغیر اس منتر کا جاپ کرتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں دو باتیں قابلِ توجہ ہیں۔ پہلی یہ کہ کوئی بھی تربیت یافتہ زبان کسی بھی عوامی بولی سے مکمل طور پر لسانی مماثلت نہیں رکھتی۔ یہی صورتِ حال اردو اور کھڑی بولی کے باہمی

---

[۱] قواعد اردو۔ عبدالحق

www.taemeernews.com

رشتے کی ہے۔ دوسری یہ کہ کھڑی بولی کے ایک سے زیادہ رُوپ ہیں۔ کم از کم اس کی دو شکلوں کی نشان دہی گریرسن نے بھی کی ہے اور فرانسیسی عالم ژول بلوک نے بھی۔ اِس کا ایک رُوپ وہ ہے جو دوآبۂ گنگ و جمن کے بالائی حصّے یعنی سہارنپور، مظفر نگر اور میرٹھ (بشمول نوتراشیدہ ضلع غازی آباد) میں رائج ہے۔ اور دوسرا وہ جو گنگا پار کے بجنور، رام پور اور مراد آباد کے اضلاع میں بولا جاتا ہے۔ کھڑی بولی کی پہلی شکل یعنی بالائی دوآبہ کی بولی کو مشہور ہندی محقّق اور نقّاد ڈاکٹر رام بلاس شرما ہریانوی ہی کا ایک رُوپ مان کر اسے "کُروجن پد کی بانگرو بھاشا"[1] کہتے ہیں۔ ہندی کے بعض مصنّفین اسے "کوروی" کا نام دیتے ہیں۔ پروفیسر ژول بلوک نے بھی اُن لوگوں کے وطن کی نشان دہی جو شمال سے پہلے پہل اپنی زبان دکن لے گئے تھے "ضلع انبالہ اور شمالی دوآبہ" کے اضلاع کی ہے، اس تصریح کے ساتھ:

"مغربی روہیل کھنڈ کے متعلق میں تحقیق سے نہیں کہہ سکتا کیونکہ
ان اضلاع کی اردو نما زبان شاید بعد کے اثرات کی پیداوار ہے۔"

مغربی روہیل کھنڈ سے مراد بجنور، مراد آباد اور رام پور کے اضلاع ہیں جہاں کی کھڑی معیاری اردو سے قریب ترین ہے۔

جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں اس کا کھڑی نام بہت زیادہ پُرانا نہیں۔ پریم ساگر کے مصنّف للّولال جی کوی نے ۱۸۰۴ء میں برج بھاشا سے امتیاز کرنے کے لئے اسے استعمال کیا تھا۔ گریرسن نے "لسانیاتی جائزۂ ہند"

---

[1] "بھارت اور پراچین بھاشا پریوار" جلد اول ص ۲۳۸۔

www.taemeernews.com

(جلد نہم حصہ اوّل) میں اسی بولی کو "ورناکلر ہندستانی" کے نام سے یاد کیا ہے جس کی دو ادبی شکلیں ہیں: اردو اور ہندی۔

کھڑی بولی کے ادبی نمونے اردو کی شکل میں اور اُردو رسمِ خط میں سب سے پہلے دکن میں ملتے ہیں۔ فخر دین نظامی بیدری کی تصنیف "مثنوی کدم راؤ پدم راؤ" (۱۴۲۱ء اور ۱۴۳۵ء کے درمیان) اس کا پہلا مستند نقش ہے۔ ان نمونوں کی زبان پر تفصیلی محاکمہ ہم تیسرے باب میں کر چکے ہیں۔

ہندی ادبیات میں للّولال جی کی پریم ساگر سے قبل اس کا کوئی مربوط اور مسلسل نمونہ نہیں ملتا، گو اس کی بعض قواعدی خصوصیات کی نشاندہی اَپ بھرنشی ادبیات تک میں کی گئی ہے۔ ہندی ادب میں نامدیو (۱۲۷۰ تا ۱۳۵۰ء) کبیر داس (۱۴۴۰ تا ۱۵۱۵ء) اور گرو نانک (۱۴۶۹ تا ۱۵۳۹ء) کی بانیوں میں اس کی پُٹ مل جاتی ہے اور بس۔

شمالی ہند میں بجز حضرت امیر خسرو کی غیر مستند ہندی شاعری، صوفیہ کرام کے ملفوظات میں جا بجا بکھرے ہوئے ہندی کے فقرے اور فارسی فرہنگوں میں ہندی نژاد الفاظ کے سوا محمد افضل افضل (م: ۱۶۲۵ء) کی بکٹ کہانی (بارہ ماسہ) تک کوئی مسلسل اور وافر نمونہ نظم و نثر کا نہیں ملتا۔ افضل کی بکٹ کہانی برج بھاشا کی پٹ لئے ہوئے اس عہد کی اردو کی نمائندگی کرتی ہے جس میں ریختہ کا اسلوب بھی جا بجا جھلک اٹھتا ہے۔

لسانی نقطۂ نظر سے سترھویں صدی کے اواخر (۱۶۸۸ء) کی سب سے اہم تصنیف روشن علی روشن کا "عاشور نامہ" ہے۔

www.taemeernews.com

یہ عاشور نامہ بہ ہندی زباں
کہوں کربلا کی لڑائی عیاں [1]

مصنّف کے قول کے مطابق یہ "بعضے مردماں" کے اصرار پر یہ "جنگ نامہ بہ ہندی زبان" عوامی ضرورت کے لئے کہا گیا ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ "عاشورنامہ ادبی لحاظ سے جس قدر ساقط الاعتبار ہے لسانی لحاظ سے اسی قدر اہم دستاویز ہے"[2] ایک لحاظ سے عاشورنامہ کی زبان دکنی اردو اور اٹھارویں صدی کی دوابہ کی زبان کی ایک کڑی ہے اور بہت سی مشترک لسانی خصوصیات کی حامل ہے۔ کم از کم کھڑی بولی کی یہ سب سے قدیم اور اہم لسانی اور تاریخی دستاویز ہے جس کے مواد سے ہم نے "اُردو اور کھڑی" کے باہمی رِشتے کو اُجاگر کرنے میں مدد لی ہے۔[3]

اٹھارویں صدی کے نصف اوّل کی "زبانِ دہلی" کے سب سے مستند نمونے ہمیں میر جعفر زٹلی (م: ۱۷۱۴ء) کی کلیات، شاہ مبارک آبرو کے دیوان (۱۷۲۶/۲۷ء)، کلیات نواب صدرالدین فائز (۱۷۳۰/۳۱ء) اور شاہ حاتم کے قدیم دیوان (۱۷۳۱/۳۲ء) میں ملتے ہیں۔ انھیں کے ساتھ

---

[1] عاشورنامہ: مرتبہ مسعود حسین اور سید سفارش حسین رضوی، علی گڑھ ۱۹۷۲ء

[2] عاشورنامہ، ص ۱۵

[3] ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی گراں قدر تصنیف "تاریخ ادب اردو" (جلد دوم حصہ اول ص ۴۹) میں روشن علی کے "سہارنگ پور" کی نشاں دہی مالوہ کے ایک شہر "سہارنگ پور" سے کی ہے۔ حالانکہ روشن علی کی زبان کا ٹھاٹھ ٹھیٹھ کھڑی بولی کا ہے، بندیلی یا وسطِ ہند کی کسی دوسری بولی کا نہیں۔ صرف لسانی شہادت پر سہارنگ پور کو سہارنپور کہا جا سکتا ہے۔

www.taemeernews.com

ناجی، یک رنگ اور مضمون وغیرہ کا کلام رکھنا ہوگا ہر چند ان کے دواوین کے سنینِ تصنیف کا صحیح علم ابھی تک نہیں ہو سکا ہے۔

صوتی خصوصیات

کھڑی بولی کی صوتیات کئی لحاظ سے معیاری اردو کی صوتیات سے مختلف ہے۔

(۱) اِس لحاظ سے اس کی سب سے بڑی خصوصیت معکوسی ڑ (ɽ) کا کثرت سے استعمال ہے جو اردو نے اپنے ارتقا کی کسی منزل میں قبول نہیں کی اس اعتبار سے اردو برج کا تتبع کرتی ہے۔

(۲) دوسری خصوصیت کثرت سے مشدّد الفاظ کا استعمال ہے۔ اسی لئے بالائی دوآبے کے ضلعوں کو بعض اوقات "اضلاعِ مشدّدہ" کہا جاتا ہے۔ ان اضلاع میں رٹّی (روٹی)، بدّل (بادل)، چدّر (چادر)، گڈّی (گاڑی) وغیرہ عام ہے۔ روشن علی نے عاشور نامے (۱۶۸۸ء) میں کُلّ، مُحرّ، جگہ بِلا تکلف باندھے ہیں۔ معیاری اردو اس لحاظ سے بین بین ڈولتی ہے۔ ایک طرف اس میں مکھّن، مچھّر، چکّی ملتے ہیں تو دوسری طرف روٹی، بادل اور چادر پائے جاتے ہیں۔ قدیم اردو یعنی دکنی اس لحاظ سے کھڑی بولی سے قریب ہے جس میں سُنّا (سونا)، چُلّا (چولا) وغیرہ عام ہیں۔

(۳) دکنی اُردو کی طرح کھڑی بولی کی یہ عام خصوصیت ہے کہ اس میں درمیانی [ہ] گرا دی جاتی ہے اور نفسی آوازیں اپنی ہائیت کھو دیتی ہیں۔ عاشور نامہ میں نئیں (نہیں)، وو (وہ — وو کے ساتھ قافیہ ہے) کاں (کہاں)

www.taemeernews.com

ہر چند بعض اوقات 'کہاں' بھی ملتا ہے۔

ع کہاں سیتی آئے گا کاں ہوئے گا (شعر ۱۹۳۸)

(۴) کھڑی میں قدیم اُردو کی طرح مصوتوں کو انفیلانے کا رجحان عام ہے۔

عاشورنامہ: فاطماں (فاطمہ)، کہناں (کہنا)، دیاں (دیا)، کونچ درکونچ (کوچ درکوچ)۔

(۵) ساکن کو متحرک کر دینے کا بھی رجحان ہے جو عوامی اردو کی تاحال خصوصیت ہے۔

عاشورنامہ: شَکَل، رَحَم، نَظَم، اَصَل (قافیہ دِل)

طِفَل، مِصَر، عَقَل، ذِکَر، شناخت وغیرہ۔

(۶) معیاری اردو کے برعکس کھڑی /ڑ/ اور /ڑھ/ پر /ڈ/ اور /ڈھ/ کو ترجیح دیتی ہے جو دکنی اُردو کی بھی خصوصیت ہے۔

اسماء :

(۱) دکنی اردو میں جمع کی عام علامت (اں) ہے۔ ہر چند نوسرہار جیسے مخطوطات میں (وں) اور (ن) کی جمعیں بھی مل جاتی ہیں۔ (اں) کی جمع آج بھی میرٹھ، مظفرنگر اور سہارن پور کے اضلاع میں سُنائی دیتی ہے جیسے دناں، کھیتاں[1] وغیرہ۔ لیکن عاشورنامے کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ سترھویں صدی کے اواخر تک (وں) کی جمع رائج ہو چکی تھی۔ روشن علی نے (اں) کی جمع کا استعمال صرف عربی فارسی الفاظ کے لئے کیا اور وہ بھی ہمیشہ نہیں۔ اس

---

[1] لسانیاتی جائزہ ہند: گریرسن، جلد نہم، حصہ اوّل ص ۲۵۴۔

www.taemeernews.com

کے برعکس ولی کے ریختوں کے زیرِ اثر متقدمین شعرائے دہلی (اں) کی جمع کا بھی استعمال تحریر میں کرتے رہے۔

ع دو بھواں تیغِ جنوبی سی دراز (فائز)

ع ناگنی سی تھیں لٹاں دو اس کے بر (فائز)

ع لب پہ گلوں کے مہر کرے ان لباں کا رنگ (حاتم)

جمع کا یہ قاعدہ جدید و قدیم ہر یانوی کی عام خصوصیت ہے۔

(۲) 'نے' کا استعمال دکنی اردو کی طرح کھڑی میں بھی بے قاعدہ طور پر پایا جاتا ہے یعنی یہ فاعلی اور مفعولی دونوں حالتوں میں آتا ہے۔ مثلاً بندر نے اس نے دیکھ لیا (بندر نے اس کو دیکھ لیا)۔ فاعلی حالت میں 'نے' کو محذوف کر دینے کا عمل دکنی اردو کی طرح فائز، آبرو، حاتم بلکہ سودا اور میر تک کے یہاں ملتا ہے۔

ع ایک دیکھی میں بھنگیڑن دل ربا (فائز)

ع گل کو محبوب مَیں قیاس کیا (میر)

'نے' کے باقاعدہ استعمال کی مثالیں نہ صرف متقدمین شعرائے اردو کے یہاں بکثرت ہیں، روشن علی کے یہاں بھی ملتی ہیں

ع بہت سے دلاسا خلیفہ نے کی

اسمائے ضمیر

(۱) دکنی اردو کا "یو" (ق۔ق) بعینہٖ آج بھی کھڑی کے علاقہ میں رائج ہے۔[1]

---

[1] لسانیاتی جائزہ ہند، جلد نہم، حصہ اوّل

www.taemeernews.com

(۲) دکنی اردو کا اُو (وہ) کھڑی میں اُدہ کی شکل میں رائج ہے۔

(۳) دکنی میں عام طور سے اضافی حالت میں "میرا" اور "تیرا" کی بجائے "مُج" (ولی ا ص ۱) مُنج (ق۔ق۔ص ۴) اور 'تج' (ق۔ق ص ۳) استعمال ہوتا ہے۔ قدما کے یہاں اس کی کثرت سے مثالیں مل جاتی ہیں جس سے ثابت ہے، کہ یہ دکنی سے مخصوص نہیں۔ مثلاً حاتم کے یہاں "تم ساتھ" (انتخاب ص ۱۸) تجھ گلبدن کی بُو (انتخاب ص ۲۳) تجھ عشق (دیوان زادہ ص ۳۵۹) مجھ ساتھ، مجھ پاس (فائز ص ۱۷۸) ہمن پاس (فائز ایضاً) موجودہ اردو اور دہلی کی بولیوں میں یہ اب متروک ہے۔

(۴) جمع متکلم اور حاضر کی مفعولی حالت میں "ہمنا" اور "ہمن کو" اور "تمُنا" "تمُن کو" کی شکلیں ملتی ہیں۔ حاتم کے یہاں اس کی مثال نہیں ملتی۔ نواحِ دہلی کی بولیوں میں صرف برج بھاشا میں یہ شکلیں پائی جاتی ہیں۔ حضرت کمال الدین مخدوم شیخ سعدی کاکوروی (۱۵۶۳ء) نے ضمائر کی یہ شکلیں اپنے ایک شعر میں استعمال کی ہیں ؎

ہمنا تمن کو دل دیا، تم دل لیا اور دُکھ دیا
ہم یہ کیا، تم وہ کیا، ایسی بھلی یہ پیت ہے

(۵) ہمن "ہمیں" اور 'ہمیں کو' کی دکنی شکلیں بھی قدیم اردو میں رائج تھیں۔ مثلاً پنڈت چندر بھان برہمن (۱۶۶۲ء) کے اس مصرع میں

خدا نے کس شہر اندر ہمن کو لائے ڈالا ہے

افضل کا بھی ایک مصرع ہے۔ ع

www.taemeernews.com

سنی دل سوں کبھی دیکھی ہمن کوں

(۶) دکنی کے ضمائر میں سب سے قابلِ ذکر "ایس" ہے جو قلی قطب شاہ (ص ۴) سے لے کر ولی (کلیات ص ۲) یکساں طور پر خود کے معنوں میں مستعمل پایا جاتا ہے۔ اس کا تعلق بھی نواحِ دہلی کی بولی سے ہے۔ افضل کے بارہ ماسہ کا یہ شعر دیکھئے ؎

اری سبزک پیا کے باغ جاکر　　ایس کوں بے وفا سیتی لوکا کر

افعال :

دکنی اردو کے بیشتر افعال کی توجیہہ ہریانوی کے قواعد سے کی جاچکی ہے۔ ہریانوی سے پنجابی اور راجستھانی افعال کی کچھ مخصوص شکلوں کو نکال دینے کے بعد اس میں اور کھڑی کے افعال میں بالکل فرق نہیں رہتا۔ ادبی اردو میں افعال کی بیشتر شکلیں (مثلاً جائے ہے، کھائے ہے، ماروں ہو، آوے، لاوے۔ کیجیو۔ دیجیو۔ ہووے گا (انتخاب حاتم ص ۲۱) بناؤنا (بمعنی بنانا قلمی نسخہ دیوان زادہ ص ۲۳۷) لے لیویں۔ دیویں، راکھو (فائز ص ۲۰۷) لیوؤ، دیوؤ، ہیگا (عاشورنامہ) ع فرشتہ اتھا ایک پردں پر سوار (شعر ۱۳۷) جو آج فصاحت کے مرتبہ سے گر گئی ہیں، نواحِ دہلی اور دہلی میں بلا تکلف استعمال کی جاتی ہیں۔ دکنی ادبیات میں یہ ہر صفحہ پر مل جائیں گی۔ کہلاوے (س۔ ر۔ ص ۲۲) جیوے گا (س۔ ر۔ ص ۳۷) سہاوے (س۔ ر۔ ص ۳۷) اتھا اور اتھی کی شکلیں عاشورنامے میں شاذ مل جاتی ہیں۔ قدما کے یہاں نہیں ملتیں۔

www.taemeernews.com

حروف :

دکنی زبان کے تقریباً تمام حروف نواحِ دہلی کی بولیوں میں قدیم زمانے سے رائج ہیں۔ دکنی کے عام مستعمل حروف ربط حسب ذیل ہیں :

کا۔ کی۔ کے۔ کوں (ق۔ق۔ص ۲۳۲) سیتی (ق۔ق۔ص ۲۳۵) سیتے (ق۔ق۔ص ۸۷) تے (ق۔ق۔ص ۸۷) س۔ر۔ص ۱۸) سوں (ق۔ق۔ص ۲۳۶) تھے (ق۔ق۔ص ۲۳۲) ستیں (ق۔ق۔ص ۲۳۴) ق۔ق۔ص ۲۳۶) میں (ولی ص ۲) منے (ق۔ق۔ص ۲۲۵) میں (ق۔ق۔ص ۲۳۲) لگوں (ق۔ق۔ص ۵۱) لگ (ولی ص ۱۸) لگن (س۔ر۔ص ۱) میں (کلیاتِ ولی ص ۵) پہ (ق۔ق۔ص ۲۳۶) پو (س۔ر۔ص ۱۵) تئیں۔

ان میں سے کوں۔سوں۔سی۔منے۔لگ۔اور یہ دکنی میں عام مستعمل تھے اور قلی قطب، وجہی اور ولی سب کے یہاں ملتے ہیں۔ "تھے"، قلی قطب سے مخصوص ہے۔ لگن اور پو وجہی سے۔ شمالی ہند میں سیتی" اور "ستی" روشن علی، فائز، آبرو، حاتم اور دیگر متقدمین کے یہاں بار بار آیا ہے۔

روشن علی ع جو رو ہاتھ سیتی جو اس کے گئی

فائز ع اَدھر اس کے یاقوت سیتی ہیں بیش

" ع عقیقِ یمن لب ستی منفعل

آبرو ع شعر کو مضمون ستی جو قدر ہی ہے آبرو[1]

ع حکمت کی تیغ سیتی کاٹو رقیب کا سر

---

[1] آبرو کی تمام مثالیں دسنہ لائبریری کے اس منفرد اور نادر نسخے سے لی گئی ہیں جو کچھ دنوں ہمارے پاس رہا ہے۔

حاتم   دل میں طمع نہیں مجھے شاہ و گدا ستے
میں سب کو چھوڑ ساز کیا ہوں خدا ستے

"لگ" سب قدما کے یہاں پایا جاتا ہے۔ کوں ۔سیں ۔میں انفی آواز آج تک نواح دہلی کی بولیوں کی خصوصیت ہے۔ قدیم اردو میں کوں (ص ۸۸ پنجاب میں اردو) افضل، فائز، آبرو سب کے یہاں ملتا ہے وہ "سے" کو "سیں" اور "نے" کو "نیں" بھی لکھتے ہیں۔ یہ ۔ کا ۔ کی ۔ کے ۔ نے اور تئیں اردو کے عام مستعمل حرف ربط ہیں۔ دکن کے دیگر عام مستعمل حروف حسبِ ذیل ہیں

سو ۔جو ۔تو ۔ ہور ۔ و ۔ چ (ہی کے معنوں میں تاکید کے لئے) ان میں "چ" تاکید کو چھوڑ کر (جیسے آپیچ ، یونہیچ، نہنیچ بمعنی آپ ہی، یوں ہی، نہیں ہی۔ باقی تمام حروف نواحِ دہلی میں قدیم زمانے میں انھیں معنوں میں رائج تھے۔ "ہور" "ہور" "آر" اور "ہر" کی شکل میں سہارن پور، میرٹھ اور ضلع دہلی میں آج بھی سُنائی دیتا ہے۔

"چ" تاکیدی البتہ مرہٹی زبان سے لی گئی ہے اس کی مثال شمالی ہند کی بولیوں میں نہیں ملتی[۱]۔ یہ مرہٹی سے مخصوص ہے۔ یہ سنسکرت کے "چ ایوا" سے ماخوذ رہے۔ اسے میں دکنی مخطوطات کا "نکو" کے ساتھ کلیدی لفظ سمجھتا ہوں[۲]۔

قدیم دکنی کے اکثر غریب الفاظ کی توجیہہ نواح دہلی کی بولیوں سے کی جاسکتی ہے۔

۱؎ دیوان زادہ قلمی نسخہ ص ۲۰۳ (رنگش لائبریری) ۲؎ گجراتی [illegible]

www.taemeernews.com

(۱) دِھر یا دِھیر (فرہنگ قطب مشتری) بمعنی سمت اور طرف کے استعمال ہوا ہے۔ میرٹھ کی نواح کی بولی میں دھورے اب تک سمت کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ (دیکھئے میرٹھ کی زبان کا نمونہ : گریرسن، جلد نہم)

(۲) کدھیں (ف۔ ق۔ م) کبھی کے معنوں میں اب تک دہلی اور اس کے اطراف میں مستعمل ہے۔ قدمار کے یہاں مسلسل ملتا ہے۔

(۳) اتاول (ف۔ ق۔م) قدیم دکنی میں "جلد" کے معنوں میں آتا ہے۔ دہلی کا محاورہ ہے قدمار کے یہاں انھیں معنوں میں ملتا ہے۔ اتاؤلا باؤلا (جلد باز پاگل ہوتا ہے)

(۴) اَپی (ف۔ ق۔م) آپ ہی کے معنوں میں پانی پت اور کرنال میں سُنائی دیتا ہے۔

(۵) اِتّا۔ جِتّا (ف۔ ق۔م) جہلا میں عام مستعمل ہے۔

(۶) فکروند (ف۔ ق۔م) فکرمند : ہریانی میں عام طور سے "م" (و) میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے دہلی میں چلمن کو چِلون عام طور سے کہتے ہیں۔

(۷) وستاد۔ وصول (ف۔ ق۔م) بمعنی استاد اور اصول قدیم دکنی میں ملتے ہیں۔ دہلی اور میرٹھ کی بولی میں یہ عام ہے جہاں استاد کو 'وستاذ' اور 'اِن' کو 'وِن' بولا جاتا ہے۔

(۸) اچھنا (سب رس) بمعنیٰ ہونا عام طور سے دکنی میں مِلتا ہے۔ دہلی کے مضافات کی جو قدیم بولی دکن سے لی جائی گئی ہے اس میں فعل "اچھنا" ہے اور "اہے" کے ساتھ ساتھ مستعمل تھا "اچھنا" قدیم و جدید راجستھانی اور

www.taemeernews.com

گجراتی میں ملتا ہے اور یہ اَپ بھرنش کا عام مستعمل لفظ تھا جو اکثر بولیوں میں اب متروک ہوگیا ہے۔

(۹) دیسنا : بمعنی دکھائی دینا، دکنی کا عام مستعمل فعل ہے۔ شمالی ہند کی قدیم اردو میں بھی یہ بہ کثرت ملتا ہے۔

(۱۰) اُپجنا : بمعنی اُگنا۔ پیدا ہونا۔ خالص سنسکرت کا لفظ ہے جو دکنی میں ملتا ہے لیکن اردو میں عرصہ سے متروک ہے۔ دہلی کا ایک محاورہ ہے بویا گیہوں اُپجا جو (بھلائی کے بدلے بُرائی)

(۱۱) پتیانا : یقین کرنے کے معنوں میں قدیم دکنی میں ملتا ہے لیکن اردو میں اب متروک ہے۔ لیکن دہلی کے دو محاورے سُنیئے۔ (۱) اندھا جب پتیائے (یقین کرلے) جب دو آنکھیں پائے۔ (۲) بامن جیسے ہی پتیائیں (جب مطلب ہوجائے تو یقین کرنا)

(۱۲) سیونا : بمعنی پرورش کرنا۔ خدمت کرنا۔ دکنی میں مستعمل ہے۔ دہلی کا محاورہ ہے۔

انڈے سیوے فاختہ کوّے میوے کھائیں

(۱۳) گھالنا : قدیم دکنی کا عام مستعمل فعل ہے۔ اس کی شکل دہلی کے ایک محاورہ میں دیکھئے۔ ایک تو گھر گھالو آپنا دوسرے آس پڑوس (دوسروں کو ساتھ لے ڈوبنے کے معنوں میں)

(۱۴) رُنج : خوشی کے معنوں میں سب رس اور قطب مشتری میں اکثر ملتا ہے دہلی کا ایک محاورہ ہے [illegible]

www.taemeernews.com

ایک گھر بچے تو سب گھر رُچے (خاندان کے ایک کا خوش ہونا سب کا خوش حال ہونا ہے)۔

(۱۵) ناؤں اور ٹھاؤں : (نام اور جگہ) قدیم دکنی اور اُردو میں عام مستعمل تھے۔ دہلی کے دو محاوروں میں یہ جوں کے توں ملتے ہیں۔

۱۔ پھٹے میں پاؤں، دفتر میں ناؤں (دخل درمعقولات دینا)

۲۔ ثابت قدم کو ہر جگہ ٹھاؤں۔

(۱۶) فارسی افعال پر اردو کا ٹھپہ لگا دینے کا رُجحان دکنی میں عام ہے۔ مثلاً خرچ سے خرچنا۔ شمالی ہند میں یہ اب کم بولا جاتا ہے۔ دہلی کا پُرانا محاورہ ہے۔

جو گدھا جیتیں سنگرام تو کاہے کو خرچے دام

(ادنیٰ سے نکلے کام تو اعلیٰ کو کون پوچھے)

(۱۷) کہوانا۔ کاڑنا (نکالنا) آج بھی دہلی اور اس کے مضافات میں رائج ہے۔

ہمارے خیال میں مراہٹی زبان کے بعض لسانی اثرات کو چھوڑ کر دکنی اُردو کے تمام غریب الفاظ کی توجیہہ نواحِ دہلی کی تین بولیوں (ہریانی، کھڑی اور برج) سے کی جاسکتی ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ شمالی ہند میں زبان کے ارتقا کی رفتار بہت تیز رہی ہے۔ اس کے برخلاف دکن میں اجنبی بولیوں کے ماحول میں لسانی ارتقا بالکل رُک سا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دکنی اردو میں الفاظ کی وہی شکلیں ملتی ہیں جو شمالی ہند میں آج سے چھ سو برس پہلے رائج تھیں یا جواب صرف گھریلو اور دیہاتی زبان میں پائی جاتی ہیں۔ جدید آریائی زبانوں کی تحقیق کے سلسلے میں محققین کی ایک عام غلطی یہ بھی رہی ہے کہ

www.taemeernews.com

انھوں نے بعض بولیوں کو بعض علاقوں سے مخصوص کر دیا ہے۔ اس قسم کے لسانی مغالطوں کا پول ہم شروع سے کھولتے آئے ہیں۔ جیسا کہ نئی تحقیق سے اب یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ مہاراشٹری پراکرت کا مہاراشٹر دیس سے کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ شورسینی کی ایک ترقی یافتہ شکل تھی۔ دراصل ہندوستان میں زبانیں قبیلوں، سماج کے مختلف طبقات اور پیشہ وروں کی جماعتوں سے مخصوص رہی ہیں۔ ہر زمانہ میں دہلوی سماج کے مختلف طبقات میں مختلف بولیاں رائج رہی ہیں[1]۔ ہمارا پہلا ماہر لسانیات اور لغت نگار خان آرزو جب "نوادرالالفاظ" میں اہلِ اردو کا معیار متعین کرتا ہے تو اُسے حسب ذیل زبانوں کے گورکھ دھندے پر نظر رکھنی پڑتی ہے۔ ہندی کتاب (سنسکرت) گوالیاری (برج) ہندی راجپوتی (راجستھانی) (ہندی کشمیری) ہندی پنجاب (پنجابی) زبان مردم پنجاب زبان اردو، زبان اکبرآباد (آگرہ) و شاہجہاں آباد (دلی) اصطلاح شاہجہاں آباد و اہلِ اردو، ہندی فصحار۔

تاریخی تحقیق سے جوں جوں مختلف علاقوں کی آبادیوں کی نقل و حرکت پر روشنی پڑے گی لسانی گتھیاں خود بخود حل ہوتی چلی جائیں گی۔ جس طرح دوآبہ کے مختلف راجپوت گھرانوں میں راجستھانی گیت رائج ہیں۔ ممکن ہے کہ دکن میں بھی شمالی ہند کی ایک بولی نہ گئی بلکہ کئی بولیاں پہنچی ہوں جن کی آمیزش سے بعد کو محمد قلی قطب شاہ، وجہی اور عبدل کی معیاری دکنی متشکل

---

[1] ہمارے صوفیا رطنانی بھی بولتے تھے، پنجابی بھی، ہریانی بھی، ہندوستانی اور برج بھاشا بھی۔ (دیکھئے اردو کی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام: عبدالحق)

www.taemeernews.com

ہوتی ہے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ یہ تمام بولیاں "دہلی و پیرامنش" (خسرو) ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ اِس لئے اُردو کی ابتدا پر مزید کام کرنے کے لئے نواحِ دہلی ہی کی بولیوں کی جدید و قدیم شکلوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے' جن سے عام طور پر دکن کے محققین ناواقف ہیں۔ اس راہ میں یہ سنگِ گراں حائل ہے کہ دہلی کے نواح کی دو بولیوں ہڑیانی، کھڑی کے قدیم نمونے ناپید ہیں اور شاید اسی بنا پر محمود شیرانی اور ان کے تتبع میں ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ[1] کھڑی بولی اور ہڑیانی کو فتح دہلی کے بعد کا ارتقا مانتے ہیں، اور اس طرح چندر شرما گلیری کے اس قیاس کی تائید کرتے ہیں کہ "بدیسی مسلمانوں نے آگرہ' دہلی' سہارنپور' میرٹھ کی پڑی بولی کو کھڑی بنا کر اپنے لشکر اور سماج کے مطابق بنا لیا"[2] لیکن یہ قیاس ہند آریائی زبان کے اس تحقیقی مواد کا بطلان کرتا ہے جو شورسینی پراکرت اور اَپ بھرنش کے بارے میں جمع ہو چکا ہے اور جس کی رُو سے پنجابی کے ارتقا پر مدھیہ دیش کی زبان کی گہری چھاپ ہے۔ پروفیسر شیرانی کی نظر اس لسانی مواد پر نہیں رہی ہے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زورؔ بھی اس مواد سے بے خبر تھے۔

اردو کی ابتدا کے سلسلے میں تحقیق کی جو سمت اس تصنیف میں مقرر کی گئی ہے تمام تر نئے مواد سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ نواحِ دہلی کی بولیوں کے قدیم نمونے جوں جوں روشنی میں آتے جائیں گے یہ بات بھی واضح

---

[1] "اُردو اور پنجابی نقوش : جولائی ۱۹۵۲ء

[2] ناگری پرچارنی پتر کا سمبت ۱۹۷۸ء ص ۱۴۴

www.taemeernews.com

ہوتی جائے گی کہ اردو کا ماخذ یہی بولیاں ہیں۔ دکن میں یہ بولیاں "زبانِ دہلی" کی ایک ایسی شکل میں پہنچتی ہیں جب وہ سیّال تھی اور اس پر مختلف لسانی اثرات کارفرما تھے۔ شمالی ہند میں اردو ارتقا کا عمل متقدمین شعرائے دہلی بلکہ دبستانِ لکھنؤ تک جاری رہا۔ جب کہ دکن میں قلی قطب شاہ اور وجہی کی ادبی زبانوں میں اس کا رُوپ متعین ہو جاتا ہے۔

اِس لئے "زبانِ دھلی و پیرامنش "اردو
کا اصل منبع اور سرچشمہ ھے ۔ اور
"حضرتِ دھلی" اُس کا حقیقی مولد و
منشاء۔

www.taemeernews.com

کتابیات

اردو کتب

آبرو، شاہ مبارک : دیوانِ آبرو ڈلیسنڈ اور کیمبرج کی لائبریریوں کے قلمی نسخے ..

آرزو، سراج الدین علی خاں : نوادر الالفاظ مرتبہ سید عبداللہ، کراچی ۱۹۵۱ء

ابنِ نشاطی : پھولبن مرتبہ عبدالقادر سروری، حیدر آباد

(۲) مرتبہ شیخ چاند، کراچی

اسمٰعیل امروہوی : اردو کی دو قدیم مثنویاں مرتبہ نائب حسین نقوی

لکھنؤ، ۱۹۷۰ء

اشرف بیابانی، شاہ اشرف الدین : نوسرہار مرتبہ افسر صدیقی، کراچی ۱۹۸۳ء

افضل، محمد افضل : بکٹ کہانی مرتبہ نور الحسن ہاشمی اور مسعود حسین خاں

طبع اول حیدر آباد ۱۹۶۵ء

طبع ثانی لکھنؤ ۱۹۶۹ء

انشا، انشاء اللہ خاں : دریائے لطافت، مرتبہ عبدالحق ترجمہ دتاتریہ کیفی

اورنگ آباد ۱۹۳۵ء

تحسین، محمد حسین عطا : نوطرز مرصع مرتبہ نور الحسن ہاشمی، الہ آباد ۱۹۵۸ء

جمیل جالبی : تاریخ ادب اردو جلد اول ۱۹۷۷ء دہلی

جلد دوم (دو حصے) ۱۹۸۴ء دہلی

www.taemeernews.com

جانم، برہان الدین : کلمۃ الحقائق مرتبہ اکبرالدین صدیقی، حیدرآباد ۱۹۶۱ء

حاتم، ظہورالدین : انتخابِ حاتم مرتبہ عبدالحق، دہلی ۱۹۷۷ء

حامد حسن قادری : داستانِ تاریخ اُردو طبع دوم، آگرہ ۱۹۵۷ء

حبیب ضیاء : دکنی زبان کی قواعد، کراچی

خسرو، ضیاءالدین : خالق باری مرتبہ محمود شیرانی، دہلی ۱۹۴۴ء

خلیق انجم اور گوپی چند نارنگ : کربل کتھا کا لسانی مطالعہ، دہلی ۱۹۷۰ء

روشن علی : عاشورنامہ مرتبہ مسعود حسین خاں اور
سفارش حسین رضوی، علی گڑھ ۱۹۷۲ء

زٹلی، میر جعفر : کلیات مرتبہ نعیم احمد علی گڑھ ۱۹۷۹ء

زور، محی الدین قادری : ہندوستانی لسانیات، حیدرآباد ۱۹۳۲ء

سبزواری، شوکت : اردو زبان کا ارتقا، دہلی

شرما، شری رام : دکنی زبان کا آغاز اور ارتقا (ہندی)
ترجمہ غلام رسول، حیدرآباد ۱۹۶۷ء

عبدالحق : قواعد اُردو (بارِ چہارم) دہلی ۱۹۴۰ء

——— : اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام
دہلی ۱۹۶۸ء

——— : مقدماتِ عبدالحق مرتبہ عبادت بریلوی، لاہور ۱۹۶۴ء

عبدل دہلوی : ابراہیم نامہ مرتبہ مسعود حسین خاں
علی گڑھ ۱۹۶۹ء

www.taemeernews.com

عیسوی خاں بہادر : قصّہ مہر افروز و دلبر مرتبہ مسعود حسین خاں
حیدرآباد ۱۹۶۶ء

غواصی : مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال
مرتبہ میر سعادت علی رضوی، حیدرآباد

——— کلیات غواصی مرتبہ محمد بن عمر، حیدرآباد ۱۹۵۹ء

فائز، صدر الدین محمد خاں : دیوانِ فائز مرتبہ سید مسعود حسن رضوی
طبع ثانی ۱۹۶۵ء

فضلی، فضلِ علی : کربل کتھا مرتبہ مالک رام اور مختار الدین احمد
پٹنہ ۱۹۶۵ء

قریشی، عبدالرزاق : مرزا مظہر جانجاناں اور ان کا اردو کلام بمبئی ۱۹۶۱ء

محمد قلی قطب شاہ : کلیات مرتبہ محی الدین قادری زور، حیدرآباد ۱۹۴۰ء

محمود شیرانی : پنجاب میں اردو، لکھنؤ ۱۹۶۰ء

: مقالات (جلد اول) مرتبہ مظہر محمود شیرانی
لاہور ۱۹۶۶ء

مرزا خاں : تحفۃ الہند، مرتبہ ضیاء الدین، شانتی نکیتن
(برج بھاشا کی پہلی قواعد)

مسعود حسین خاں : مقدمہ تاریخِ زبان اردو طبع اہم علی گڑھ ۱۹۵۰ء

——— : شعر و زبان، حیدرآباد ۱۹۶۶ء

میر امّن باغ و بہار مرتبہ رشید حسن خاں، دہلی ۱۹۶۶ء

www.taemeernews.com

میر، میر تقی : کلیات مرتبہ عبدالباری آسی، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۴۱ء
کلیات مرتبہ علی عباس عباسی، دہلی ۱۹۶۵ء
ناجی، شاکر دیوان مرتبہ فضل الحق، دہلی ۱۹۶۸ء
نصرتی : گلشنِ عشق مرتبہ سید محمد، حیدرآباد
:
علی نامہ مرتبہ عبدالمجید صدیقی، حیدرآباد ۱۹۵۹ء
نظامی، فخر دین : مثنوی کدم راؤ پدم راؤ مرتبہ جمیل جالبی طبع ثانی
دہلی ۱۹۷۹ء
وجہی، اسداللہ : سب رس مرتبہ عبدالحق طبع ثانی، کراچی ۱۹۵۲ء
سب رس مرتبہ حمیرہ جلیلی، حیدرآباد ۱۹۸۳ء
قطب مشتری مرتبہ عبدالحق، دہلی ۱۹۳۸ء
ہاشمی، سید میراں میاں خاں : دیوان ہاشمی مرتبہ حفیظ قتیل، حیدرآباد ۱۹۶۱ء

رسائل

۱- اردو (انجمن ترقی اردو) ۳۰ء، ۳۱ء، ۳۴ء، ۳۵ء، ۳۷ء، ۳۸ء، ۴۰ء
۲- ہندستانی (الٰہ آباد) ۳۴ء، ۳۵ء، ۳۷ء، ۳۸ء
۳- اورینٹل کالج میگزین (لاہور) مئی ۲۶ء، نومبر ۲۶، نومبر ۲۸ء، مئی ۲۹ء، فروری ۳۱ء، مئی ۳۱ء، اگست ۳۱ء، مئی ۳۴ء، اگست ۳۵ء، نومبر ۳۵ء، فروری ۳۷ء، اگست ۳۷ء، نومبر ۳۷ء، فروری ۳۸ء،
۴- اردو معلی (لسانیات نمبر شمارہ ۴، ۵) شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی
۵- مجلۂ عثمانیہ (حیدرآباد نمبر) شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی ۶۵-۱۹۶۴ء

www.taemeernews.com

Books in English

Beams, John : *A Comparative Grammar of Modern Indian Languages*, Delhi, 1966

Bloch, Jules : *The Formation of the Marathi Language* (Trans. from French), Delhi, 1970

Cummings T. F. and Bailey T. G. : *Panjabi Manual and Grammar*, Calcutta, 1925

Chatterji S.K. : *The Origin and Development of the Bengali Language* (Vol. I & II), London, 1970

—— *Indo-Aryan and Hindi*, 2nd Ed. Calcutta, 1960

Gill and Gleason, Jr., Harjeet Singh and Henry A. : *A Reference Grammar of Panjabi*, Hartford (U.S.A.), 1963

Grierson, G. A. : *Lingustic Survey of India*, Part I and Vol. IX, Part I (Rep), 1968

Kellog, S. H. : *A Grammar of the Hindi Language*, London, 1955

Master, A. : *A Grammar of Old Marathi*. London, 1964

Mirza Khalil A. Beg : *Urdu Grammar—History and Structure*, New Delhi, 1988

Platts, John T. : *A Grammar of the Hindustani or Urdu Language*, Delhi, 1967

Singh J. D. : *A Descriptive Grammar of Bangru*, Kurukshetra, 1970

Tagare G. V. : *Historical Grammar of Apabhramsa*, Poona, 1948

www.taemeernews.com

Woolner A. C. : *Introduction of Prakrit*, Varanasi, 1966

Periodicals

1. *Bulletin of the School of Oriental Studies*, London. Vols. 1928-30, 1937, 1938, 1939
2. *Journal of the Royal Asiatic Society*, Vols. 1910, 1933, 1949

हिन्दी की पुस्तकें

अम्बाप्रसाद सुमन : हिन्दी और उसकी उप-भाषाओं का स्वरूप, प्रयाग, 1966

उदयनारायण तिवारी : हिन्दी भाषा का उद्गम और विकास (द्वितीय संस्करण), प्रयाग, 1972

कामता प्रसाद गुरु : हिन्दी व्याकरण, काशी, २००५ वि०

किशोरी दास वाजपेयी : ब्रजभाषा का व्याकरण, करनल 1943

कुलकरणी, कृ० पा० : मराठी भाषा : उद्गम व विकास, बम्बई, 1933

चौधरी अनन्त : हिन्दी व्याकरण का इतिहास, पटना, 1972

ज्यूल ब्लॉक : भारती आर्य भाषा (फ्रेंच से अनुदित) अनुवादक : लक्ष्मी सागर वार्ष्णेय, लखनऊ, 1972

www.taemeernews.com

दूनी चन्द : पंजाबी और हिन्दी का सामान्य भाषा-विज्ञान

धीरेन्द्र वर्मा : हिन्दी भाषा का इतिहास, इलाहाबाद, 1973

———— : ब्रजभाषा व्याकरण, इलाहाबाद, 1933

———— : ग्रामीण हिन्दी, प्रयाग, 1933

नामवर सिंह : हिन्दी के विकास में अपभ्रंश का योग, इलाहाबाद, 1971

भोलानाथ तिवारी : हिन्दी भाषा, इलाहाबाद, 1972

माता प्रसाद गुप्त : कुतब शतक और उसकी हिन्दुई, वाराणसी, 1967

माताबदल जायसवाल : मानक हिन्दी का ऐतिहासिक व्याकरण, इलाहाबाद, 1967

राम कुमार वर्मा : संत कबीर, इलाहाबाद

राम चन्द्र शुक्ल : हिन्दी साहित्य का इतिहास, इलाहाबाद, 1967 वि०

श्याम सुन्दर दास : हिन्दी भाषा और साहित्य, इलाहाबाद, 1930

www.taemeernews.com

हरिऔध : हिन्दी और उसके साहित्य का विकास

हरदेव बाहरी : ग्रामीण हिन्दी बोलियाँ, इलाहाबाद, 1966

पत्रिका

नागरी प्रचारणी सभा पत्रिका

1978, 90, 94, 95

www.taemeernews.com

پروفیسر مسعود حسین خاں کی دیگر تصانیف

اقبال کی نظری و عملی شعریات لسانیاتی تنقید کے نقطۂ نظر سے اقبال کے فن اور فن کے بارے میں خیالات کا جائزہ، جس پر مصنف کو ۱۹۸۴ء کا ساہتیہ اکادمی ایوارڈ ملا ہے۔ قیمت ۱۵/-

دو نیم (مجموعۂ کلام) کا اضافہ شدہ نیا ایڈیشن۔ گیتوں غزلوں اور نظموں کا انتخاب اپنی نوعیت کا منفرد شعری مجموعہ جسے ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ نے دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع کیا ہے۔ قیمت ۲۵/-

(گیتوں کا ہندی ایڈیشن بھی دستیاب ہے۔ قیمت ۱/۲۵)

شعر و زبان علمی، ادبی اور لسانی مضامین جو اپنے اسلوبِ نگارش اور علمیت کے باعث اہلِ ذوق و نظر سے تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ۵/-

اُردو کا المیّہ اردو زبان کے مختلف مسائل پر لکھے گئے "ہماری زبان" (انجمن ترقی اردو، ہند) کے معرکۃ الآرا اداریے۔ ضمیمے کے طور پر اس میں ۱۹۷۱ء کی مردم شماری پر مبنی اردو کے ریاست اور ضلع وار اعداد و شمار کے جدول شامل۔ (نیا ایڈیشن زیرِ طبع)

اردو زبان و ادب ادبی و لسانی مضامین کا مجموعہ جسے دیدہ زیب طباعت کے ساتھ ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ نے شائع کیا ہے۔ قیمت ۱۲/۵۰

www.taemeernews.com

عاشورنامہ روشن علی سہارن پوری کا لکھا ہوا شمالی ہند کا پہلا مرثیہ (۱۶۸۸ء) جو اس عہد کی عوامی اردو کی ایک اہم دستاویز ہے۔ قیمت -/۱۰

قصّہ مہر افروز و دلبر شمالی ہند کا پہلا قصہ جسے عیسوی خاں بہادر نے اٹھارویں صدی کے وسط میں زبانِ دہلوی میں تصنیف کیا۔ واحد قلمی نسخے سے ترتیب و تہذیب از پروفیسر مسعود حسین۔ قیمت -/۱۳

(اس کا ہندی ایڈیشن بھی دستیاب ہے۔ قیمت -/۱۰)

ابراہیم نامہ عادل شاہی دور کے نامور شاعر عبدل کی تصنیف "ابراہیم نامہ" کا متن، حواشی و تعلیقات کے ساتھ پروفیسر مسعود حسین نے واحد قلمی نسخے سے مرتب کیا۔ قیمت -/۱۰

بکٹ کہانی شمالی ہند کا عہد جہاں گیری کا پہلا اردو بارہ ماسہ جسے پروفیسر مسعود حسین ادارۂ ادبیات اردو (حیدر آباد) کے قدیم ترین مخطوطے کو بنیاد مان کر پروفیسر نورالحسن ہاشمی کے تعاون سے مرتب کیا۔ قیمت ۲/۵۰

رقعاتِ رشید احمد صدیقی پروفیسر رشید احمد صدیقی کے ان خطوط کا مجموعہ جو انھوں نے اپنے "شاگردِ رشید" پروفیسر مسعود حسین کو لکھے تھے۔ قیمت -/۲۰

اردو لفظ کا صوتی و تجزیاتی مطالعہ پروفیسر مسعود حسین کے انگریزی میں لکھے تحقیقی مقالے کا اردو ترجمہ جسے ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ نے کیا ہے۔ قیمت -/۵

ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ

www.taemeernews.com

رودِ مسعود پروفیسر مسعود حسین کی خود نوشت جس نے ادبی دنیا میں اپنی بے باکی اور جسارت کی وجہ سے تہلکہ مچا دیا تھا۔ اگر یہ دیکھنا ہو کہ دوسرے کے گریبان کے ساتھ ساتھ اپنا دامن بھی کس طرح چاک کیا جاتا ہے تو اس کا مطالعہ کیجئے۔ قیمت ۔/۴ روپے

مقالاتِ مسعود پروفیسر مسعود حسین کے ادبی اور لسانی مضامین کا تازہ ترین مجموعہ۔ قیمت ۔/۲۰ روپے

اُردو کی تاریخ، تشکیل اور تقدیر اردو زبان کے بارے میں آپ جو کچھ جاننا چاہتے ہیں اس میں موجود ہے۔ یہ پروفیسر مسعود حسین کا وہ معرکۃ الآرا خطبہ ہے جو پروفیسر ایمیریٹس کا اعزاز پانے پر انھوں نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں دیا تھا۔

یوسف حسین خاں ساہتیہ اکیڈیمی نئی دہلی کے "ہندوستانی ادب کے معمار" سلسلے کی تازہ کڑی جس میں پروفیسر یوسف حسین خاں کی سیرت شخصیت اور علمی کارناموں کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔ قیمت ۔/۱۰ روپے

انتخاب کلامِ غالب غالب کے مکمل اردو کلام کا انتخاب جو کالی داس گپتا رضا کی رائے میں ایک 'دیدہ ور' غالب شناس نے کیا ہے جس کو دیکھنے سے بہ یک نظر غالب کے ذہنی ارتقا کی ترسیم ۱۸۱۶ تا ۱۸۵۵ء کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ غالب کے طرفداروں کے لئے ایک نایاب تحفہ۔ قیمت ۔/۴۰ روپے

www.taemeernews.com

مطبوعات ایجوکیشنل بک ہاؤس ۰ علی گڑھ

اقبالیات

کلیاتِ اقبال — سستی ایڈیشن — ۸۵/۰۰
[illegible] اقبال — آل احمد سرور — ۵۰/۰۰
فکرِ اقبال — خلیفہ عبدالحکیم — ۳۰۰/۰۰
اقبال بحیثیت شاعر — رفیع الدین ہاشمی — ۷۵/۰۰
اقبال شاعر و مفکر — نور الحسن نقوی — ۸۰/۰۰
اقبال فن اور فلسفہ — نور الحسن نقوی — ۳۰/۰۰
بانگِ درا (عکسی) — علامہ اقبال — ۳۰/۰۰
بالِ جبریل (عکسی) — علامہ اقبال — ۳۵/۰۰
ضربِ کلیم (عکسی) — علامہ اقبال — ۳۵/۰۰
شکوہ جوابِ شکوہ مع شرح — علامہ اقبال — ۱۰/۰۰

غالبیات

دیوانِ غالب — مقدمہ نور الحسن نقوی — ۵۰/۰۰
غالب شخص اور شاعر — مجنوں گورکھپوری — ۴۰/۰۰
غالب شاعر اور مکتوب نگار — نور الحسن نقوی — ۵۰/۰۰

سرسید

سرسید احمد خاں اور ان کا عہد — ثریا حسین — [illegible]
مقالاتِ سرسید احمد خاں — عبدالحق — [illegible]
سرسید اور ان کے نامور رفقاء — سید عبداللہ — [illegible]
انتخاب مضامین سرسید — آل احمد سرور — ۲۵/۰۰
سرسید [illegible] — افتخار عالم — [illegible]
علی گڑھ [illegible] — افتخار عالم — [illegible]
سرسید اور ان کے کارنامے — نور الحسن نقوی — [illegible]

فیض

کلامِ فیض (عکسی) — فیض احمد فیض — ۶۰/۰۰
نقشِ فریادی (عکسی) — فیض احمد فیض — ۱۵/۰۰
دستِ صبا (عکسی) — فیض احمد فیض — ۲۰/۰۰

لسانیات

مقدمہ تاریخ زبان اردو — ڈاکٹر مسعود حسین خاں — [illegible]
اردو زبان کی تاریخ — ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ — [illegible]
اردو کی لسانی تشکیل — ڈاکٹر مرزا خلیل احمد بیگ — [illegible]
اردو لسانیات — ڈاکٹر شوکت سبزواری — [illegible]
[illegible] — گیان چند جین — [illegible]

ادب و تنقید

[illegible]

[illegible] — سید محمد حسنین — ۲۰/۰۰
اردو افسانے میں حقیقت نگاری — رفیق جہاں بیگم — [illegible]
اردو ادب میں طنز و مزاح — وزیر آغا — ۸۰/۰۰
اردو داستان تحقیق و تنقید — قمر الہدیٰ فریدی — ۵۰/۰۰
داستان، ناول اور افسانہ — [illegible] — [illegible]
اردو افسانہ کا سماجی مطالعہ — [illegible] — [illegible]
پریم چند کے افسانے حقیقت نگاری — [illegible] — [illegible]
انگریزی ادب کی مختصر تاریخ — محمد یٰسین — [illegible]
مجنوں گورکھپوری حیات و ادبی خدمات — [illegible]
خواب باقی ہیں (خود نوشت) — آل احمد سرور — [illegible]
کچھ خطبے کچھ مقالے — آل احمد سرور — ۵۰/۰۰
اردو تحریک — آل احمد سرور — [illegible]
افکار کے دیے — آل احمد سرور — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
فن تنقید اور تنقید نگاری — نور الحسن نقوی — ۵۰/۰۰
اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ — سنبل نگار — ۸۰/۰۰
اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ — سنبل نگار — [illegible]
اردو ادب کی تاریخ — عظیم الحق جنیدی — [illegible]
تاریخ ادب اردو — نور الحسن نقوی — [illegible]
اردو ناول کی تاریخ و تنقید — علی عباس حسینی — [illegible]
اردو ڈرامہ کا ارتقا — عشرت رحمانی — [illegible]
اردو ڈراما کی تاریخ و تنقید — عشرت رحمانی — [illegible]
دکنی ادب کی تاریخ — محی الدین قادری زور — [illegible]
اردو قصیدہ نگاری — مرتبہ [illegible] — [illegible]
اردو مرثیہ نگاری — مرتبہ [illegible] — [illegible]
غزل کیا ہے؟ — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
اردو مثنوی کا ارتقا — عبدالقادر سروری — [illegible]
جدید شاعری — عبادت بریلوی — [illegible]
غزل اور مطالعۂ غزل — عبادت بریلوی — [illegible]
اردو تنقید کا ارتقا — عبادت بریلوی — [illegible]
[illegible]

مثنوی گلزارِ نسیم — مقدمہ قمر الہدیٰ فریدی — [illegible]
مثنوی سحر البیان — مقدمہ قمر الہدیٰ فریدی — [illegible]
[illegible] — مقدمہ ڈاکٹر [illegible] حسن — ۲۵/۰۰

سیاسیات

دنیا کی حکومتیں [illegible]
اصول سیاسیات (پرنسپل آف پولیٹکس) [illegible]
[illegible]
[illegible]

متفرق

اصولِ تعلیم — ڈاکٹر ضیاء الدین علوی — ۵۰/۰۰
جدید تعلیمی مسائل — ڈاکٹر ضیاء الدین علوی — ۵۰/۰۰
تعلیمی نفسیات کے تقاضے — مسرت زمانی — ۵۰/۰۰
تعلیم [illegible] کے مسائل — محمد شریف خاں — ۲۵/۰۰
[illegible] — محمد شریف خاں — [illegible]
جدید تعلیمی نفسیات — محمد شریف خاں — ۵۰/۰۰
فلسفۂ تعلیم — محمد شریف خاں — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible] — [illegible]
سائنس کی تدریس — [illegible] — [illegible]
جدید [illegible] — [illegible] — [illegible]
سائنس کی دنیا — [illegible] — [illegible]
[illegible] — مسرت زمانی — [illegible]
[illegible] — مسرت زمانی — [illegible]
[illegible] — مسرت زمانی — [illegible]
بچوں کی تربیت — مسرت زمانی — [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

ناول اور افسانے

[illegible]

مطبوعات ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ

اقبالیات

غالبیات

سرسید

لسانیات

ایجوکیشنل بک ہاؤس، مسلم یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ